پیش لفظ

وردھمان مہاویراوپن یونیورسٹی کوٹہ (راجستھان) نے رواں تعلیمی سال ۱۳-۲۰۱۲ء سے اردو ادب کو بی۔اے۔ سالِ اوّل میں بحیثیت اختیاری مضمون شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس ادارے کے ذمّہ داران بالخصوص محترم وائس چانسلر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اردوداں حلقوں کے لیے یہ فیصلہ اس لیے خوش آئند ہے کہ اب اس یونیورسٹی سے اردوداں افراد بی۔اے۔ میں ایک مضمون کے طور پر اردو ادب کو اختیار کر کے اپنا تعلیمی سفر جاری رکھ سکتے ہیں۔

حکومتِ راجستھان نے تقریباً پچّیس سال پہلے تعلیم کو فاصلاتی طریقے سے عام کرنے کے لیے یہ یونیورسٹی قائم کی تھی۔ اس ادارے نے اس میدان میں مؤثر اور کارگر کردار ادا کیا ہے۔ اس دوران لاکھوں افراد اس سے مستفید ہو چکے ہیں۔ اس نظامِ تعلیم کا کلیدی نکتہ اور خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اس میں ہر کورس کے تمام طلبہ کو مکمل نصابی مواد فراہم کیا جاتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر یہ کتاب جو بی۔اے۔ سالِ اوّل کے اختیاری مضمون ''اردو ادب'' کے پہلے پرچے ''غیر افسانوی نثر'' کے لیے تیار کرائی گئی ہے۔ اس کے اسباق کو راجستھان اور بیرونِ راجستھان کے مختلف تعلیمی اداروں کے قابل اور تجربہ کار اساتذہ سے لکھوایا گیا ہے۔ اس کتاب میں کل اٹھارہ (۱۸) اکائیاں ہیں۔

پہلی اکائی میں اردو کی اہم غیر افسانوی اصناف مثلاً انشائیہ، مضمون، خاکہ اور خطوط نگاری کی تعریف اور تاریخ بیان کی گئی ہے۔ دوسری، تیسری اور چوتھی اکائی انشائیہ، پانچویں، چھٹی اور ساتویں اکائی مضمون نگاری اور آٹھویں، نویں اور دسویں اکائی خاکہ، گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں اکائی خطوط نگاری سے متعلق ہیں۔ ہر صنف کے لیے تین اکائیاں مختص کی گئی ہیں جس میں پہلی اکائی میں صنف کا تعارف، صنفی خصوصیات اور تاریخ بیان کی گئی ہے۔ بعد کی دو اکائیاں متن پر مشتمل ہیں جن میں اکائی سے متعلق متون کا انتخاب کیا گیا ہے اور ان کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ آخری پانچ اکائیاں صحافت سے متعلق ہیں جن کے عنوانات 'صحافت: فن اور نظریات'، 'خبر: تعریف اور خبر بندی کے لوازم'، 'اداریہ نگاری'، 'کالم نگاری' اور 'فیچر نگاری' ہیں۔ ان کے ذریعہ طلبہ صحافت کی اہمیت سے واقف ہوں گے اور عملی طور پر ان کی صحافتی صلاحیتوں کو اجاگر ہونے کا موقع ملے گا۔

طلبہ کی سہولت کے لیے ہر اکائی کے آخر میں نمونے کے امتحانی سوالات دیے گئے ہیں تاکہ طلبہ ان سے استفادہ کر سکیں۔ ہر اکائی میں جو مشکل الفاظ آئے ہیں انہیں معانی کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ فراہم کردہ نصابی کتابوں کے علاوہ مشاورتی جماعتوں اور سفارش کردہ کتابوں سے بھی استفادہ کریں گے۔

ایڈیٹر

اکائی 1

اردو کی اہم غیر افسانوی اصناف کا تعارف

اکائی کے اہم اجزا :

1.1 اغراض ومقاصد

1.2 تمہید

1.3 نثر کی تعریف اور اہمیت

1.4 انشائیے کی تعریف

1.5 اردو میں انشائیہ نگاری کا آغاز اور ارتقا

1.6 مضمون کی تعریف- فنی خصوصیات اور اقسام

1.7 اردو میں مضمون نگاری کی روایت

1.8 خاکہ کی تعریف اور فنی خصوصیات

1.9 اردو میں خاکہ نگاری کا آغاز اور ارتقا

1.10 خط کی تعریف اور خصوصیات

1.11 اردو میں خطوط نگاری کی مختصر تاریخ

1.12 اکائی کا خلاصہ

1.13 نمونے کے امتحانی سوالات

1.14 فرہنگ

1.15 سفارش کردہ کتابیں

1.1 اغراض ومقاصد

اِس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقّع کی جاتی ہے کہ وہ:

☆ غیر افسانوی نثر کی مختلف اصناف کی تعریف کر سکیں۔

☆ غیر افسانوی نثر کی خصوصیات اور اقسام بیان کر سکیں۔

☆ اردو میں ان اصناف کی روایت کا جائزہ لے سکیں۔

1.2 تمہید

شاعری کی طرح نثر کو بھی مختلف اصناف میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ نثری اصناف کے دو زمرے ہیں (۱) افسانوی نثر کی اصناف (۲) غیر افسانوی نثر۔ غیر افسانوی نثر کی چند اہم اصناف یہ ہیں (۱) انشائیہ (۲) مضمون (۳) خاکہ (۴) خطوط۔

اس اکائی میں غیر افسانوی اصناف کی تفصیل پیش کی جائے گی اور ہر صنف کی روایت کا جائزہ لیا جائے گا۔

1.3 نثر کی تعریف اور اہمیت

نثر اس تحریر کو کہا جاتا ہے جس میں کسی خیال کو الفاظ کا روپ دیا جاتا ہے۔ اس میں شاعری کی طرح وزن کی قید نہیں ہوتی اور کسی طرح کا ابہام نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس میں شاعری کی طرح تشبیہ اور استعارہ کا استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نہایت سچّائی سے بھرپور حقیقت کا اظہار ہوگا تا کہ بات دوسروں تک اچّھی طرح پہونچ جائے۔

نثر پر شاعری کو ایک طرح سے فوقیت حاصل رہی ہے، کیوں کہ نثر کے مقابلے میں نظم کو انسانی ذہن آسانی سے یاد کر لیتا ہے۔ لیکن نثر کے ذریعہ اپنی بات آسانی اور صفائی کے ساتھ دوسروں تک پہنچائی جا سکتی ہے۔ نثر میں حقیقت کا اظہار، وضاحت، سچّائی اور معنی خیزی اہم ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس میں بھی تشبیہ اور استعاروں سے مدد لی جا سکتی ہے، مگر بات صاف اور سیدھی کہی جائے گی۔

اگر ایک جملے میں ایک سے زیادہ معنی نکل رہے ہوں تو یہ نثر کی خوبی نہیں بلکہ عیب ہے۔ نثر کی سب سے بڑی خوبی اس کی صاف گوئی ہے۔ اگر جملوں کی ساخت کو خوبصورت بنانے میں ابہام پیدا ہو جائے تو نثر نہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگی اور اس کی اثر پذیری ختم ہو جائے گی۔ غرض نثر کا حسن اس کی جامعیت، قطعیت اور صاف گوئی میں چھپا ہے۔

نثر کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اس نے شاعری کے مقابلے میں مختلف انسانی علوم کو اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ فلسفہ، تاریخ، سیاست، معاشیات، جغرافیہ اور سائنس وغیرہ کی کتابیں نثر میں لکھی گئیں۔ کیوں کہ نثر میں الفاظ کے مفہوم و مطالب کا تعیّن ممکن ہے۔ اس میں دلیل اور ثبوت کی گنجائش بھی ہے۔ اس طرح تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اپنے خیالات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

1.4 انشائیہ کی تعریف

انشائیہ (Essay) کی اصطلاح ابتدا میں مضمون کے لئے استعمال کی گئی۔ آگے چل کر انشائیہ کو مضمون کی ایک قسم (Light Essay) کے لئے خاص کر دیا گیا۔ انشائیہ اردو نثر کی ایک ایسی صنف ہے جس میں کسی اہم یا غیر اہم واقعے، کسی جذبے یا محض کسی لمحاتی کیفیت کو پُر لطف اور بے ساختہ انداز میں پیش کر دیا گیا ہو۔ اس میں انشائیہ نگار اپنے ذاتی مشاہدات اور تاثرات کی روشنی میں مزے لے لے کر اپنا نظریہ پیش کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی شخصی تحریر ہے جس میں مصنف کی شخصیت پوری طرح جلوہ گر نظر آتی ہے۔

انشائیہ نگار کا بے تکلف اسلوبِ بیان، آزادانہ خیال آرائی، شگفتہ بیانی، ندرت، تازگی، الفاظ و معانی کی ہم آہنگی اور کہیں کہیں طنز و مزاح کی چاشنی عبارت کو دلکش بنا دیتی ہے۔ وہ اپنے تخیل کی پرواز سے معمولی باتوں میں دلکش پہلو تلاش کر لیتا ہے۔ گویا انشائیہ میں حسنِ خیال بھی ہوتا ہے، حسنِ بیان بھی، حسنِ الفاظ بھی اور حسنِ معنی بھی۔

1.5 اردو میں انشائیہ نگاری کا آغاز و ارتقا

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اردو کی سب سے پہلی انشائیہ تحریر رجب علی بیگ سرور کی تصنیف فسانۂ عجائب ہے جو 1824 میں لکھی گئی تھی جب کہ بعض لوگ سرسید، حالی، نذیر احمد اور شبلی وغیرہ کے مضامین کو اردو کے پہلے دور کے انشائیہ قرار دیتے ہیں، اسی زمانے میں سب سے پہلے مولانا محمد حسین آزاد نے اپنے خیالی اور تمثیلی انشائیہ مضامین لکھے تھے ان ہی مضامین کے مجموعے کا نام ''نیرنگِ خیال'' ہے اس میں گلشن امید کی بہار اور انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا وغیرہ مولانا محمد حسین آزاد

کے لکھے ہوئے بہترین انشائیہ مضامین شامل ہیں۔مولانا محمد حسین آزاد ایک بہترین صاحب طرز انشا پرداز تھے۔ان کے انشائیہ مضامین کی عبارت میں بے ساختگی اور سلاست کے ساتھ رنگینی اور دل کشی بھی ہے۔ظرافت کے ساتھ محاوروں کا لطف زبان کو دلآویز بنا دیتا ہے۔ان کے مضامین میں کہیں کہیں انگریزی انشاء پردازوں کے خیالات کی جھلک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔اس کے بارے میں آزاد نے نیرنگِ خیال کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے انگریزی انشا پردازوں کے خیالات سے اکثر چراغ روشن کیا۔نیرنگِ خیال کو اردو میں انشائیہ مضامین کا پہلا مجموعہ کہا جاسکتا ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد کے بعد اردو میں انشائیہ نگاری کا سلسلہ بڑھتا رہا۔مولانا عبدالحلیم شرر نے بھی اچھے انشائیہ مضامین لکھے جو مضامین شرر کے نام سے شائع ہوئے۔اسی طرح خواجہ حسن نظامی مرزا فرحت اللہ بیگ اور ملا رموزی بھی وغیرہ نے بھی اردو میں انشائیہ مضامین لکھے۔انشائیہ نگاری کے فن کو رشید احمد صدیقی نے بہت زیادہ ترقی دی ان کے انشائیہ مضامین کا مجموعہ ''مضامین رشید'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ان کے انشائیہ مضامین میں ''ارہر کا کھیت'' اور الکشن بہت مشہور ہیں۔اسی طرح احمد شاہ بُخاری جو پطرس بخاری کے نام سے مشہور ہیں ان کے انشائیہ مضامین کا مجموعہ ''مضامین پطرس'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ان کے مضامین میں ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی''، ''سینما کا عشق''، ''کُتے'' اور ''مرید پور کا پیر'' وغیرہ کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

انشائیہ نگاری کا دائرہ وسیع ہوتا رہا۔اور محمد عمر المعروف شوکت تھانوی، کنہیا لال کپور، کرشن چندر، رام لال نابھوی یوسف ناظم اور احمد جمال پاشا وغیرہ نے بہت سے اچھے انشائیے لکھے۔

ہندوستان کی تقسیم کے بعد بہت سے انشائیہ نگار پاکستان میں جا بسے اور وہاں بھی انشائیہ نگاری کی جانب خاصی توجہ کی جاتی رہی۔غرض آزادی کے بعد ہندوستان اور پاکستان میں اردو انشائیہ نگاری کو بہت زیادہ فروغ ملا۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ نثر کی تعریف بیان کیجئے۔

۲۔ ادب میں نثر نگاری کی اہمیت بتایئے۔

۳۔ انشائیہ کسے کہتے ہیں؟

۴۔ اردو کے اہم انشائیہ نگاروں کے نام بتایئے۔

۵۔ مولانا محمد حسین آزاد کی انشائیہ نگاری پر اظہارِ خیال کیجئے۔

1.6 مضمون نگاری کی تعریف، فنی خصوصیات اور اقسام

کسی موضوع پر ترتیب اور تسلسل کے ساتھ اظہارِ خیال کو مضمون کہا جاتا ہے۔انگریزی میں اس صنف کو ''ایسے'' (Essay) کہتے ہیں۔

مضمون کے تین حصّے ہوتے ہیں۔

۱۔ **تمہید** : اس میں موضوع کا تعارف کروایا جاتا ہے۔

۲۔ **نفسِ مضمون** : اس میں سوضوع سے متعلق اپنے خیالات لکھے جاتے ہیں۔

۳۔ **خاتمہ** : موضوعات کے لحاظ سے مضامین کی کئی قسمیں ہیں، جیسے علمی و ادبی مضامین، سیاسی مضامین، معاشی مضامین، معاشرتی مضامین، تاریخی مضامین، سائنسی مضامین، تحقیقی مضامین، تنقیدی مضامین، وغیرہ۔

ادبی مضامین تین طرح کے ہوتے ہیں۔(۱) بیانیہ (۲) حکائیہ (۳) فکری۔

1.7 اردو میں مضمون نگاری کی روایت

اردو میں مضمون کے ابتدائی نمونے ملا وجہی کی سب رس میں ملتے ہیں، جس میں وجہی نے مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کیا ہے۔فورٹ ولیم کالج میں لکھی گئی تصانیف میں بھی مضمون کے نمونے مل جاتے ہیں، لیکن اردو میں مضمون نگاری کا باقاعدہ آغاز دہلی کالج سے ہوا۔ ماسٹر رام چندر نے کئی مضامین لکھے اور کئی مضامین کے انگریزی سے اردو میں ترجمے کئے۔ان کے مضامین کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

علی گڑھ تحریک سے وابستہ مصنفین نے مضمون نگاری کے فن کو آگے بڑھایا۔سرسیّد نے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور تعلیم کی طرف توجہ کی، سائنٹفک سوسائٹی قائم کی، رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا اور علی گڑھ میں ایم۔اے۔او۔کالج قائم کیا۔اس تحریک نے اردو زبان و ادب پر بھی اثر ڈالا۔اردو نثر میں کئی نئی اصناف کا اضافہ ہوا اور بالخصوص مضمون کی صنف نے ترقی کی۔علی گڑھ تحریک سے تعلق رکھنے والے مضمون نگاروں میں سرسیّد احمد خان کے علاوہ شبلی، حالی، نذیر احمد، چراغ علی، محسن الملک، اور وقار الملک قابلِ ذکر ہیں۔سرسیّد نے اپنے مضامین میں عقلیت پسندی پر زور دیا۔شبلی نے تاریخِ اسلام پر کئی کتابیں لکھیں۔ڈپٹی نذیر احمد نے اخلاقی ناولوں کے ذریعہ اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ چراغ علی، محسن الملک اور وقار الملک کا اپنا اپنا انداز تھا، جس کے ذریعہ انھوں نے اس صنف کے دامن کو وسیع کیا۔

جنگِ آزادی کے دوران کئی ادیبوں نے سیاسی مسائل پر مضامین لکھے۔ان میں مولانا شبلی پیش پیش تھے۔سیاسی مسائل پر مضامین لکھنے والوں میں مولانا محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد اور ظفر علی خاں کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

تنقید بھی مضمون کی ایک صنف ہے۔تنقیدی مضامین لکھنے کی ابتدا سرسیّد احمد خاں کے زمانے سے ہی ہو چکی تھی۔سرسیّد نے نیچرل شاعری پر مضمون لکھے۔محمد حسین آزاد نے آزاد نظم اور کلام موزوں پر ایک تقریر کی جسے ہم اردو کا پہلا تنقیدی مضمون کہہ سکتے ہیں۔حالی نے ''مقدّمۂ شعر و شاعری'' کے عنوان سے ایک طویل مقدّمہ تحریر کیا۔ان کے بعد وحید الدین سلیم، عبدالرحمٰن بجنوری، مولانا عبدالحق نے اہم تنقیدی مضامین لکھے۔فراق گورکھپوری اور نیاز فتح پوری نے اپنے مضامین کے ذریعہ اردو تنقید میں خوش گوار اضافے کیے۔

ترقّی پسند تحریک سے وابستہ نقادوں میں مجنوں گورکھپوری، اختر حسین رائے پوری، احتشام حسین، ممتاز حسین، عزیز احمد نے تنقیدی مضامین لکھے اور مارکسی نظریۂ ادب کو پیش کیا۔ترقی پسند تحریک سے بعد جدیدیت کے رجحان کو تقویت دینے میں شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ، شمیم حنفی کا نمایاں کردار رہا۔اس طرح اردو تنقید نے ایک لمبا سفر طے کیا۔ان کے ذریعہ اردو میں مضمون نگاری کو فروغ ملا۔

1.8 خاکے کی تعریف اور خصوصیات

خاکہ نگاری نثر کی ایک ایسی صنف ہے جس میں کسی شخص کی ذاتی خوبیوں اور خامیوں اور اس کے کارناموں کا ذکر مختصراً اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی شخصیت اور سیرت کی ایک تصویر نظروں کے سامنے آجاتی ہے اور مختصراً اس کی زندگی کے بعض اہم

واقعات اور حالات کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ خاکہ میں سوانح حیات کی طرح زندگی کے حالات اور واقعات تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کئے جاتے بلکہ اشاروں اشاروں مین ان کا ذکر کرتے ہوئے اس کی خوبیوں کو اس طرح اُجاگر کیا جاتا ہے کہ اس کی کمزوریاں اور برائیاں بھی بُری معلوم نہیں ہوتیں بلکہ وہ شخص اچھا معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

خاکہ میں کسی چھوٹے بڑے، امیر غریب، پڑھے لکھے یا ان پڑھ آدمی کے فرق کا خیال نہیں کیا جاتا ہے بلکہ کسی بھی شخص کا خاکہ لکھا جا سکتا ہے۔ جیسے مولوی عبدالحق نے مولانا محمد علی اور سرسید احمد خاں جیسے بڑے لوگوں کے خاکے بھی لکھے ہیں اور نورخاں اور نام دیو جیسے معمولی آدمیوں کے بھی جن کی ذاتی خصوصیات کو مولوی عبدالحق نے اس طرح بیان کیا ہے کہ معمولی آدمی ہوتے ہوئے بھی نورخاں اور رام دیو مالی بڑی شخصیت کے انسان معلوم ہونے لگے۔ نورخاں کو انہوں نے ''گدڑی کا لال'' کہا ہے۔

خاکہ نگاری کے لئے بھی سوانح نگاری طرح اس شخص کی سیرت اور شخصیت اور اس کی زندگی کے صحیح حالات کا معلوم ہونا ضروری ہے جس کا خاکہ لکھا جارہا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ خاکہ نگار اُن حالات اور واقعات کو ایمانداری کے ساتھ دلکش انداز میں پیش کرے تاکہ سیرت اور شخصیت نمایاں ہو سکے اور لوگ اس شخص کو اچھی نظر سے دیکھیں اور یاد رکھیں جس کا خاکہ لکھا گیا ہے۔

1.9 اردو میں خاکہ نگاری کا آغاز وارتقا

اردو میں خاکہ نگاری کا سلسلہ شاعروں کی تذکرہ نگاری کے زمانے سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اُن تذکروں میں شاعروں کی سوانح حیات کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں بیساختہ ان کے ہلکے ہلکے خاکے بھی نظر آتے ہیں مگر اس زمانے میں خاکہ نگاری کو فن کی حیثیت حاصل نہیں تھی۔

محمد حسین آزاد کی تصنیف ''آبِ حیات'' میں خاکہ نگاری کے ابتدائی اور نامکمّل نمونے نظر آتے ہیں۔ اس میں انھوں نے شعراء کا تعارف کراتے ہوئے ان کی مرقّع کشی بھی کی ہے۔ ان میں شعرا کا حلیہ، لباس، عادات واطوار، وغیرہ کا بیان کیا ہے۔

اردو میں خاکہ نگاری کا باقاعدہ آغاز مرزا فرحت اللہ بیگ نے کیا۔ ان کا مضمون ''نذیر احمد کی کہانی، کچھ ان کی کچھ میری زبانی''، خاکے کی خصوصیات کا حامل ہے۔ اس خاکے میں انھوں نے نذیر احمد کا حلیہ، لباس، بات چیت، رہن سہن کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ ان کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے استاد نذیر احمد کی خوبیوں کے ساتھ ان کی خامیوں کو بھی اُجاگر کیا ہے۔ ایک وصیت کی تعمیل میں ''لالہ سری رام'' ان کے لکھے ہوئے ان کے دیگر شخصی خاکے ہیں۔

مولوی عبدالحق نے اپنی چند ہم عصر شخصیتوں کے خاکے ان کی وفات کے بعد تحریر کئے ہیں۔ ان کے لکھے ہوئے خاکوں کا مجموعہ ''چند ہم عصر'' نہایت مقبول ہُوا۔ اس میں مولانا محمد علی، وحیدالدین سلیم، سرسیّد، حالی اور محسن الملک کے خاکے خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ مشہور ومعروف شخصیتوں کے علاوہ انھوں نے نام دیو مالی اور نورخاں جیسے معمولی آدمیوں کے خاکے لکھ کر ان کے نام روشن کر دیے۔ مولوی عبدالحق نے معروضی انداز میں شخصیتوں کی کردار نگاری کی ہے۔

اردو کی خاکہ نگاری کی تاریخ میں رشید احمد صدّیقی کے لکھے ہوئے خاکوں کے مجموعے بھی قابلِ ذکر ہیں جو ''ہم نفسانِ رفتہ''، ''گنج ہائے گراں مایہ'' اور ''خنداں'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے ''پیرو'' جیسے معمولی انسان کا خاکہ لکھ کر اسے مشہور کر دیا۔ ان کی خاکہ نگاری کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ اپنا ذکر کم کرتے ہیں اور شخصیات پر زیادہ توجہ دیتے ہیں وہ کسی شخصیت کا بیان کچھ اس انداز میں کرتے ہیں کہ اس کی چلتی پھرتی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ محمد علی، ڈاکٹر انصاری اور علاّمہ اقبال پر لکھے گئے ان کے خاکے قابلِ ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ اور بہت سے ادیبوں نے اپنے اپنے انداز میں خاکہ نگاری کی ہے اور ان کا خاکوں کے مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔ مثلاً شوکت تھانوی کے خاکوں کے مجموعے ''شیش محل'' اور ''قاعدہ بے قاعدہ''، سعادت حسن منٹو کے خاکوں کے مجموعے ''گنجے فرشتے''، ''لاؤڈ اسپیکر'' اور ''شخصیتیں'' شائع ہو چکے ہیں۔

عصمت چغتائی نے اپنے بھائی عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ ''دوزخی'' کے نام سے لکھا ہے نیز مجاز اور منٹو کے خاکے بھی لکھے ہیں۔ اسی طرح قاضی عبدالغفار نے حکیم اجمل خاں کا خاکہ لکھا ہے۔ اردو میں خاکہ نگاری کا فن ترقی کرتا گیا اور آج بھی یہ فن عروج پر ہے۔ بے شمار خاکے مرحوم اور زندہ ادیبوں، شاعروں اور اہم شخصیتوں پر لکھے گئے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ مضمون کسے کہتے ہیں؟

۲۔ اردو میں مضمون نگاری کا آغاز کیسے ہُوا؟

۳۔ علی گڑھ تحریک نے مضمون کی صنف کو کیسے ترقّی دی؟

۴۔ خاکہ کسے کہتے ہیں؟

۵۔ اردو میں خاکہ نگاری کے ابتدائی نقوش کی نشان دہی کیجیے۔

۶۔ اردو میں خاکہ نگاری کا باضابطہ آغاز کس نے کیا؟

۷۔ رشید احمد صدیقی کی خاکہ نگاری پر تبصرہ کیجیے۔

1.10 خط کی تعریف، خط کی قسمیں

خط اپنے خیالات، حالات اور واقعات کو دور رہنے والوں تک پہنچانے کا ایک تحریری ذریعہ ہے۔ خط کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) نجی خطوط (۲) کاروباری خطوط (۳) دفتری یا سرکاری خطوط۔

(۱) نجی خطوط : وہ ہیں جو رشتے داروں اور دوستوں کو لکھے جاتے ہیں۔ نجی خط میں پہلے مخاطب کے مرتبے اور مخاطب سے رشتے کے اعتبار سے القاب لکھے جاتے ہیں، جیسے، محترمی والد صاحب، پیارے دوست، سلام مسنون، آداب وغیرہ۔ اس کے بعد نفسِ مضمون جس میں ضرورت کے مطابق اور مناسب حال ہر طرح کی باتیں لکھی جاتی ہیں۔ آخر میں خط لکھنے والا مکتوب الیہ سے اپنے تعلق یا رشتے کو ملحوظ رکھتے ہوئے خط کو مکمل کرتا ہے۔ جیسے، آپ کا شاگرد، آپ کا بیٹا، نیازمند، وغیرہ۔

(۲) کاروباری خطوط : کسی کاروبار یا تجارت سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ خطوط نجی خطوط سے مختلف ہوتے ہیں۔ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ میں کوئی رشتہ داری یا دوستی نہیں ہوتی۔ یہ محض رسمی خطوط ہوتے ہیں۔ اس میں کسی تجارتی کمپنی کا مینیجر اپنے ایجینٹ کو یا کوئی دوکان دار کمپنی کو مال کی فراہمی کے لئے آرڈر دیتا ہے۔

(۳) دفتری یا سرکاری خطوط : دفتری یا سرکاری مراسلے کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ دفتری احکامات، ایک محکمے کا دوسرے محکمے سے کسی معاملے سے متعلق پوچھ تاچھ، ٹینڈر کے نوٹس، عدالت کے سمّن وغیرہ۔ اسی طرح مختلف معاملات کی انجام دہی سے متعلق درخواستیں متعلقہ ذمہ داران اور حُکّام کو لکھی جاتی ہے۔

1.11 اردو میں خطوط نگاری کی مختصر تاریخ

اردو میں خطوط نگاری کا آغاز 1857 سے قبل اس زمانے میں ہوا تھا جب مرزا غالب نے اپنی ضعیفی اور بیماری کی وجہ سے فارسی کے بجائے اردو میں خط لکھنا شروع کیے تھے۔ اس زمانے تک فارسی زبان میں ہی خط لکھے جاتے تھے۔ اور اُن خطوط میں بڑی علمی و ادبی فارسی زبان استعمال کی جاتی تھی۔ جو بیجا عبارت آرائی، تصنع اور بناوٹ کی وجہ سے بڑی پیچیدہ اور مشکل ہوتی تھی۔ عام فہم بول چال کی اردو زبان کو ادبی زبان نہیں سمجھا جاتا تھا اس لیے اردو میں خط بھی نہیں لکھے جاتے تھے۔

مرزا غالب بھی شروع میں فارسی ہی میں خط لکھتے تھے وہ اپنے دوستوں، ہمدردوں اور شاگردوں کے نام خود بھی خط لکھا کرتے تھے۔ اور اُن لوگوں کے خطوط کے جواب بھی تحریر کیا کرتے تھے۔ لیکن جب بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے فارسی زبان کی عبارت آرائی کی وجہ سے فارسی زبان میں خط لکھنے میں پریشانی محسوس کرنے لگے تو 1850 کے آس پاس اردو میں خط لکھنے لگے اور خط لکھنے کا ایک ایسا انداز اختیار کیا کہ اردو نثر میں مکتوب نگاری ایک صنف بن گئی۔

مرزا غالب نے اردو کے خطوط میں عبارت آرائی کے بجائے بے ساختگی سے کام لیا۔ انہوں نے سلیس عام فہم اور بات چیت کی زبان استعمال کی۔ ان کے خطوط کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو آدمی بات چیت کر رہے ہوں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ مرزا نے مراُسلہ یعنی خط کو مکالمہ یعنی آپس کی بات چیت بنا دیا۔ مرزا کے خطوط کی عبارت میں شوخی اور ظرافت کی چاشنی بھی شامل ہے اس کی وجہ سے عبارت بہت دلکش معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے پرانے انداز کے لمبے چوڑے القاب آداب کی جگہ مختصر الفاظ استعمال کئے۔ ان کے خطوط سے خود ان کے حالات زندگی، ان کے دوستوں، ہمدردوں اور شاگردوں کے حالات کا بھی پتہ چلتا ہے اور بہت سے علمی و ادبی نکات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کے عہد کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں خاص طور 1857 میں دہلی کے بہت سے ایسے چشم دید حالات اور واقعات کا پتہ چلتا جو اس زمانے کی تاریخی کتابوں میں بھی نہیں ملتے۔

مرزا غالب کے اردو مکاتیب کی طرز نگارش کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ مرزؔا کی زندگی ہی میں ان کے انتقال سے تقریباً چار سال پہلے تک کے خطوط کا ایک مجموعہ ''عود ہندی'' کے نام سے چھپ گیا تھا اور ان کے انتقال کے کچھ ہی دن بعد دوسرا مجموعہ ''اردوئے معلیٰ'' کے نام سے چھپا اور پھر ان کے خطوط کے کئی اور مجموعے شائع ہو کر منظر عام پر آئے۔

1857 کے بعد سرسید، مولانا حالی، مولانا شبلی اور مولوی نذیر احمد نے بھی اردو میں، خطوط نگاری کی جانب توجہ کی ان لوگوں کے خطوط کے مجموعے مکاتیب سرسید، مکاتیب حالی، مکاتیب شبلی اور مکاتیب نذیر احمد کے نام سے شائع ہوئے۔ جن میں

عام طور پر علمی وادبی اور قومی وسماجی مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔ان کی عبارت سلیس، عام فہم اور مدلل ہے۔

اردو خطوط نگاری کی تاریخ میں مولانا ابولکلام آزاد کے مکاتیب کا مجموعہ ''غبار خاطر'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ مولانا آزاد کے اُن خطوط کا مجموعہ ہے جوانہوں نے احمد نگر کی جیل میں قید کے زمانے میں 1942 سے 1945 تک اپنے دوست مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کے نام لکھے تھے مگر قید و بند کی پابندی کی وجہ سے ان خطوط کو ارسال نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مولانا آزاؔد کی جیل سے آزادی کے بعد ان کے خطوط ''غبار خاطر'' کے نام سے شائع ہوئے ان خطوط کی عبارت میں مولانا آزاؔد کے اسلوب نگارش اُن کے طرز تحریر اور اُن کی انشا پردازی کے جوہر نظر آتے ہیں۔انہوں نے موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے اسلوب نگارش اختیار کیا ہے کہیں فارسی آمیز زبان کے ساتھ اشعار بھی لکھے ہیں تو کہیں سلیس آسان اور عام فہم زبان استعمال کی ہے ان کی عبارت میں کہیں کہیں طنز وظرافت کی چاشنی بھی نظر آتی ہے۔اور کہیں کہیں ان کے حالات زندگی اور ان کی شخصیت کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

غرض مرزا غالبؔ کے بعد اردو میں خطوط نگاری کا سلسلہ بڑھتا رہا اور ارباب علم وادب اپنے اپنے انداز میں خطوط لکھنے لگے اور ان کے مجموعے بھی شائع ہونے لگے۔اس سلسلے میں مولانا عبدالماجد دریابادی، مہدی افادی، سجاد ظہیر اور صفیہ اختر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ خط کی تعریف بیان کیجیے۔

۲۔ خط کی قسمیں بیان کیجیے۔

۳۔ غالبؔ نے خطوط نویسی کے طریقِ کار میں کیا تبدیلی برتی؟

1.12 خلاصہ

اس اکائی میں ہم نے نثر کی اہم غیر افسانوی اصناف، انشائیہ، مضمون، خاکہ اور خط کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔اس میں سب سے پہلے نثر کی تعریف اور اس کی اہمیت بیان کی گئی۔

انگریزی کا Light Essay اردو میں انشائیہ کہلایا۔انشائیہ ایک ایسی صنف ہے جس میں کسی اہم یا غیر اہم واقعے، کسی جذبے یا محض کسی لمحاتی کیفیت کو پُر لطف اور بے ساختہ انداز میں پیش کر دیا جاتا ہو۔عبدالحلیم شرؔر، خواجہ حسن نظامی، رشید احمد صدیقی، پطرس بُخاری نے انشائیہ لکھے۔

کسی موضوع پر ترتیب اور تسلسل کے ساتھ اظہارِ خیال کو مضمون کہا جاتا ہے۔مضمون تین اجزاء تمہید، نفسِ مضمون اور خاتمہ پر مشتمل ہوتا ہے۔اردو میں مضمون نگاری کا باقاعدہ آغاز دہلی کالج سے ہوتا ہے۔بعد میں علی گڑھ تحریک سے وابستہ مصنفین نے اس فن کے دائرے کو وسیع کیا۔اس تحریک سے تعلق رکھنے والے مضمون نگاروں میں سرسیّد احمد خان کے علاوہ، شبلی، حالی، نذیر احمد، چراغ

علی محسن الملک اور وقار الملک، نے صنفِ مضمون کو ترقی بخشی۔ اردو کے نقّادوں نے ہر دور میں تنقیدی مضامین لکھے اور ان کے ذریعہ اردو میں مضمون نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔

خاکہ بھی نثر کی ایک صنف ہے۔ اس میں کسی شخصیت کے کسی ایک یا چند پہلوؤں کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ ذہن میں اس کی ایک تصویر ابھر آئے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ اردو کے پہلے باضابطہ خاکہ نگار تھے۔ ان کے بعد مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، عصمت چغتائی، سعادت حسن منٹو، وغیرہ نے اس صنف کو استحکام بخشا۔

خط اپنے خیالات، حالات اور واقعات کو دور رہنے والوں تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔ خط کی کئی قسمیں ہیں (۱) نجی (۲) کاروباری (۳) دفتری۔ غالبؔ نے اردو میں خطوط نگاری کا انداز بدلا۔ انھوں نے اپنے خطوط میں اپنے عہد کی تاریخ اور اپنی شخصیت کو پیش کیا۔ غالبؔ کے بعد سرسیّد، حالی، نذیر احمد، شبلی، اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد اور کئی ادیبوں نے بہترین خطوط لکھے۔

1.13 نمونے کے امتحانی سوالات

درجِ ذیل سوالات کے جوابات تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ خاکے کی فنی خصوصیات لکھیے۔

۲۔ اردو خطوط نگاری کی مختصر تاریخ بیان کیجیے۔

درجِ ذیل سوالات کے جواب پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ اردو انشائیہ نگاری کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالیے۔

۲۔ اردو میں مضمون نگاری کی روایت کا جائزہ لیجیے۔

1.14 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
صنف	قسم	فوقیت	ترجیح، بہتری
ابہام	غیر واضح بات، بات کھول کر نہ کہنا	جامعیت	جامع ہونا، سب طرح کی خوبیاں
قطعیت	دوٹوک، فیصلہ کن انداز	تخیّل	خیال کرنا، سوچ
تسلسل	کسی کام کا برابر ہوتے رہنا، پیوستہ ہونا	خاتمہ	ختم
وابستہ	جُڑے ہوئے	نیچرل	فطری، قدرتی
مختصراً	مطلب کو کم لفظوں میں بیان کرنا	مرقع کشی	تصویر کشی
معروضی	عقلی، غیر جذباتی، حقیقی	مکتوب نگار	خط لکھنے والا
مکتوب الیہ	جس کے نام خط لکھا جائے	بے ساختگی	بے تکلّفی، بے دھڑک
چشم دید	آنکھوں دیکھا	طویل	لمبا
خوش گوار	دل پسند، وہ چیز جو اچّھی لگے	اِضافہ	کسی چیز پر کچھ بڑھانا، ترقی

1.15 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ	سُنبل نگار
۲۔ خاکے، انشائیہ، ڈرامے اور افسانے	محمد قاسم صدیقی
۳۔ اصنافِ ادب اردو	ڈاکٹر قمر رئیس و ڈاکٹر خلیق انجم
۳۔ انشائیہ اور انشائیے	سید محمد حسنین
۴۔ غالب، شاعر اور مکتوب نگاری	نورالحسن نقوی
۵۔ اردو ایسیز	ظہیرالدین مدنی
۶۔ ادب کا مطالعہ	ڈاکٹر اطہر پرویز
۷۔ گلدستۂ مضامین و انشا پردازی	ڈاکٹر محمد عارف خاں
۸۔ اردو مضمون کا ارتقاء	سیدہ جعفر

☆☆☆

اکائی : 2

انشائیہ نگاری :تعریف،فن،آغاز وارتقاء

اکائی کے اہم اجزا :

2.1 اغراض ومقاصد

2.2 تمہید

2.3 انشائیہ کی تعریف اورفن

2.4 انشائیہ کی صنفی خصوصیات

2.5 انشائیہ اور مضمون نگاری میں فرق

2.6 انشائیہ نگاری کا آغاز اورارتقاء

2.7 خلاصہ

2.8 نمونے کے امتحانی سوالات

2.9 فرہنگ

2.10 سفارش کردہ کتابیں

2.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ انشائیہ کی تعریف اورفن کا جائزہ لے سکیں۔

☆ انشائیہ کی صنفی خصوصیات واضح کرسکیں۔

☆ انشائیہ اور مضمون کے فرق کو واضح کرسکیں۔

☆ انشائیہ کے آغاز اورارتقاء سے واقف ہوسکیں۔

2.2 تمہید

اس اکائی میں اُردو نثر کی اہم صنف انشائیہ نگاری کی تعریف،فن،آغاز وارتقاءاورانشائیہ نگاری کی خصوصیات سے روشناس کرایا جائے گا۔

2.3 انشائیہ نگاری کی تعریف اورفن

انشائیہ اردو نثر کی ایک خاص صنف ہے۔انگریزی میں اس صنف کو Light Essay کہتے ہیں۔انشائیہ کی تعریف ایک جملے میں نہیں کی جاسکتی۔انشائیہ ایسی تحریر ہے جو مختصر اور جامعے ہوتی ہے۔انشائیہ میں کسی اہم یا غیر اہم واقعے ،کسی خیال،کسی جذبے،کسی لمحاتی

کیفیت کو پُر لطف انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ انشائیہ نگار حیات و کائنات کے کسی بھی موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار بے تکلفی کے ساتھ شگفتہ اسلوب میں کرتا ہے، کسی مقصد کی تبلیغ یا کسی نظریے کی اشاعت سے اس کو سروکار نہیں ہوتا۔

انگریزی ادیب جانسن نے انشائیہ کی تعریف اس طرح کی ہے :

''It is a Loose Sally of Mind''

یعنی انشائیہ دماغ کی ایک ترنگ ہے۔ لفظ ترنگ ہی انشائیہ کی روح ہے۔

وزیر آغا انشائیہ نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں :

''انشائیہ کا خالق اس شخص کی طرح ہے جو دفتر کی چھٹّی کے بعد گھر پہنچتا ہے۔ چست و تنگ کپڑے اتار کر ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن لیتا ہے اور ایک آرام دہ مونڈھے پر نیم دراز ہو کر حقّے کی نلی ہاتھ میں لئے انتہائی بشاشت اور مسرت سے اپنے احباب سے محوِ گفتگو ہو جاتا ہے۔''

فرمان فتح پوری انشائیہ کی تعریف میں لکھتے ہیں :

''انشائیہ مضمون کی ہی ایک قسم ہے۔ مگر یہ مضمون نہیں۔ انشائیہ نگار کے لئے موضوع کی کوئی پابندی نہیں۔ چلتی پھرتی زندگی کی ہر بات، ہر ادا اور ہر کیفیت اس کی زد میں آسکتی ہے۔''

غرض انشائیہ داستان، ناول، ڈرامہ کی طرح ایک خاص صنفِ ادب ہے۔ انشائیہ میں بعض ایسے پہلو ہوتے ہیں جو دوسری صنفِ ادب میں نہیں پائے جاتے۔ انشائیہ کا موضوع عام طور پر علمی اور تحقیقی نہیں ہوتا، نہ ہی اس کا مقصد معلومات فراہم کرنا ہوتا ہے۔ انشائیہ کی نوعیت ذاتی اور انفرادی ہوتی ہے۔ انشائیہ داستان، ناول، افسانہ اور ڈرامہ وغیرہ کی صورت میں بھی لکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اپنے بنیادی اسلوب کی وجہ سے دیگر اصنافِ نثر سے مختلف ہوتا ہے۔ اسی لئے انشائیہ نگاری مشکل بھی ہے اور آسان بھی۔ یہ صنف کسی بھی موضوع پر انشائیہ نگار کی گپ ہے۔ لیکن یہ گپ سنی سنائی نہیں ہوتی، یہ ذاتی ہوتی ہے۔ اس میں آپ بیتی اور جگ بیتی کا لطف آتا ہے۔ اس میں نظم کی غنائیت، رنگینی، تازگی اور شگفتگی بھی موجود ہوتی ہے۔ اس طرح انشائیہ نثری ادب کی ایک خاص صنف ہے۔ اپنے موضوع اور صنفی خصوصیات کی بنا پر ایک خاص مقام کی حامل ہے۔

2.4 انشائیے کی صنفی خصوصیات

انشائیہ اردو ادب کی ایک خاص صنف ہے اور اپنی صنفی خصوصیات کی بنا پر ایک خاص مقام کی حامل بھی ہے۔ ایک اچّھے انشائیہ میں مندرجہ ذیل صنفی خصوصیات ہوتی ہیں :

ا۔ سادگی اور بے تکلّفی :

اچّھے انشائیہ کی سب سے بڑی خوبی سادگی اور بے تکلّفی ہے۔ کامیاب انشائیہ نگار ہر عنوان پر قلم اُٹھاتا ہے اور سادگی اور بے تکلّفی سے اپنی بات واضح کر دیتا ہے۔ اس کی باتوں میں تکلّف اور تصنع نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ اختصار :

انشائیہ کی ایک اہم خوبی اختصار بھی ہے۔انشائیہ میں غیر ضروری تفصیلات کی گنجائش نہیں ہوتی۔اسی لئے انشائیہ زیادہ طویل نہیں ہوتا۔ انشائیہ نگار اپنے خیالات اختصار کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

۳۔ موضوع کا تنوع :

انشائیہ میں موضوع کی پابندی نہیں ہوتی۔انشائیہ نگار زندگی کی ہر بات، ہر ادا، ہر کیفیت کو موضوع بناتا ہے۔وہ اپنی افتادِ طبع اور ندرتِ بیان سے بے بات کی بات میں کچھ بات پیدا کر سکتا ہے اور مؤثر انداز میں سب کچھ لکھ دیتا ہے۔موضوع کے لحاظ سے وہ خود مختار اور آزاد ہوتا ہے۔

۴۔ داخلیت اور غنائیت :

انشائیہ میں داخلیت اور غنائیت جیسی خوبیاں بھی موجود ہوتی ہیں۔یہ داخلیت صرف دل کے تاروں کو نہیں چھیڑتی بلکہ دماغ کو بھی قلابازیاں کھلاتی ہے۔

داخلیت کے سبب انشائیہ میں غنائیت کا لطف بھی آتا ہے۔انشائیہ سے وہ خمار میسّر ہوتا ہے، جس کی لہریں چھڑھتی اور اترتی رہتی ہیں۔بقول فرمان فتحپوری :

''انشائیہ نثر کی غزل ہے۔جس کا ہر جرعہ ایک نیا کیف سرور بخشتا ہے۔''

۵۔ طنز و ظرافت :

طنز و ظرافت انشائیہ کے حسن میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔ظرافت کے لئے بالغ ذہن، نفیس طبیعت اور شائستہ مزاج کا ہونا شرط ہے۔ورنہ ظرافت میں سوقیت پیدا ہو جاتی ہے۔نفیس ظرافت نا مطابق خیالات سے پیدا کی جاتی ہے۔اچھّے انشائیوں میں ظرافت کے رنگ پختہ اور بلند پایہ کے ہوتے ہیں اور ایسے اعلیٰ اور لطیف کہ ہنستے ہنستے ہم کھسیانی ہنسی ہنسنے لگتے ہیں۔ دوسروں پر ہنسنا آسان ہے، مگر دوسروں کو اپنے پر ہنسانا آسان نہیں۔

۶۔ بے ربطی و بے ترتیبی :

صنفِ انشائیہ کی دلکشی اس کی بے ربطی اور بے ترتیبی میں پوشیدہ ہے۔اچھا اور نفیس انشائیہ ذہن کا ایک شرارہ ہے جس کی ہر چنگاری آزاد اور منتشر ہوتی ہے۔ہم اسے ادب کی پھلجھڑی بھی کہہ سکتے ہیں۔

۷۔ انکشافِ ذات و عصری آگہی :

انشائیہ کو انکشافِ ذات کا مظہر بھی کہہ سکتے ہیں۔کیوں کہ انشائیہ نگار اس میں اپنی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور انکشافِ ذات کے توسّط سے کائنات اور اس کے حوادث کو بھی قلم بند کرتا ہے۔اس لیے انشائیہ میں ذات سے لے کر کائنات تک کا عکس ہوتا ہے۔اس طرح وہ اپنے عہد کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

۸۔ تازگی وشگفتگی :

انشائیہ کا ایک وصف تازگی اور شگفتگی بھی ہے۔انشائیہ کا اسلوب نہایت آسان،شگفتہ،رنگین اور پھولوں کی طرح تازہ اور دلکش ہوتا ہے۔اس میں پھولوں کی سی شگفتگی،ہواؤں کی سی تازگی اور موجوں کی سی روانی ہوتی ہے۔

خودجانچنے کے سوال

۱۔ انشائیہ نگاری کی صنفی خصوصیات بیان کیجئے۔

۲۔انشائیہ میں طنز وظرافت کی کیا اہمیت ہے؟تحریر کیجئے۔

۳۔ انشائیہ کسے کہتے ہیں؟تحریر کیجئے۔

۴۔ جانسن نے انشائیہ کی تعریف کس انداز سے کی ہے؟تحریر کیجئے۔

۵۔ انشائیہ کے متعلق وزیرآغا کا کیا خیال ہے؟

2.5 انشائیہ اور مضمون نگاری میں فرق

انشائیہ اور مضمون دونوں نثری ادب کی اصناف ہیں۔اگرچہ انشائیہ مضمون ہی کی ایک قسم ہے،مگر یہ مضمون نہیں۔انشائیہ اور مضمون میں بنیادی فرق مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ انشائیہ اور مضمون میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ ہر وہ خیال جو نثر میں پیش کیا جاتا ہے مضمون کہلاتا ہے۔انشائیہ میں بعض ایسے پہلو ہوتے ہیں،جن کا ہر مضمون یا کسی دوسری صنف میں پایا جانا مشکل ہے۔

۲۔ مضمون میں سنجیدگی،علمیت،متانت اور بصیرت ہوتی ہے۔اس کے برعکس انشائیہ ہمیں غیر سنجیدہ بناتا ہے۔

۳۔ مضمون ہمیں معلومات فراہم کرتا ہے اور انشائیہ میں تاثرات کا دخل ہوتا ہے۔مضمون کا کام فکرانگیزی اور انشائیہ کا کام نشاط انگیزی ہوتا ہے۔

۴۔ مضمون نگار معلّمِ ادب ہوتا ہے۔اس کا کام درس وتدریس ہے،وہ جتنا جانتا ہے،اسے متانت اور دیانت سے سنا دیتا ہے۔لیکن انشائیہ نگار گپ باز ہوتا ہے۔وہ جتنا نہیں جانتا اس سے زیادہ سناتا ہے۔لیکن اس کی باتیں عبث یا بکواس نہیں ہوتیں، مفید اور کارآمد ہوتی ہیں۔

۵۔ مضمون سے ہم کچھ سیکھتے ہیں، کچھ حاصل کرتے ہیں۔ ہماری علمیت میں اضافہ ہوتا ہے اور ہماری شخصیت و خیالات میں علم کی تابندگی آتی ہے۔انشائیہ پڑھنے کے بعد ہم ان چیزوں سے روشناس ہوتے ہیں،جو روزمرّہ کی زندگی میں ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہیں۔

2.6 اردو میں انشائیہ کا آغاز وارتقاء

اردو ادب میں سنجیدہ،طنزیہ اور مزاحیہ اور انشائیہ نما تحریریں کافی ملتی ہیں۔لیکن ان کو صحیح معنوں میں انشائیہ نہیں کہا جاسکتا۔مثلاً ملاّ وجہی کی تصنیف ''سب رس'' میں انشائیہ کی جملہ خوبیاں موجود ہیں۔غالبؔ کے خطوط میں انشائیہ کی بنیادی خوبیاں موجود ہیں،جیسے ذات کا

انکشاف اور عصری آگہی، شگفتگی اور تازگی، بے ربطی اور بے ترتیبی، سادگی اور لفظ اندوزی، داخلیت اور غنائیت، وغیرہ۔

غالبؔ کے بعد سرسیّد اور محمد حسین آزاد نے اردو انشائیہ کو جلا بخشی۔ سرسید نے بیکن اور ایڈیسن کی طرز پر انشائیے لکھے۔

انشائیہ کا باقاعدہ آغاز بھی سرسید احمد خاں سے ہی مانا جاسکتا ہے۔ ''امید کی خوشی'' اور ''سرابِ حیات'' میں انشائیہ کی جھلک موجود ہے۔ محمد حسین آزاد کی تصنیف ''نیرنگِ خیال'' میں بھی انشائیہ کی خوبیاں موجود ہیں۔

''اودھ پنچ'' اخبار نے اردو انشائیہ کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ منشی سجّاد حسین، احمد علی شوق، جوالا پرشاد برقؔ، مرزا مچھو بیگ وغیرہ کے مزاحیہ مضامین میں انشائیہ کی خوبیاں ملتی ہیں۔

عبدالحلیم شرؔر نے چند انشائیے بھی لکھے ہیں، ''کھلتا ہوا پتّا''، ''پھول''، ''برسات''، ''اچھوتا پن''، ''بزمِ قدرت''، ان کے دلکش انشائیے ہیں۔

سجّاد حیدر یلدرؔم کے مضامین میں انشائیہ نگاری کی خوبیاں موجود ہیں۔ ''مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ''، ''تیتری''، ''جہاں پھول کھلتے ہیں''، ایسے کئی مضامین ہیں۔ حجاب امتیاز علی انشائیہ نگاری میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے انشائیوں کا مجموعہ ''خلوت کی انجمن'' ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا شمار بھی صاحبِ طرز انشائیہ پردازوں میں ہوتا ہے۔ ''دیا سلائی''، ''جھینگُر کا جنازہ''، ''مٹّی کا تیل''، ''مرغ کی اذان''، ''مرچ نامہ''، ''گلاب تمھارا کیکر ہمارا''، وغیرہ ان کے اہم انشائیے ہیں۔

مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضامین میں انشائیہ نگاری کے نمونے ملتے ہیں۔ ''مولوی نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' ''دلّی کا آخری یادگار مشاعرہ''، ''ایک وصیت کی تعمیل میں'' میں انشائیہ کی جھلک موجود ہے۔

ملّا رموزی کی نگارشات میں بھی انشائیہ کے نمونے موجود ہیں۔ ''غنودگی'' اس کی اچّھی مثال ہے۔

رشید احمد صدّیقی نے انشائیہ نگاری کے فن کو فروغ دیا۔ ''ارہر کا کھیت''، ''وکیل''، ''مغالطہ'' اور ''چارپائی'' وغیرہ ان کے مشہور انشائیے ہیں۔

پطرس کے مضامین میں بھی انشائیے کا رنگ موجود ہے۔ ''ہاسٹل میں پڑھنا''، ''لاہور کا جغرافیہ''، ''کتّے'' اور ''سینما کا عشق'' ان کے بہترین انشائیے ہیں۔

ان کے علاوہ مہدی افادی، عبدالماجد دریا آبادی، نیاز فتحپوری، سجّاد انصاری کے نام لائقِ تحسین ہیں۔ عہدِ حاضر کے انشائیہ نگاروں میں انجم مانپوری، عبدالعزیز فلک پیما، حاجی توتو، شوکت تھانوی، کنہیّا لال کپور، اختر احمد اورینوی، یوسف ناظم، وزیر آغا، مشتاق قمر، جیلانی اصغر، جمیل آذر، انور سدید، سلیم آغا قزلباش، طارق جامی، راحت بھٹّی وغیرہ نے انشائیہ نگاری کی صنف کو ترقی دی ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ دور میں انشائیہ نگاری کا مستقبل تاریک نہیں ہے۔

خودجانچنے کے سوال

۱۔ اردو میں انشائیہ نگاری کے آغاز وارتقاء کا جائزہ لیجئے۔

۲۔ چند اہم انشائیہ نگاروں اور ان کے مجموعوں کے نام تحریر کیجئے۔

۳۔ مضمون اور انشائیہ میں کیا فرق ہے؟ واضح کیجیے۔

2.7 خلاصہ

اس اکائی میں ہم نے نثری صنف انشائیہ نگاری کا جائزہ لیا۔ ہم نے بتایا کہ انگریزی میں اس صنف کو Light Essay کہتے ہیں۔ انشائیہ میں کسی اہم یا غیر اہم واقعے، کسی خیال، کسی جذبے، کسی لمحاتی کیفیت کو پُر لطف انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔ انشائیہ نگار حیات و کائنات کے کسی بھی موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار بے تکلّفی کے ساتھ شگفتہ اسلوب میں کرتا ہے۔ کسی مقصد کی تبلیغ یا کسی نظریے کی اشاعت سے اس کا سروکار نہیں ہوتا۔

اردو ادب میں انشائیہ نگاری کا باقاعدہ آغاز سرسیّد تحریک سے مانا جاسکتا ہے۔ سرسید اور محمد حسین آزاد نے اس صنف کو ترقی دی۔ ''اودھ پنچ'' اخبار نے اردو انشائیے کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

خواجہ حسن نظامی، مرزا فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدّیقی، پطرس بخاری، مہدی افادی، نیاز فتحپوری، کنہیّا لال کپور، وزیر آغا، شوکت تھانوی وغیرہ نے انشائیہ نگاری کو ترقی دی۔

2.8 نمونے کے امتحانی سوالات :

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے :

۱۔ انشائیہ کسے کہتے ہیں؟ تحریر کیجیے۔

۲۔ انشائیہ اور مضمون کے فرق کو واضح کیجیے۔

۳۔ اردو میں انشائیے کے اغاز وارتقاء کا جائزہ لیجیے۔

درجِ ذیل کے سوالات کے جواب پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے :

۱۔ انشائیہ کی تعریف بیان کیجیے۔

۲۔ انشائیہ کی دو صنفی خصوصیات تحریر کیجیے۔

2.9 فرہنگ :

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تبلیغ	پہنچانا	جرعہ	گھونٹ
اشاعت	پھیلانا، مشہور کرنا	سوقیت	بازاری پن

خالق	پیدا کرنے والا، لکھنے والا	نفیس	خوبصورت
بشاشت	خوش طبعی، خوش ہو کر بات کرنا	شرارہ	چنگاری
اختصار	کم کرنا، زیادو کو تھوڑا کرنا	منتشر	بکھرا ہوا
تابندگی	روشنی	افتادِ طبع	مزاج
انکشاف	کھلنا، کھولنا، ظاہر ہونا	غنائیت	موسیقیت
فروغ	ترقی	عبث	بے کار
مفید	فائدہ مند	روشناس	جان پہچان والا
عصری آ گہی	زمانے کو جاننا	متانت	سنجیدگی
بصیرت	دانائی، گہرائی	نشاط	خوشی
معلّم	استاد	دیانت	ایمانداری
مغالطہ	کسی کو غلطی میں ڈالنا، دھوکا	تعمیل	عمل کرنا، کام سپرد کرنا

2.10 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ انشائیہ کے خدوخال	وزیر آغا
۲۔ اردو نثر کا فنّی ارتقاء	فرمان فتحپوری
۳۔ اصنافِ اردو	ڈاکٹر قمر رئیس

☆☆☆

اکائی 3

انتخابِ انشائیہ : ''سویرے جو کل آنکھ میری کھُلی'' از پطرس بخاری

اکائی کے اہم اجزا :

3.1 اغراض ومقاصد

3.2 تمہید

3.3 انشائیے کی تعریف

3.4 پطرس بخاری۔تعارف

3.5 ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی''۔متن

3.6 متن کی تشریح

3.7 اکائی کا خلاصہ

3.8 نمونے کے امتحانی سوالات

3.9 فرہنگ

3.10 سفارش کردہ کتابیں

3.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ انشائیہ نگار کا سرسری تعارف کرا سکیں۔

☆ پطرس کے انشائیہ ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کرا سکیں۔

☆ صنف انشائیہ کی روشنی میں پطرس بخاری کی انشائیہ نگاری کا جائزہ لے سکیں۔

3.2 تمہید

اس اکائی میں انشائیے کی تعریف بیان کی جائے گی اور پطرس بخاری کا تعارف کرواتے ہوئے انشائیہ ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' کی توضیح وتشریح پیش کریں گے۔

آیئے سب سے پہلے جدید اردو نثر کی ایک اہم صنف انشائیہ سے آپ کو روشناس کرواتے ہیں۔

3.3 انشائیے کی تعریف

اردو زبان میں انشائیہ کے لئے ''انشا'' مضمون یعنی Essay کی اصطلاح رائج ہے۔انگریزی میں Essay فرانسیسی ESSAI سے لیا گیا ہے۔جس کا Latin زبان میں Exagim بمعنیٰ تولنا یعنی Exagera یعنی کوشش کرنا ہے۔اس صنف کی

ابتدا فرانسیسی زبان سے مانی جاتی ہے جی۔ای ہڈسن نے انشائیہ کی تعریف اس طرح بیان کی ہے۔

''انشائیہ ایسے الفاظ کا مجموعہ نہیں ہوتا جو بغیر کسی مقصد کے باہم جوڑے دئے گئے ہوں۔انشائیہ قصداً سوچا، سمجھا اور آسان لیکن مربوط اصولوں کی مدد سے مناسب انداز میں اس شخص یا چیز خیال کے متعلق ایک جائزہ ہوتا ہے، جو انشائیہ نگار کو اہم اور دلچسپ معلوم ہو''

گویا انشائیہ ایسی تحریر ہوتی ہے جو کسی اصول کی پابند نہیں ہوتی، بلکہ وہ آزاد قسم کی ذہنی ترنگ ہوتی ہے، جس میں ناپختہ جذبات کا اظہار ہوتا ہے، نہ اس میں مقالہ ہوتا ہے، بس یہ ایک تجربہ ہوتا ہے موضوع کا سرسری جائزہ جس میں سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ انشائیہ نگار کی شخصیت جھلکتی ہے۔اس کے مختلف موضوعات ہو سکتے ہیں۔لب ولہجہ ہلکا پھلکا بھی ہوسکتا ہے اور سنجیدہ بھی۔

انشائیہ کا بنیادی مقصد انبساط فراہم کرنا ہے۔اس میں اختصار کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔اندازِ بیان شگفتہ، بے تکلف اور غیر رسمی ہوتا ہے جامعیت اس کی اہم خصوصیت ہے۔

3.4 پطرس بخاری۔تعارف

ایک مختصر سی تخلیق ''مضامین پطرس'' کی تخلیق کر کے پطرس بخاری کو بقائے دوام کے دربار میں جگہ ملی اور ''مضامین پطرس'' ہی کے سبب سے اردو ادب میں ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

پطرس نے فن کی تکمیل کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور وسیع مطالعہ تھے۔انگریزی ادب پر ان کی گرفت تھی۔اس لئے ان کی تنقید کھری اور بیباک ہوتی تھی۔انہوں نے اپنی تحریروں میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ جو کچھ پیش کیا جائے پوری تراش خراش کے ساتھ۔فنّی لوازم کی تکمیل پطرس کا بنیادی وصف ہے۔

پطرس بخاری کے انشائیوں میں مزاح کا فن رچا بسا ہے۔اگر چہ مزاح نگاری کا فن طنز سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔اس کے لئے جس باریک بینی 'فراغ حوصلہ اور ہمدردانہ نقطۂ نظر کی ضرورت ہوتی ے اور یہ خداداد عطیہ اردو ادب میں پطرس کو حاصل تھا۔ان کے انشائیوں میں خیال کا اچھوتا پن قاری کو گدا گدانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

پطرس الفاظ سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔لفظوں کے انتخاب میں سائنٹفک انداز اور ایک خاص قسم کا سلیقہ استعمال کرتے ہیں۔وہ الفاظ کے بہت بڑے پارکھی ہیں۔

پطرس کے انشائیوں کی کامیابی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے کہ وہ لفظوں کا بہترین انتخاب خیال کی بلندی اور واقعات کا تانا بانہ بڑی کامیابی سے ترتیب دیتے ہیں۔وہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات کا انتخاب کرتے ہیں اور اس کے مزاحیہ پہلو کو لطیف انداز میں پیش کر دیتے ہیں اور یہی ان کے انشائیوں کی عظمت ہے۔

3.5 ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی''۔متن

گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف دوڑتا ہے۔ہماری جو شامت آئی تو ایک دن اپنے پڑوسی لالہ کرپا شنکر جی برہمچاری سے بر سبیل تذکرہ کہہ بیٹھے کہ لالہ جی امتحان کے دن قریب آتے جارہے ہیں آپ سحر خیز ہیں ذرا ہمیں بھی جگا دیا کیجئے۔

وہ حضرت بھی معلوم ہوتا ہے لفظوں کے بھوکے بیٹھے تھے۔دوسرے دن اٹھتے ہی انہوں نے ایشور کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مکابازی شروع کر دی۔کچھ دیر تک تو ہم سمجھے کہ عالمِ خواب ہے۔ابھی سے کیا فکر جاگیں گے تو لاحول پڑھ لیں گے۔لیکن یہ گولہ باری لمحہ

بہ لمحہ تیز ہوتی گئی اور صاحب جب کمرے کی چوبی دیواریں لرزنے لگیں، صراحی پر رکھا ہوا گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا اور دیوار پر لٹکا ہوا کلنڈر رپنڈولم کی طرح ہلنے لگا تو بیداری کا قائل ہونا ہی پڑا۔ مگر اب دروازہ ہے کہ لگاتار کھٹکھٹایا جا رہا ہے۔ میں کیا میرے آبا و اجداد کی روحیں اور میری قسمت خوابیدہ تک جاگ اٹھی ہوگی۔ بہتر آوازیں دیتا ہوں... اچھا... اچھا تھینک یو... جاگ گیا ہوں... بہت اچھا نوازش ہے! آں جناب ہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ خدایا کس آفت کا سامنا ہے۔ یہ سوتے کو جگا رہے ہیں یا مردے کو جلا رہے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ بھی تو ہیں۔ واجبی طور پر ہلکی سی آواز میں ''قم'' کہہ دیا کرتے ہوں گے۔ زندہ ہو گیا تو ہو گیا نہیں تو چھوڑ دیا۔ کوئی مردے کے پیچھے لٹھ لے کے پڑ جایا کرتے تھے؟ تو میں تھوڑی داغا کرتے تھے۔ یہ تو ہم سے بھلا کیسے ہو سکتا تھا کہ اٹھ کر دروازے کی چٹخنی کھول دیتے؟ بیشتر اس کے کہ بستر سے باہر نکلیں دل کو جس قدر سمجھانا بجھانا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ کچھ اہلِ ذوق ہی لگا سکتے ہیں۔ آخر کار جب لمپ جلایا اور ان کو باہر سے روشنی نظر آئی تو طوفان تھما۔

اب جو ہم کھڑکی میں آسمان کو دیکھتے ہیں تو جناب ستارے ہیں کہ جگمگا رہے ہیں۔ سوچا کہ آج پتہ چلائیں گے یہ سورج آخر کس طرح نکلتا ہے۔ لیکن جب گھوم کر کھڑکی میں سے اور روشن دان میں سے چاروں طرف دیکھا اور بزرگوں سے صبح کاذب کی جتنی نشانیاں سنی تھی، ان میں سے ایک بھی کہیں نظر نہ آئی تو فکر سا لگ گیا کہ آج کہیں سورج گرہن نہ ہو؟ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو پڑوسی کو آواز دی ''لالہ جی...! لالہ جی...!

جواب آیا، ''ہوں''۔

میں نے کہا ''آج کیا بات ہے کچھ اندھیرا اندھیرا سا ہے؟''

کہنے لگے ''تو اور کیا تین بجے ہی سورج نکل آئے؟''

تین بجے کا نام سن کر ہوش گم ہو گئے۔ چونک کر پوچھا ''کیا کہا تو نے، تین بجے ہیں؟''

کہنے لگے ''تین... تو... نہیں... کچھ سات... ساڑھے سات منٹ... اوپر تین ہیں''۔

میں نے کہا 'ارے کمبخت خدائی فوجدار۔ بدتمیز کہیں کے میں نے تجھ سے یہ کہا تھا کہ صبح جگا دینا یا یہ کہا تھا کہ سرے سے سونے ہی نہ دینا؟ تین بجے جاگنا بھی کوئی شرافت ہے؟ ہمیں تو نے کوئی ریلوے گارڈ سمجھ رکھا ہے؟ تین بجے ہم اٹھ سکا کرتے تو اس وقت دادا جان کے منظور نظر نہ ہوتے؟ ابے احمق کہیں کے، تین بجے اٹھ کے ہم زندہ رہ سکتے ہیں؟ امیر زادے ہیں کوئی مذاق ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔

جی تو چاہتا تھا کہ عدم تشدد تشدد کو خیر باد کہہ دوں۔ لیکن پھر خیال آیا کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کا ٹھیکہ کوئی ہم نے لے رکھا ہے؟ ہمیں اپنے کام سے غرض، لمپ بجھایا اور بڑبڑاتے ہوئے پھر سو گئے۔

اور پھر حسبِ معمول نہایت اطمینان کے ساتھ بھلے آدمیوں کی طرح اپنے بستر سے دس بجے اٹھے۔ بارہ بجے تک منہ ہاتھ دھویا اور چار بجے چائے پی کر ٹھنڈی سڑک کی سیر کو نکل گئے۔

شام کو واپس ہوسٹل میں وارد ہوئے۔ جوش شباب تو ہے ہی۔ اس پر شام کا رومان انگیز وقت۔ ہوا بھی نہایت لطیف تھی۔ طبیعت بھی ذرا مچلی ہوئی تھی۔ ہم ذرا ترنگ میں گاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے کہ:

بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیتے تو ہم لیتے

کہ اتنے میں پڑوسی کی آواز آئی ''مسٹر!''

ہم اس وقت ذرا چٹکی بجانے لگے تھے۔ پس انگلیاں وہی پر رُک گئیں اور کان آواز کی طرف لگ گئے۔ ارشاد ہوا۔ ''یہ آپ گا رہے ہیں؟ (زور آپ پر)

میں نے کہا ''اجی میں کس لائق ہوں۔ لیکن فرمایئے؟

بس صاحب۔ ہم میں جو موسیقت کی روح پیدا ہوئی تھی فوراً مرگئی۔ دل نے کہا۔ او نابکار انسان دیکھ! پڑھنے والے یوں پڑھتے ہیں۔ ''صاحب خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگی کہ خدایا ہم بھی اب باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے والے ہیں۔ ہماری مدد کر اور ہمت دے''۔

آنسو پونچھ کر اور دل کو مضبوط کر کے میز کے سامنے آ بیٹھے۔ دانت بھینچ کے نکٹائی کھول دی۔ آستیں چڑھالیں۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں؟ سامنے سرخ، سبز، زرد، سبھی قسم کی کتابوں کا انبار لگا تھا۔ اب کون سی پڑھیں؟ فیصلہ یہ ہوا کہ پہلے کتابوں کو ترتیب سے میز پر لگا دیں کہ باقاعدہ مطالعہ کی پہلی منزل یہی ہے۔

بڑی تقطیع کی کتابوں کو علیٰحدہ رکھ دیا۔ چھوٹی تقطیع کی کتابوں کو سائز کے مطابق الگ قطار میں کھڑا کر دیا۔ ایک نوٹ پیپر پر ہر ایک کتاب کے صفحوں کی تعداد لکھ کر سب کو جمع کیا۔ پھر ۱۵، اپریل تک کے دن گنے گئے۔ صفحوں کی تعداد کو دنوں کی تعداد پر تقسیم کیا گیا۔ ساڑھے پانچ سو جواب آیا۔ لیکن اضطراب کی کیا مجال جو چہرے پر ظاہر ہونے پائے۔ دل میں کچھ تھوڑا سا پچھتائے کہ صبح تین ہی بجے کیوں نہ بیٹھے۔ لیکن کم خوابی کے طبّی پہلو پر غور کیا تو فوراً اپنے آپ کو ملامت کی۔ آخر کار اس نتیجے پر پہنچے کہ تین بجے اٹھنا تو لغو بات ہے۔ البتہ پانچ، چھ، سات بجے کے قریب اٹھنا نہایت معقول ہوگا۔ صحت بھی قائم رہے گی اور امتحان کی تیاری بھی باقاعدہ ہوگی۔ ہم خرما و ہم ثواب۔

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ سویرے اٹھنا ہو تو جلد ہی سو جانا چاہیے۔ کھانا باہر ہی سے کھا آئے تھے، بستر میں داخل ہو گئے۔

چلتے چلتے خیال آیا کہ لالہ جی جگانے کے لیے کہہ ہی نہ دیں؟ یوں ہماری اپنی قوت ارادی کافی زبردست ہے۔ جب چاہیں اٹھ سکتے ہیں، لیکن پھر بھی کیا ہرج ہے۔ ڈر سے آواز دی ''لالہ جی!''

انہوں نے پتھر کھینچ مارا۔ ''بس!''

ہم اور بھی سہم گئے کہ لالہ جی کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ تتلا کے درخواست کی کہ لالہ جی صبح آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ میں آپ کا بہت ممنون ہوں۔ کل اگر ذرا مجھے چھ بجے یعنی جس وقت چھ بجیں...''

جواب ندارد۔

میں نے پھر کہا۔ ''جب چھ بج چکیں تو.....سنا آپ نے؟ لالہ جی!''

کڑکتی ہوئی آواز نے جواب دیا۔ ''سن لیا۔ چھ بجے جگا دوں گا۔''

ہم نے کہا ''ب۔ب۔ب۔ بہت اچھا۔ یہ بات ہے۔''

توبہ خدا کسی کا محتاج نہ کرے۔

لالہ جی آدمی بہت شریف ہیں۔ اپنے وعدے کے مطابق دوسرے دن صبح چھ بجے انہوں نے دروازے پر گھونسوں کی بارش شروع کر دی۔ ان کا جگانا تو محض ایک سہارا تھا۔ ہم تو خود ہی انتظار میں تھے کہ یہ خواب ختم ہو لے تو بس جاگتے ہیں۔ وہ نہ جگاتے تو میں خود ایک دو منٹ بعد آنکھیں کھول دیتا۔ بہر صورت جیسا کہ میرا فرض تھا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے اسے اس شکل میں قبول کیا کہ گولہ باری بند کر دی۔

اس کے بعد کے واقعات ذرا بحث طلب ہیں اور ان کے متعلق روایات میں کسی قدر اختلاف ہے۔ بہر حال اس بات کا تو مجھے یقین ہے اور میں قسم بھی کھا سکتا ہوں کہ آنکھیں میں نے کھول دی تھیں۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ اٹھنے سے بیشتر دیباچے کے طور پر ایک آدھ کروٹ بھی لی۔ پھر کا نہیں پتہ۔ شاید لحاف اوپر سے اتار دیا۔ شاید سر اس میں لپیٹ دیا۔ یا شاید کھانسا کہ خدا جانے خراٹا لیا؟ خیر یہ تو یقینی امر ہے کہ دس بجے ہم بالکل جاگ رہے تھے۔ لیکن لالہ جی کے جگانے کے بعد اور دس بجے سے بیشتر خدا جانے ہم پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے تھے۔ ویسے ہمارا خیال ہے پڑھ رہے تھے یا شاید سو رہے ہوں۔ بہر حال یہ نفسیات کا مسئلہ ہے، جس میں نہ آپ ماہر ہیں نہ میں۔ کیا پتہ لالہ جی جگایا ہی دس بجے ہو یا اس گھڑی میں چھ دیر سے بجے ہوں؟ خدا کے کاموں میں ہم آپ کیا دخل دے سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے دل میں دن بھر یہ شبہ رہا کہ قصور کچھ اپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب شرافت ملاحظہ ہو کہ محض اس شبہ کی بنا پر صبح سے شام تک ضمیر کی ملامت سنتا رہا اور اپنے آپ کو کوستا رہا۔ مگر لالہ جی سے ہنس ہنس کر باتیں کیں اور ان کا شکریہ ادا کیا اور اس خیال سے کہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔ حد درجے کی طمانیت ظاہر کی کہ آپ کی نوازش سے میں نے صبح کا سہانا اور روح افزا وقت بہت اچھی طرح صرف کیا ورنہ اور دنوں کی طرح آج بھی دس بجے اٹھتا!۔ لالہ جی صبح کے وقت دماغ کیا صاف ہوتا ہے جو پڑھو خدا کی قسم فوراً یاد ہو جاتا ہے۔ بھئی خدا نے صبح بھی کیا عجیب چیز پیدا کی ہے۔ یعنی اگر صبح کی بجائے صبح شام ہوا کرتی تو دن کیا بری طرح کٹا کرتا۔''

3.6 متن کی تشریح

''سویرے جو کل آنکھ میری کھُلی''

اردو ادب میں کم لکھ کر بقائے دوام حاصل کرنے والے ادیبوں میں پطرس بخاری کا نام سرفہرست ہے۔ انہوں نے انشاء کے ساتھ مزاح کو پیوست کر دیا اور اس نئے انداز نے ان کی تحریروں کو مقبول کر دیا۔

''سویرے جو کل آنکھ میر کھُلی'' میں ایسے نوجوان کو نشانہ بنایا گیا ہے جو تصوراتی دنیا میں رہتا ہے اور خیالی پلاؤ پکاتا ہے۔ خواہش تو بے شمار رکھتا ہے لیکن کاہلی اور لاپرواہی اس کو کچھ کرنے نہیں دیتی۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں کو دھوکہ دے رہا ہے، لیکن وہ خود اپنے آپ کو ہی دھوکہ دیتا ہے۔

یہ انشائیہ اعلیٰ درجہ کی ظرافت کا نمونہ ہے۔ دوسروں پر ہنسنا آسان ہے، لیکن اپنی ذات کو نشانہ بنانا بڑے حوصلے کا کام ہے۔ پطرس واحد متکلم کا استعمال کرتے ہیں اور ''سویرے جو کل آنکھ میرے کھلی'' میں وہ ظرافت کا نشانہ وہ خود ہیں۔

اس انشائیہ میں پطرس نے ایک محاورہ ''گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف دوڑتا ہے'' سے ابتدا کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب ان کی شامت آئی تو ہم نے لالہ کرپا شنکر جو کہ ہوسٹل میں پڑوسی تھے سے ذکر کیا کہ آپ صبح جلدی بیدار ہوتے ہیں تو آپ ہمیں بھی صبح جگا دیا کریں تو ہم بھی صبح پڑھ لیا کریں۔ وہ تیار ہی بیٹھے تھے۔ دوسرے دن ہی لالہ کرپا شنکر نے دروازہ بجا کر پطرس کو بیدار کر دیا۔ اس کا بیان

انہوں نے کچھ اس طرح سے کیا ہے کہ ''انہوں نے ایشور کا نام لے کر اس ہمارے دروازے پر مکّا بازی شروع کر دی۔ پطرس کو ایسا محسوس ہوا جیسے دیواریں لرزنے لگی، صراحی پر لکھا ہوا گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا اور کلینڈر جب پینڈولم کی طرح ہلنے لگا تو یہ بیدار ہوئے۔ پھر انہوں نے لالہ جی کا شکریہ بار بار ادا کیا اور کہا کہ میں جاگ گیا ہوں۔ لیکن کرپا شنکر تو گویا مُردوں کو زندہ کرنے پر آمادہ تھے۔ آخر پطرس نے لیمپ جلایا جب یہ طوفان تھما۔ پھر انہوں نے کھڑکی کھول کر دیکھا تو آسمان میں ستارے جگمگا رہے تھے تو لالہ جی سے ٹائم پوچھا تو پتہ چلا رات کے تین بجے تھے۔ پطرس کو جب وقت کا پتہ چلا تو دل ہی دل میں لالہ جی کو برا بھلا کہتے ہوئے دوبارہ سو گئے اور پھر دس بجے بیدار ہوئے بارہ بجے تیار ہو کر چائے پی اور سیر کو چلے گئے۔ شام کو ہوسٹل گانا گاتے ہوئے آئے۔ لالہ جی نے ٹوکا کہ اس طرح میں ڈسٹرب ہو رہا تو یہ سن کر پطرس نے بھی باقاعدہ مطالعہ کرنے کی ٹھان لی اور اللہ سے مدد کی دعا مانگی اور میز پر بیٹھ کر آئندہ کے لئے ٹائم ٹیبل بنایا۔ رات کو لالہ جی سے پھر کہہ دیا کہ انہیں صبح چھ بجے اٹھا دینا۔

لالہ جی نے صبح چھ بجے وعدہ کے مطابق دروازے پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ لیکن پطرس دس قسم کے حیلے بہانوں سے دوبارہ سو گئے۔ دن میں لالہ جی کا شکریہ بھی ادا کیا اور لفاظی سے انہیں مطمئن کر دیا اور پھر سے لالہ جی نے صبح اٹھانے کا ذمّہ لے لیا۔

اب یہ ہونے لگا کہ لالہ جی کی پہلی دستک پر یہ بیدار ہوئے۔ لالہ جی کو گڈ مارننگ کہہ کر اطمینان دلانے لگے اور سوچتے کہ سستی کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیں گے۔ لیکن پھر بہانے سے پطرس نے لحاف اوڑھا اور سو گئے۔ دوبارہ بیدار ہوئے تو دن کے دس بج رہے تھے۔

لالہ جی سے ملاقات ہوئی تو لالہ جی نے کہا صبح میں نے آپ کو آواز دی تھی۔ آپ نے جواب نہیں دیا۔ پطرس نے سنجیدہ انداز میں کہا کہ ہم نماز پڑھ رہے تھے۔

پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔ لالہ جی روز بیدار کرتے اور یہ سو کر خوابِ خرگوش کے مزے لیتے۔ اور اگر اس دوران لالہ جی آواز دیتے تو یہ نماز کا بہانہ بنا دیتے اور آس پاس کے ماحول کی باتیں انہیں خواب کے نغمے محسوس ہوتیں۔

اس انشائیہ سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی صرف خواہش سے عبارت نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے مقصد کی تکمیل چاہتے ہیں تو ہمیں پکّے ارادے اور محنت کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ انشائیہ کی تعریف کرتے ہوئے اس کے فروغ کے اسباب بیان کیجیے۔

۲۔ پطرس بخاری کے اسلوبِ نگارش کی چند خوبیاں بیان کیجیے۔

3.7 اکائی کا خلاصہ

''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' پطرس بخاری کا تحریر کردہ ایک بہترین انشائیہ ہے۔ اس میں پطرس نے زندگی کے مزاح انگیز پہلوؤں کی مصوری کی، جس سے قاری کے لیے شائستہ تبسم کا سامان فراہم ہو گیا ہے۔ انہوں نے اس میں موضوع کا انتخاب سامنے کی زندگی سے کیا ہے اور ایسی دلچسپی اور معنیٰ خیز باتیں کی ہے کہ پڑھنے والے کو لطف آجاتا ہے۔

اس انشائیے میں پطرس نے ایسے نوجوان کو نشانہ بنایا ہے، جو تصوراتی دنیا میں رہتا ہے، جس میں عملی اقدامات کا فقدان ہے۔ اس پر ہمیشہ کسالت چھائی رہتی ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ دوسروں کو دھوکہ دے رہا ہے۔ لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔

انشائیہ کی شروعات پطرس نے ایک محاورے سے کی ہے کہ جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف دوڑتا ہے'' ہماری شامتِ اعمال کہ ایک دن ہم اپنے پڑوسی لالہ کرپاشنکر جی سے تذکرہ کر بیٹھے کہ آپ سحر خیز ہیں ہمیں بھی صبح جگا دیا کریں تا کہ ہم بھی صبح پڑھ لیا کریں۔ وہ بھی شاید منتظر ہی بیٹھے تھے۔ دوسرے دن ہی لالہ جی نے دروازے پر مکّوں کی بارش کر کے انہیں جگایا۔ اس کا بیان پطرس نے کچھ اس طرح کیا ہے کہ ''انہوں نے ایشور کا نام لے کر ہمارے دروازے پر مکّا بازی شروع کر دی پطرس کو ایسا محسوس ہوا جیسے دیواریں لرزنے لگی۔ صراحی پر رکھا ہوا گلاس جل ترنگ کی طرح بجنے لگا اور کلینڈر جب پنڈولم کی طرح ہلنے لگا تو یہ بیدار ہوئے۔ پھر انہوں نے لالہ جی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں جاگ گیا ہوں۔ لیکن کرپاشنکر تو گویا مُردوں کو زندہ کرنے پر آمادہ تھے آخر پطرس نے جب لیمپ جلایا تب یہ طوفان تھما۔ پھر انہوں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو دیکھتے کیا ہیں، آسمان میں ستارے جگمگا رہے ہیں اور پوچھنے پر جب یہ پتہ چلا کہ ابھی رات کے تین ہی بجے ہیں تو ان کے دل پر قیامت گزر گئی اور لالہ جی کو برا بھلا کہتے ہوئے دوبارہ سو گئے اور پھر دس بجے جگ کر تیار ہوئے بارہ بجے چائے پی کر سیر کے لئے چلے گئے۔ جب شام کو خوشگوار موڈ میں گنگناتے ہوئے ہوسٹل لوٹے تو لالہ جی نے ٹوکا کہ میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں تو انہیں پڑھائی کا خیال آیا اور انہوں نے بھی اپنا ٹائم ٹیبل بنایا اور لالہ جی سے پھر کہہ دیا کل سے صبح چھ بجے اٹھا دیا کریں۔

لالہ جی نے وعدے کے مطابق چھ بجے اٹھایا۔ لیکن پطرس واپس سو گئے اور یہ سلسلہ بدستور جاری رہا۔ لالہ جی انہیں بیدار کرتے اور یہ دوبارہ سو جاتے اور اگر کبھی لالہ جی کو جواب نہیں دے پاتے تو وہ انہیں یہ کہہ کر اطمینان دلا دیتے کہ اس وقت ہم نماز پڑھ رہے تھے۔

اس انشائیہ سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی صرف خواہشات سے عبارت نہیں ہے مقصد میں کامیابی کے لئے جدوجہد کی بھی ضرورت ہے۔

3.8 نمونے کے امتحانی سوالات

ذیل کے سوالات کے جوابات تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ انشائیے کی تعریف کرتے ہوئے اس کے فروغ کے اسباب بیان کیجیے۔

۲۔ ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

ذیل کے سوالات کے جوابات پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ ''لالہ کرپاشنکر'' سے لالہ جی کی شخصیت کے کون کون سے پہلو ظاہر ہوتے ہیں؟

۲۔ پطرس سویرے بیدار ہونے کی خواہش کے باوجود کیوں بیدار نہیں ہوتے تھے؟

3.9 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
برسبیل تذکرہ	ذکر کے طور پر	عالمِ خواب	خواب کی کیفیت
چوبی دروازہ	لکڑی کا دروازہ	آباؤاجداد	باپ دادا
خوابیدہ	سوئی ہوئی	نوازش	مہربانی
ہوش گم ہونا	بے ہوش ہونا	تشدّد	ظلم
وارد ہونا	آنا	اضطراب	بے چینی
ہم خرما وہم ثواب	کام کا کام، فائدہ کا فائدہ	ممنون	احسان مند ہونا
اولوالعزمی	بلند ہمتی، حوصلہ	سراہا	تعریف کی

3.10 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ خاکے، انشائیہ، ڈرامے اور افسانے — محمد قاسم صدیقی

۲۔ اردو نثر کا فنی ارتقا — ڈاکٹر فرمان فتح پوری

۳۔ انشائیہ اور انشائیے — سید محمد حسنین

☆☆☆

اکائی 4

انتخابِ انشائیہ ''مچھر'' ازخواجہ حسن نظامی

اکائی کے اہم اجزا :

4.1 اغراض ومقاصد

4.2 تمہید

4.3 خواجہ حسن نظامی۔تعارف

4.4 ''مچھر'' ۔ متن

4.5 متن کی تشریح

4.6 اکائی کا خلاصہ

4.7 نمونے کے امتحانی سوالات

4.8 فرہنگ

4.8 سفارش کردہ کتابیں

4.9 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ انشائیہ نگار کا سرسری تعارف کرا سکیں۔

☆ خواجہ حسن نظامی کے انشائیہ ''مچھر'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کرسکیں۔

☆ صنف انشائیہ کی روشنی میں حسن نظامی کی انشائیہ نگاری کا جائزہ لے سکیں۔

4.2 تمہید

اس اکائی میں ہم خواجہ حسن نظامی کا تعارف کرواتے ہوئے انشائیہ ''مچھر'' کی توضیح وتشریح پیش کریں گے۔

4.3 خواجہ حسن نظامی۔تعارف

عالم،صوفی ادیب شمس العلماء خواجہ حسن نظامی ۲ محرم ۱۲۹۶ء مطابق ۱۸۷۹ء میں بستی نظام الدین دہلی میں پیدا ہوئے۔نام علی حسن عرفیت حسن نظامی، والد کا نام سیّد عاشق علی تھا۔ابتدا میں فارسی کی چند کتابیں،عربی صرف ونحو پڑھیں۔استاد کا نام اسمٰعیل کاندھلوی تھا۔ذریعۂ معاش کتابوں اور دواؤں کی تجارت تھی۔

حسن نظامی کو اردو نثر کا نظیر اکبرآبادی کہا جاتا ہے۔قومی یک جہتی کے علمبردار گیانیوں کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ تہذیب وشائستگی ان کی فطرت میں شامل تھے۔اس کے اثرات ان کی تمام تر تحریروں میں واضح ہیں۔ہندی میں کلامِ پاک کا ترجمہ،'' بیگمات کے آنسو'' ''سی پارہ دل'' وغیرہ قابلِ ذکر خدمات ہیں۔

خواجہ حسن نظامی ایک صاحبِ طرز انشا پرداز ہیں۔ان کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی شگفتگی اور دلکشی ہے۔دلّی کی ٹکسالی زبان پر آپ کو قدرت حاصل ہے۔

ان کے انشائیوں میں جزئیات نگاری، اختصار اور تہہ داری پائی جاتی ہے۔انہوں نے مختلف موضوعات پر بے شمار انشائیہ لکھے ،جس سے ان کے علم کی وسعت، مشاہدے کی گہرائی ظاہر ہوتی ہے۔سیدھی سادی باتوں کو تخلیقی صلاحیتوں سے لازوال بنا دیا ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا انتقال ۱۰ ذی الحجہ مطابق ۳۱ جولائی، ۱۹۵۵ء میں اتوار اور پیر کی درمیانی شب میں ہوا۔''خواجہ نظام الدین اولیا'' کی بستی میں دفن ہوئے۔

4.4 ''مچھر'' ۔متن

یہ بھنبھناتا ہوا ننّھا سا پرندہ آپ کو بہت ستاتا ہے۔رات کو نیند حرام کر دی ہے۔ہندو، مسلم، عیسائی، یہودی سب بالاتفاق اس سے ناراض ہیں۔ہر روز اس کے مقابلے کے لئے مہمیں تیار ہوتی ہیں۔جنگ کے نقشے بنائے جاتے ہیں، مگر مچھّروں کے جنرل کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔شکست پر شکست ہوتی چلی جاتی ہے اور مچھّروں کا لشکر بڑھا چلا جاتا ہے۔

اتنے بڑے ڈیل ڈول کا انسان ذرا سا بھنگے پر قابو نہیں پا سکتا۔طرح طرح کے مصالحے بھی بناتا ہے کہ ان کی بو سے مچھّر بھاگ جائیں، لیکن مچھّر اپنی یورش سے باز نہیں آتے ہیں اور نعرے لگاتے ہوئے آتے ہیں۔بیچارہ آدم زاد حیران رہ جاتا ہے اور کسی طرح ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

امیر، غریب، ادنیٰ، اعلیٰ، بچے، بوڑھے، عورت، مرد کوئی اس کے وار سے محفوظ نہیں۔یہاں تک کہ آدمی کے پاس رہنے والے جانوروں کو بھی ان کے ہاتھ سے ایذا ہے۔مچھّر جانتا ہے کہ دشمن کے دوست بھی دشمن ہوتے ہیں۔ان جانوروں نے میرے دشمن کی اطاعت کی ہے تو میں ان کو بھی مزا چکھاؤں گا۔

آدمیوں نے مچھّروں کے خلاف ایجی ٹیشن کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ہر شخص اپنی سمجھ اور عقل کے موافق مچھّروں پر الزام رکھ کر لوگوں میں ان کے خلاف جوش پیدا کرنا چاہتا ہے۔مگر مچھّر اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔

طاعون نے گڑبڑ مچائی تو انسان نے کہا کہ طاعون مچھّر اور پسو کے ذریعہ پھیلتا ہے، ان کو فنا کر دیا جائے تو یہ ہولناک و بادور ہو جائے گی۔ملیریا پھیلا تو اس کا الزام بھی مچھّر پر عائد ہوا۔اس سرے سے اس سرے تک کالے گورے آدمی غل مچانے لگے کہ مچھّروں کو مٹا دو، مچھّروں کو کچل ڈالو، مچھّروں کو تہس نہس کر دو اور ایسی تدبیریں نکالیں جن سے مچھّروں کی نسل ہی منقطع ہو جائے۔

مچھّر بھی یہ سب باتیں دیکھ رہا تھا اور سن رہا تھا اور رات کو ڈاکٹر صاحب کی میز پر رکھے ہوئے ''پانیر'' کو آ کر دیکھتا اور اپنی برائی کے حروف پر بیٹھ کر اس خون کی ننھی ننھی بوندیں ڈال جاتا جو انسان کے جسم سے یا خود ڈاکٹر صاحب کے جسم سے چوس کر لایا تھا۔گویا اپنے قاعدہ کی تحریر سے انسان کی ان تحریروں پر شوخیانہ ریمارک لکھ جاتا کہ میاں تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔

انسان کہتا ہے کہ مچھّر بڑا کم ذات ہے۔کوڑے، کرکٹ، میل کچیل سے پیدا ہوتا اور گندی موریوں میں زندگی بسر کرتا ہے اور بزدلی تو دیکھو اس وقت حملہ کرتا ہے جب کہ ہم سو جاتے ہیں۔سوتے پر وار کرنا، بے خبر کے چرکے لگانا مردانگی نہیں، انتہا درجے کی کمینگی ہے۔صورت تو دیکھو کالا بھتنا۔لمبے لمبے پاؤں، بے ڈول چہرہ۔اس شان و شوکت کا وجود اور آدمی جیسے گورے چٹے خوش وضع، پیاری ادا کی دشمنی ہے۔بے عقلی اور جہالت اسی کو کہتے ہیں۔

مچھّر کی سنو تو وہ آدمی کو کھری کھری سناتا ہے اور کہتا ہے کہ جناب ہمت ہے تو مقابلہ کیجیے۔ ذات صفات نہ دیکھیے۔ میں کالا سہی بدرونق سہی، نیچ ذات اور کمینہ سہی۔ مگر یہ تو کہیے کہ کس دلیری سے آپ کا مقابلہ کرتا ہوں اور کیوں کر آپ کا ناک میں دم کرتا ہوں۔

یہ الزام سراسر غلط ہے کہ بے خبری میں آتا ہوں اور سوتے میں ستاتا ہوں۔ یہ تو تم اپنی عادت کے موافق سراسر ناانصافی کرتے ہو۔ حضرت میں تو کان میں آکر ''الٹی میٹم'' دے دیتا ہوں کہ ہوشیار ہو جاؤ اب حملہ ہوتا ہے۔ تم ہی غافل رہو تو میرا کیا قصور۔ زمانہ خود ہی فیصلہ کرے گا کہ میدان جنگ میں کالا بھتنا لمبے لمبے پاؤں والا بے ڈول فتحیاب ہوتا ہے یا گوراچٹان آن بان والا۔

میرے کارناموں کی شاید تم کو خبر نہیں کہ میں نے اس پردۂ دنیا پر کیا کیا جوہر دکھائے ہیں۔ اپنے بھائی نمرود کا قصّہ بھول گئے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے سامنے کسی کی حقیقت نہ سمجھتا تھا۔ کس نے اس کا غرور توڑا۔ کون اس پر غالب آیا، کس کے سبب اس کی خدائی خاک میں ملی؟ اگر آپ نہ جانتے ہوں تو اپنے ہی کسی بھائی سے دریافت کیجیے یا مجھ سے سنیے کہ میرے ہی ایک بھائی مچھّر نے اس سرکش کا خاتمہ کیا۔

اور تم ناحق بگڑتے ہو اور خواہ مخواہ اپنا دشمن تصور کیے لیتے ہو۔ میں تمہارا مخالف نہیں ہوں۔ اگر تم کو یقین نہ آئے تو اپنے کسی شب بیدار صوفی بھائی سے دریافت کرلو۔ دیکھو وہ میری شان میں کہے گا۔ کل ایک شاہ صاحب عالم ذوق میں اپنے ایک مرید سے فرما رہے تھے کہ مچھّر کی زندگی کو دل سے پسند کرتا ہوں۔ دن بھر بے چارہ خلوت خانہ میں رہتا ہے۔ رات کو جو خدا کی یاد کا وقت ہے، باہر نکلتا ہے اور پھر تمام شب تسبیح و تقدیس کے ترانے گایا کرتا ہے۔ آدمی غفلت میں پڑے سوتے ہیں تو اس کو ان پر غصّہ آتا ہے۔ چاہتا ہے کہ یہ بھی بیدار ہو کر اپنے مالک کے دیے ہوئے اس سہانے خاموش وقت کی قدر کرے اور حمد و شکر کے گیت گائے۔ اس لئے پہلے ان کے کان میں جا کر کہتا ہے اٹھو میاں اٹھو جاگو جاگنے کا وقت ہے۔ سونے کا اور ہمیشہ سونے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ جب آئے گا تو بے فکر ہو کر سونا۔ اب تو ہوشیار رہنے اور کچھ کام کرنے کا موقع ہے۔ مگر انسان اس سریلی نصیحت کی پروا نہیں کرتا اور سوتا رہتا ہے تو مجبور ہو کر غصّہ میں آجاتا ہے اور اس کے چہرہ اور ہاتھ پاؤں پر ڈنک مارتا ہے اور بے ہوشی میں بدن کو کھجا کر پھر سو جاتا ہے اور جب دن کو بیدار ہوتا ہے تو بے چارہ مچھّر کو صلواتیں سناتا ہے کہ رات بھر سونے نہیں دیا۔ کوئی دروغ گو سے پوچھے کہ جناب عالی! کے سکنڈ جاگے تھے جا ساری رات جاگتے رہنے کا شکوہ ہو رہا ہے۔

شاہ صاحب کی زبان سے یہ عارفانہ کلمات سُن کر میرے دل کو بھی تسلّی ہوئی کہ غنیمت ان آدمیوں میں بھی انصاف والے موجود ہیں، بلکہ میں دل ہی دل میں شرمایا کہ کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ یہ صاحب مصلّے پر بیٹھے وظیفہ پڑھا کرتے ہیں اور میں ان کے پیروں کا خون پیا کرتا ہوں۔ یہ تو میری نسبت ایسی اچھی اور نیک رائے دیں اور میں ان کو تکلیف دوں۔ اگرچہ دل نے یہ سمجھایا کہ تو کاٹتا تھوڑی ہے، قدم چومتا ہے اور ان بزرگوں کے قدم چومنے ہی کے قابل ہوتے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ اس سے میری ندامت دور نہیں ہوتی اور اب تک میرے دل میں اس کا افسوس باقی ہے۔

سو اگر سب انسان ایسا طریقہ اختیار کرلیں جیسا کہ صوفی صاحب نے کیا تو یقین ہے کہ ہماری قوم انسان کو ستانے سے خود بخود باز آجائے گی۔ ورنہ یاد رہے کہ میرا نام مچھّر ہے۔ لطف سے جینے نہ دوں گا اور بتا دوں گا کہ کمین اور نیچ ذات اعلیٰ ذات والوں کو یوں پریشان اور بے چین کرسکتی ہے۔

4.5 متن کی تشریح

خواجہ حسن نظامی نے مچھّر کے عنوان سے انشائیہ لکھا۔اس انشائیہ میں انہوں نے مچھّر جیسے ادنیٰ مخلوق کو موضوع بنایا ہے اور اس کے ذریعہ انہوں نے بہت گہرے نکات بیان کئے ہیں۔اس میں مچھّر کے ذریعہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو پہچانے کہ اشرف المخلوقات ہونے کا دم بھرتا ہے۔خوابِ غفلت سے بیدار ہو،کمزوروں کی مدد کرے اسی میں انسان کی عظمت پوشیدہ ہے۔اس مضمون میں مچھّر اور آدمی کے تضادات کا بیان کیا گیا ہے۔مصنف نے مچھّر کے بیان میں کچھ صوفیانہ نکتے بھی بیان کر دئے ہیں۔مچھّر میں نمرود کا ذکر کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ متضاد الفاظ،انگریزی الفاظ اور کئی محاوروں کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔

ٹکسالی زبان اور سیدھی سادی عام فہم زبان،شگفتگی اور اختصار خواجہ حسن نظامی کا خاص وصف ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ بطور انشائیہ نگار خواجہ حسن نظامی کا محاسبہ کیجیے۔

۲۔ انشائیہ ''مچھر'' کا مقصد بیان کیجیے۔

4.6 اکائی کا خلاصہ

مصنف کا موضوع مچھر جیسی موذی مخلوق ہے۔اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان جیسے اشرف المخلوقات کو مچھر جیسی معمولی ہستی پریشان کر سکتی ہے۔حسن نظامی لکھتے ہیں کہ یہ بھنبھناتا ہوا ننھا سا پرندہ بلاتفریق مذہب وملت ہر ایک کو ستاتا ہے۔ہر روز اس کے مقابلے کی تیاری کی جاتی ہے،لیکن کوئی بھی اس سے مقابلہ نہیں کر پاتا۔امیر،غریب ادنیٰ، اعلیٰ اور جانوروں تک کو مزہ چکھا دیتا ہے۔ کوئی بھی بیماری پھیلے اس کا الزام مچّھر کو لگا دیا جاتا ہے اور ہر انسان مچّھروں کو تہس نہس کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔لیکن مچّھروں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ مچّھر بھی اس کا بدلا لے لیتا ہے اور ڈاکٹر کی میز پر رکھے ہوئے پانٹر پر اپنے متعلق برائی کے لکھے ہوئے الفاظ پر خون کی چوسی ہوئی بوندیں ڈال کر ریمارک لکھ جاتا ہے۔ایک چیلنج ہوتا ہے،گویا انسان میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔انسان مچّھر کو کم ذات کہتا ہے،کوڑے کرکٹ کی پیدائش بتاتا ہے۔بزدل،سوتے میں وار کرنے والا،کمینہ کالا بھتنا،بے ڈول چہرے والا،بے عقل اور جاہل کہتا ہے۔

مچّھر بھی انسان کو کھر کھری سناتا ہے۔اس کی ہمّت کو للکارتا ہے،اور اقرار کرتا ہے کہ میں کالا سہی بدرونق سہی،نیچ ذات کمینہ سہی لیکن میں کس دلیری سے مقابلہ کر کے انسان کا ناک میں دم کر دیتا ہوں۔وہ اس الزام کی تردید کرتا ہے کہ میں بے خبری میں آتا ہوں وہ تو اعلان کرتا ہے کہ میرا شیوۂ مردانگی یہ ہے کہ میں کان میں آکر پکارتا ہوں کہ بیدار ہو جاؤ،میں قتل وخوں کو آرہا ہوں۔لیکن اے انسانوں جب تم غافل پڑے سوتے رہو گے تو مجھے فتح یاب ہونا ہی ہے۔میں تمہیں عبادت کے لئے جگاتا ہوں کئی دفعہ میں نے عبادت گزار لوگوں کو بھی کاٹ لیا ہے،جس کے لئے مجھے شرمندگی بھی ہوتی ہے۔

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ نمرود جیسے بادشاہ کا تکبر مچّھر نے ہی توڑا تھا۔وہ انسان کو سمجھاتا ہے کہ میں تمہارا دشمن نہیں اس کی تصدیق تم کسی بھی صوفی یا شاہ صاحب سے کر سکتے ہو۔

اہلِ ذوق میری زندگی کو دل سے پسند کرتے ہیں، دن بھر میں خلوت میں رہ کر رات کو اپنے رب کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں ،لیکن انسان سوتا رہتا ہے تو مجھے غصّہ آجاتا ہے اور میں انسان کو ڈنک مار کر اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں تا کہ وہ وقت کی اہمیت کو پہچانے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کرے۔ یہ وقت ہوشیار رہنے اور کام کرنے کا ہے۔

آخر میں مچھّر انسانوں کو صلاح دیتا ہے کہ اگر انسان زاہد شب زندہ دار ہو جائے تو میں بھی انسان کو ستانا چھوڑ دوں۔

4.7 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ انشائیہ مچھّر کا مقصد بیان کیجیے؟

۲۔ مچھّر ایک موذی مخلوق ہے، واضح کیجیے؟

۳۔ تلمیح کسے کہتے ہیں؟

مندرجہ ذیل کا جواب پندرہ (۱۵) سطروں میں دیجیے۔

۱۔ حسن نظامی کی انشائیہ نگاری کی چار خوبیاں لکھیے۔

۲۔ سبق میں سے چار محاورے تلاش کیجیے اور ان کا استعمال جملوں میں کیجیے۔

4.8 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
امیر	مالدار	ادنیٰ	کمتر
ایجی ٹیشن (Agitation)	تحریک (مخالفت)	پائنیر Pioneer	اخبار کا نام
الٹی میٹم Ultimatum	تنبیہ	ریمارک Remark	نشاندہی کرنا
شکست	ہار	لشکر	فوج
رائج	رواں، جاری	نومولود	نیا پیدا ہوا
مہم	بڑا کام، اہم کام، جنگ		

4.9 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ خاکے انشائیہ، ڈرامے اور افسانے — محمد قاسم صدیقی

۲۔ اردو نثر کا فنّی ارتقا۔ — ڈاکٹر فرمان فتح پوری

۳۔ انشائیہ اور انشائیے۔ — سید محمد حسنین

۴۔ خواجہ حسن نظامی۔ حیات اور کارنامے — مرتبہ خواجہ حسن ثانی نظامی

☆☆☆

اکائی 5

مضمون : فن اور صنفی خصوصیات

اکائی کے اہم اجزا :

5.1 اغراض ومقاصد

5.2 تمہید

5.3 مضمون نگاری: تعریف اور فن

5.4 مضمون نگاری کے اقسام

5.5 مضمون نگاری کے اصول

5.6 مضمون نگاری میں اسلوب بیان کی اہمیت

5.7 اردو میں مضمون نگاری کی روایت

5.8 اکائی کا خلاصہ

5.9 نمونے کے امتحانی سوالات

5.10 سفارش کردہ کتابیں

5.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ

☆ وہ مضمون کی تعریف اور اس کی صنفی خصوصیات کا جائزہ لے سکیں۔

☆ مضمون نگاری کے اقسام بیان کر سکیں۔

☆ مضمون نگاری کے اصول واضح کر سکیں۔

☆ مضمون نگاری میں اسلوب بیان کی اہمیت واضح کر سکیں۔

5.2 تمہید

اس اکائی میں اردو نثر کی اہم صنف مضمون نگاری کی تعریف اور صنفی خصوصیات سے آگاہ کرتے ہوئے، مضمون نگاری کے اصول اور اقسام سے روشناس کرایا جائے گا۔

5.3 مضمون نگاری: تعریف اور فن

مضمون نگاری اردو نثر کی ایک خاص صنف ہے۔ انگریزی میں اس صنف کو "Essay" کہتے ہیں۔ یہ صنف انگریزی

ادب سے ہی حاصل کی گئی ہے۔انگریزی ادب میں بیکن ،ایڈیسن اور اسٹیل وغیرہ اہم مضمون نگار ہوئے ہیں۔اردو میں مضمون نگاری کا آغاز دہلی کالج سے ہوا،البتہ سرسیّداحمد خاں اوران کے رفقانے اس صنف کو باقاعدہ رائج کیا۔

کسی بھی موضوع پر اپنے خیالات ترتیب اور مربوط انداز سے اس طرح پیش کرنا کہ پڑھنے والا بخوبی سمجھ سکے،مضمون نگاری کہلاتا ہے۔سرسید نے مضمون نگاری کے لئے تین باتوں کوضرور قرار دیا ہے۔ (۱)تحریر سادہ ہونا چاہیے۔(۲) لطف مضمون میں ہو، نہ کہ ادا میں (۳)جو اپنے دل میں ہووہی دوسرے کے دل میں پڑے۔یعنی دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔

مضمون کے تین حصّے ہوتے ہیں۔ ۱- تمہید ۲-نفسِ مضمون ۳-اختتام۔

۱-تمہید :- مضمون کی ابتدا ایسے دلچسپ جملوں سے کی جائے کہ پڑھنے والا آغاز سے ہی مضمون پڑھنے کی طرف مائل ہو سکے۔اگر مضمون کا آغاز دلچسپ اور زوردار جملوں سے ہوگا۔تو پڑھنے والے کا ذہن اصل موضوع کی طرف راغب ہوگا اور اس کی دلچسپی بھی برقرار رہے گی۔یہی مضمون نگار کی کامیابی کی دلیل ہے۔

۲- نفسِ مضمون :- مضمون کے درمیانی حصّے کو''نفسِ مضمون کہتے ہیں۔اس حصّے میں موضوع سے متعلق اپنے خیالات تحریر کئے جاتے ہیں۔یہ حصہّ طویل ہوتا ہے۔اس لئے اس کوکئی پیراگرفون میں تقسیم کرکے لکھنا چاہیے۔

۳- اختتام :- مضمون کا آخری حصہّ اختتام یا خاتمہ کہلاتا ہے۔مضمون کی کامیابی کا دارومدار اس حصّے پر بھی ہوتا ہے۔اس میں مضمون نگار اپنے خیالات اتنے پراثر انداز میں لکھتا ہے۔پڑھنے والا مضمون کو سمجھ سکے اس سے نصیحت حاصل کرے اور متاثر بھی ہو سکے۔ اس لئے مضمون نگار کو اختتام دلکش اور دلنشیں انداز سے تحریر کرنا چاہئیے۔

5.4 مضمون نگاری کے اقسام

ادبی مضامین تین طرح کے ہوتے ہیں(۱) بیانیہ مضامین (۲) حکائیہ مضامین (۳)فکری مضامین ۔

۱- بیانیہ مضامین : یہ مضامین وہ ہوتے ہیں جن میں کسی خاص شخص،عمارت یا مختلف اشیاء کا ذکر کیا جائے۔جیسے تاج محل،مہاتما گاندھی،مرزا رغالبؔ،ریڈیو،کمپیوٹر وغیرہ۔

۲- حکائیہ مضامین : حکائیہ مضامین میں کسی واقعہ،کہانی،سفر کے حالات، دلچسپیوں،تفریح، وغیرہ کو بیان کیا جاتا ہے۔جیسے کالج کا میرا پہلا دن،یومِ آزادی،کرکٹ میچ،الیکشن کا منظر وغیرہ۔

۳- فکری مضامین : وہ مضامین جن کی بنیاد افکار وخیالات پر ہوتی ہے،فکری مضامین کہلاتے ہیں۔مثلاً''بے روزگاری کا مسئلہ اور حل''،''عالمی امن''،''اگر میں لکھ پتی ہوجاؤں''،''سگریٹ نوشی اور کینسر'' وغیرہ۔

مضمون کسی بھی قسم کا ہو موضوع کے لحاظ سے اس کی خوبیوں اور خامیوں کو اجاگر کرنا چاہیے،تاکہ پڑھنے والے کو مضمون سے اہم اور جامع معلومات فراہم ہوسکیں۔اسی لیے آج مضمون ادب کی ایک بے حد اہم اور مقبول صنف تسلیم کی جاتی ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ مضمون نگاری کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کے فن اور صنفی خصوصیات کا سرسری جائزہ لیجیے۔

۲۔ مضمون نگاری کے اقسام بیان کیجیے۔

5.5 مضمون نگاری کے اصول

مضمون نگار کو مضمون نگاری کے اصولوں کا پابند ہونا ضروری ہے، تا کہ مضمون کامیاب اور مقبول ہو سکے۔ مضمون نگاری کے اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- **موضوع کا انتخاب** : مضمون نگار کو چاہیے سب سے پہلے موضوع کا انتخاب کرے اور موضوع سے متعلق پورا خاکہ ذہن میں بنائے۔ مثلاً ابتدا کیسے کی جائے گی؟ درمیان میں کن باتوں کو تحریر کرے گا، اور خاتمہ کس انداز سے کیا جائے گا۔

۲- **موضوع سے متعلق معلومات** : مضمون نگار کو موضوع سے متعلق پوری معلومات کا ہونا ضروری ہے۔ عدم معلومات کی حالت میں کسی موضوع پر قلم اٹھانا بالکل مناسب نہیں کیونکہ معلومات کے بغیر نہ مضمون کامیاب ہوگا اور نہ پڑھنے والے اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

۳- **دلچسپ آغاز** : مضمون کا آغاز دلچسپ انداز سے کرنا چاہئے تا کہ پڑھنے والا آغاز سے ہی مضمون سے دلچسپی لے سکے۔ اس لئے مضمون نگار کو چاہیے کہ مضمون کا آغاز دلنشیں اور دلکش انداز میں کرے۔ اس کے لیے موزوں اور مناسب الفاظ استعمال کیے جائیں۔ جملے سادہ اور چھوٹے ہوں۔ مضمون کو دلچسپ بنانے کے لئے مختلف سرخیاں بھی تحریر کی جاسکتی ہیں۔

۴- **اختصار** : مضمون نگار کو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہر بات اختصار سے تحریر کرے۔ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرے۔ طویل مضامین غیر دلچسپ ہو سکتے ہیں اور پڑھنے والے کی دلچسپی بھی برقرار نہیں رہتی۔ لیکن اختصار اتنا بھی نہ ہو کہ مطلب ہی واضح نہ ہو سکے۔ اس لیے مضمون کا عنوان بھی مختصر ہونا چاہئے۔

۵- **خیالات میں ربط** : مضمون نگار کے خیالات میں ربط کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ایک بات پوری کئے بغیر دوسری بات بیان کرنا مضمون کو بے ربط بنا دیتا ہے۔ اس لئے مضمون نگار کو چاہئے کہ اپنے خیالات ربط و تسلسل سے بیان کرے تا کہ پڑھنے والے کی دلچسپی بھی برقرار رہے اور مضمون بھی کامیاب ہو۔

۶- **آسان اور پراثر بیان** : اپنے خیالات کو ادا کرنے کے لئے مضمون نگار کو آسان اور پراثر زبان کا استعمال کرنا چاہئے تا کہ ہر طرح کے افراد مضمون پڑھ سکیں۔ مشکل اور پیچیدہ زبان میں لکھے ہوئے مضمون صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ عام لوگ نہ پڑھ سکتے ہیں اور نہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے مضامین آسان اور سادہ زبان میں لکھنا بہتر ہے۔

۷- **دلکش اسلوبِ بیان** : اسلوبِ بیان مضمون نگاری کی ''روح'' ہے۔ اسلوب پر ہی مضمون کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہوتا ہے۔ اس لیے مضمون نگار کے لیے ضروری ہے کہ اسلوب بیان دلکش اور سادہ استعمال کرے۔ مضمون نگار اپنے لیے ایک اسلوبِ بیان اختیار کرے اور اس میں ایسی جدّت اور خوبی پیدا کرے کہ پڑھنے والا خود بخود اس کو اسلوبِ بیان سے پہچان لے کہ یہ فلاں شخص کا مضمون ہے۔

اس طرح مضمون انسان کے خیالات کا ذریعہ ہے۔اس لیے خیالات میں صداقت کا ہونا ضروری ہے۔مرکزی خیال کے اردگرد ہی دوسرے خیالات تحریر کیے جائیں۔اچھا مضمون کسی منصوبہ بندی یا پہلے سے مرتب کئے ہوئے خیالات کا محتاج نہیں ہوتا۔اس کی تہیں خود بخود کھلتی ہیں۔ایک خیال سے دوسرا خیال پیدا ہوتا ہے۔اور بات پڑھنے والے کے دل میں بیٹھتی چلی جاتی ہے۔

5.6 مضمون نگاری میں اسلوب بیان کی اہمیت

اسلوب بیان مضمون نگاری کی ''روح'' ہے۔اسلوب پر ہی مضمون کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہے۔اسلوب بیان کے لئے مضمون نگار کو مندرجہ ذیل چند خاص اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱- سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مضمون میں استعمال ہونے والے الفاظ عام فہم ہوں اور مطلب بخوبی سمجھ میں آجائے۔

۲- مضمون نگار کو چاہئے کہ اپنی ہی زبان کے الفاظ استعمال کرے۔اگر اپنی زبان کے الفاظ مطلب ادا کرنے کے لئے کافی نہ ہوں تو اس وقت دوسری زبانوں کے الفاظ سے مدد لی جاسکتی ہے۔

۳- مضمون میں اختصار کا خاص طور سے خیال رکھنا ضروری ہے۔طویل مضامین نہ صرف غیر دلچسپ ہوتے ہیں بلکہ پڑھنے والے بھی اکتا جاتے ہیں لیکن اتنا اختصار بھی نہیں ہو کہ مطلب بھی واضح نہ ہو سکے۔

۴- مضمون لکھنے کے دوران کسی لفظ کو بار بار تحریر کرنا مناسب نہیں۔اس سے مضمون نگار کے سرمایۂ الفاظ کی کمی کا پتہ چل جاتا ہے۔

۵- مضمون نگار کے خیالات میں ربط کا ہونا ضروری ہے۔جس بات کا ذکر ہو تمام جملے اسی کے متعلق ہوں۔ایک بات کو پورا کیے بغیر دوسری بات کا بیان کرنا مضمون کو بے ربط بنا دیتا ہے۔

۶- مضمون کے الفاظ، موزوں، مناسب اور مؤثر ہوں تاکہ مفہوم فطری انداز میں ادا ہو سکے اور مضمون عام فہم ہو۔

۷۔ زبان سادہ اور آسان ہونا چاہیے۔تاکہ اوسط درجے کا پڑھا لکھا انسان بھی پڑھ سکے اور سمجھ سکے اور زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔

۸- مضمون نگار کو اپنے خیالات کا اظہار صداقت سے کرنا چاہیے تاکہ پڑھنے والا خود اس کے خیالات سے متاثر ہو۔مضمون نگار کسی بھی بات کا اصرار یا تاکید نہ کرے۔

۹- مضمون نگار کو اپنے مضمون کو بار بار پڑھنا چاہیے، تاکہ اسلوب بیان میں کوئی کمی ہو تو درست کر سکے۔اور بہتر اسلوب پیش کر سکے۔اسلوبِ بیان ہی مضمون نگار کی قبولیت کا ضامن ہے۔

5.7 اردو میں مضمون نگاری کی روایت

اردو میں مضمون نگاری کے ابتدائی نمونے ملا وجہی کی 'سب رس' میں ملتے ہیں، جس میں وجہی نے مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کیا ہے۔فورٹ ولیم کالج میں لکھی گئی تصانیف میں بھی مضمون کے نمونے مل جاتے ہیں، لیکن اردو میں مضمون نگاری کا آغاز دہلی کالج سے ہوا۔ ماسٹر رام چندر نے کئی مضامین لکھے اور کئی مضامین کے انگریزی سے اردو میں ترجمے کیے۔ان کے مضامین کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

علی گڑھ تحریک سے وابستہ مصنفین نے مضمون نگاری کے فن کو باقاعدہ بڑھایا۔ سرسیّد نے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور تعلیم کی طرف توجہ کی، سائنٹفک سوسائٹی قائم کی، رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا اور علی گڑھ میں ایم۔اے۔او۔کالج قائم کیا۔ اس تحریک نے اردو زبان وادب پر بھی اثر ڈالا۔ اردو نثر میں کئی نئی اصناف کا اضافہ ہوا اور بالخصوص مضمون کی صنف نے ترقی کی۔ علی گڑھ تحریک سے تعلق رکھنے والے مضمون نگاروں میں سرسیّد احمد خان کے علاوہ شبلی، حالی، نذیر احمد، چراغ علی، محسن الملک اور وقار الملک قابلِ ذکر ہیں۔ سرسیّد نے اپنے مضامین میں عقلیت پسندی پر زور دیا۔ شبلی نے تاریخِ اسلام پر کئی کتابیں لکھیں۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اخلاقی ناولوں کے ذریعہ اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ چراغ علی، محسن الملک اور وقار الملک کا اپنا اپنا انداز تھا، جس کے ذریعہ انھوں نے اس صنف کے دامن کو وسیع کیا۔

جنگِ آزادی کے دوران کئی ادیبوں نے سیاسی مسائل پر مضامین لکھے۔ ان میں مولانا شبلی پیش پیش تھے۔ سیاسی مسائل پر مضامین لکھنے والوں میں مولانا محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد اور ظفر علی خاں کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

تنقید بھی مضمون کی ایک صنف ہے۔ تنقیدی مضامین لکھنے کی ابتدا سرسیّد احمد خاں کے زمانے سے ہی ہو چکی تھی۔ سرسیّد نے نیچرل شاعری پر مضمون لکھے۔ محمد حسین آزاد نے آزاد نظم اور کلام موزوں پر ایک تقریر کی جسے ہم اردو کا پہلا تنقیدی مضمون کہہ سکتے ہیں۔ حالی نے ''مقدمۂ شعر وشاعری'' کے عنوان سے ایک طویل مقدّمہ تحریر کیا۔ ان کے بعد وحیدالدین سلیم، عبدالرحمٰن بجنوری، مولانا عبدالحق نے اہم تنقیدی مضامین لکھے۔ فراق گورکھپوری اور نیاز فتح پوری نے اپنے مضامین کے ذریعہ اردو تنقید میں خوش گوار اضافے کیے۔

ترقی پسند تحریک سے وابستہ نقادوں میں مجنوں گورکھپوری، اختر حسین رائے پوری، احتشام حسین، ممتاز حسین، عزیز احمد نے تنقیدی مضامین لکھے اور مارکسی نظریۂ ادب کو پیش کیا۔ ترقی پسند تحریک کے بعد جدیدیت کے رجحان کو تقویت دینے میں شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ، شمیم حنفی کا نمایاں کردار رہا، اس طرح اردو تنقید نے ایک لمبا سفر طے کیا اور ان کے ذریعہ اردو میں مضمون نگاری کو فروغ ملا۔

5.8 اکائی کا خلاصہ

مضمون نگاری اردو نثر کی ایک خاص صنف ہے۔ انگریزی میں اس صنف کو "Essay" کہتے ہیں۔ یہ صنف انگریزی ادب سے ہی حاصل کی گئی ہے۔ انگریزی ادب میں بیکن، ایڈیسن اور اسٹیل وغیرہ اہم مضمون نگار ہوئے ہیں۔ اردو میں مضمون نگاری کو سرسید احمد خاں نے رائج کیا۔

کسی بھی موضوع پر اپنے خیالات اس طرح پیش کرنا کہ پڑھنے والا بخوبی سمجھ سکے۔ مضمون نگاری کہلاتا ہے۔ سرسید نے مضمون نگاری کے لئے تین باتوں کو ضرور قرار دیا ہے۔ (۱) تحریر سادہ ہونا چاہئیے۔ (۲) لطف مضمون میں نہ کہ ادا میں (۳) جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے۔ یعنی دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔

مضمون کے تین حصّے ہوتے ہیں۔ ۱- تمہید ۲-نفسِ مضمون ۳-اختتام۔

۱- تمہید : مضمون کی ابتدا ایسے دلچسپ جملوں سے کی جائے کہ پڑھنے والا آغاز سے ہی مضمون پڑھنے کی طرف مائل ہو سکے۔ اگر مضمون کا آغاز دلچسپ اور زوردار جملوں سے ہوگا تو پڑھنے والے کا ذہن اصل موضوع کی طرف راغب ہوگا۔ اور اس کی دلچسپی بھی برقرار رہے گی۔ یہی مضمون نگار کی کامیابی کی دلیل ہے۔

۲- نفسِ مضمون : مضمون کے درمیانی حصّے کو ''نفسِ مضمون'' کہتے ہیں۔ اس حصّے میں موضوع سے متعلق اپنے خیالات تحریر

کئے جاتے ہیں۔ یہ حصہّ طویل ہوتا ہے۔اس لئے اس کو کئی پیرا گرفوں میں تقسیم کر کے لکھنا چاہیے۔

۳- اختتام : مضمون کا آخری حصہّ یا خاتمہ کہلاتا ہے۔مضمون کی کامیابی کا دارومدار اس حصّے پر بھی ہوتا ہے۔اس میں مضمون نگار اپنے خیالات اتنے پراثر انداز میں لکھتا ہے کہ پڑھنے والا مضمون کو سمجھ سکے،اس سے نصیحت حاصل کرے اور متاثر بھی ہو سکے۔ اس لیے مضمون نگار کو اختتام دلکش اور دلنشیں انداز میں تحریر کرنا چاہیے۔

اس طرح مضمون انسان کے خیالات کا ذریعہ ہے۔اس لئے خیالات میں صداقت کا ہونا ضروری ہے۔مرکزی خیال کے اردگرد ہی دوسرے خیالات تحریر کئے جائیں۔اچھا مضمون کسی منصوبہ بندی یا پہلے سے مرتب کئے ہوئے خیالات کا محتاج نہیں ہوتا۔اس کی تہیں خود بخود کھُلتی ہیں۔ایک خیال سے دوسرا خیال پیدا ہوتا ہے۔اور بات پڑھنے والے کے دل میں بیٹھتی چلی جاتی ہے۔

اردو میں مضمون نگاری کا آغاز دہلی کالج سے ہوا۔البتہ علی گڑھ تحریک سے وابستہ مصنفین نے اس فن کے باقاعدہ آگے بڑھایا۔علی گڑھ تحریک سے تعلق رکھنے والے مضمون نگاروں میں سرسیّد احمد خاں کے علاوہ شبلی، حالی، نذیر احمد، چراغ علی، محسن الملک اور وقار الملک قابلِ ذکر ہیں۔جنگِ آزادی کے دوران سیاسی مسائل پر مولانا محمد علی جوہر، ابوالکلام آزاد اور ظفر علی خاں وغیرہ نے مضامین لکھے۔

تنقید بھی مضمون کی ایک صنف ہے۔محمد حسین آزاد اور حالی کے بعد وحید الدین سلیم، عبدالرحمٰن بجنوری، مولوی عبدالحق، فراق گورکھپوری اور نیاز فتح پوری نے تنقیدی مضامین لکھے۔اسی طرح ترقی پسند تحریک اور جدیدیت سے متعلق نقّاد نے بھی اس صنف کو آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

5.9 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے ۔

۱۔ مضمون نگاری میں اسلوب بیان کی اہمیت واضح کیجیے۔

۲۔ مضمون نگاری کے اقسام پر اظہارِ خیال کیجیے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے ۔

۱۔ مضمون کسے کہتے ہیں؟ سرسید نے مضمون نگاری کے لئے کن باتوں کو ضروری بتایا ہے؟

۲۔ مضمون نگاری کے اصول تحریر کیجیے۔

5.10 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
پراثر	اثر دار	جامع	وسیع، تمام، کل
اختصار	مختصر کرنا، مطلب کو تھوڑے لفظوں میں بیان کرنا	ربط	تعلق، لگاؤ

جدت	تازہ پن، نیا پن	منصوبہ بندی	پلاننگ، طے کرنا
صداقت	راست بازی، خلوص، سچائی	ضامن	ضمانت دینے والا
مرتب	ترتیب دیا ہوا		

5.11 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ داستانِ تاریخ اردو - پروفیسر حامد حسین قادری

۲۔ گلدستۂ مضامین - محمد عارف خاں

۳۔ تاریخِ ادب اردو - نوار الحسن نقوی

☆☆☆

اکائی 6

انتخابِ مضمون ''اپنی مدد آپ'' سرسیداحمدخاں

اکائی کے اہم اجزا :

6.1 اغراض ومقاصد

6.2 تمہید

6.3 سرسیداحمدخاں۔تعارف

6.4 ''اپنی مدد آپ''۔متن

6.5 متن کی تشریح

6.6 اکائی کا خلاصہ

6.7 نمونے کے امتحانی سوالات

6.8 فرہنگ

6.9 سفارش کردہ کتابیں

6.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ مضمون نگار کا سرسری تعارف کرواسکیں۔

☆ سرسیداحمدخاں کے مضمون ''اپنی مدد آپ'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کرسکیں۔

☆ صنفِ مضمون کی روشنی میں ''اپنی مدد آپ'' کا جائزہ لے سکیں۔

6.2 تمہید

اس اکائی میں سرسیداحمدخاں کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتے ہوئے ان کے مشہور مضمون '' اپنی مدد آپ'' کو تشریح کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

6.3 سرسیّداحمدخاں : تعارف

سرسیداحمدخاں ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔سرسید کی تعلیم وتربیت ان کی والدہ کی سرپرستی میں ہوئی۔یہ ایک نیک اور رحم دل خاتون تھیں۔اس وقت دہلی میں غالبؔ،صہبائیؔ،آزردہؔ،شیفتہؔ اور مومنؔ جیسے شاعر موجود تھے،جن سے سرسید نے استفادہ کیا۔تعلیم حاصل کرنے کے بعد سرسید نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت قبول کی اور سررشتہ داری کے عہدے پر مقرر ہوئے۔ترقی کرکے صدرِامین کے عہدے تک پہنچے۔اس ملازمت کے دوران انھوں نے اپنی اہم کتاب ''آثارالصنادید'' لکھی۔اس کتاب میں دہلی کی تاریخی

عمارتوں، آثارِ قدیمہ اور مشہور شعراء، علماء کے حالات بہت چھان بین کے بعد لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کو سرسید نے بڑی محنت اور جانفشانی سے تیار کیا تھا۔ اس لئے اس کی بڑی قدر افزائی ہوئی۔

ملازمت کے سلسلے میں بجنور میں ان کا قیام تھا۔ جب ۱۸۵۷ء کی بغاوت ہوئی۔ انھوں نے سارا ہنگامہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور مسلمانوں اور انگریزوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' لکھی۔

سرسید کا تبادلہ غازیپور ہوگیا تو وہاں ایک ''سائنٹفک سوسائٹی'' قائم کی، جس کا مقصد مسلمانوں کو مغربی علوم وفنون سے آگاہ کرنا تھا۔ ۱۸۶۹ء میں سرسید نے انگلستان کا سفر کیا۔ وہاں سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' کا نہایت مدلّل جواب لکھا، جو ''خطباتِ احمدیہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ کتاب استدلالی اندازِ بیان کا بہترین نمونہ ہے۔

انگلستان سے واپس آنے کے بعد سرسید نے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' (۱۸۷۰ء) میں جاری کیا۔ اس رسالے کا مقصد مسلمانوں کے خیالات میں وسعت اور تہذیب ومعاشرت کی اصلاح تھا۔ اس میں سرسید نے خود بھی ہر موضوع پر مضمون لکھے۔ اور اپنے رفیقوں سے بھی لکھوائے۔

سرسید کے انگلستان جانے کا ایک مقصد وہاں کے تعلیمی اداروں کا مطالعہ کرنا اور ہندوستان میں اسی طرز کا ایک کالج قائم کرنا تھا۔ اس لئے انگلستان سے واپس آکر انھوں نے علی گڑھ میں ''محمڈن اینگلو اورینٹل کالج'' کی بنیاد ۱۸۷۷ء میں رکھی گئی۔ یہ کالج ترقی کرکے آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں موجود ہے۔ سرسید کا یہ بڑا کارنامہ ہے۔ سرسید مرتے دم تک اس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۸۹۸ء میں سرسید کا انتقال ہوا اور کالج کی مسجد میں دفن کئے گئے۔

قومی وادبی خدمات: سرسید نے اردو ادب کی غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ انھوں نے اردو نثر کو سلیس اور آسان بنا کر عام اجتماعی زندگی کا ترجمان بنایا۔ مولانا شبلی سرسید کی ادبی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''جو چیز خصوصیت کے ساتھ ان کی اصلاح کی بدولت ذرّہ سے آفتاب بن گئی۔ ان میں سے ایک اردو لٹریچر بھی ہے۔''

ان کی بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ اس زبان میں عشق وعاشقی کے علاوہ سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور تاریخی ہر قسم کے مضامین ادا کئے جاسکتے ہیں۔ سرسید نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔ انھوں نے طرزِ تحریر کے لئے تین باتوں کو اہم بتایا۔

۱۔ تحریر سادہ ہونی چاہئے۔

۲۔ لطف مضمون میں ہو نہ کہ ادا میں۔

۳۔ جو اپنے دل میں وہی دوسروں کے دل میں محسوس ہو۔ یعنی وہی مضامین بیان کئے جائیں جن میں سچائی ہو۔

اس طرح سرسید کے نزدیک زبان میں سادگی، بے تکلفی اور بے ساختگی ہو۔ اس کو نیچرل طرزِ بیان سے تعبیر کیا۔ انھوں نے ادائے مقصد کا طریقہ صاف، سادہ، عام فہم اختیار کیا۔ اسی لئے مولانا حالیؔ نے انھیں ''رفارمر'' قرار دیا ہے۔ اپنے مقصد کی وضاحت کے لئے وہ اکثر انگریزی الفاظ بھی استعمال کرتے تھے۔

سرسید کے اسلوبِ نگارش کے خاص اوصاف واقعیت پسندی، سادگی، مقصدیت اور آزادیٔ فکر ہیں۔ وہ سادہ زبان میں سیدھی اور سچی بات کہنے پر یقین رکھتے تھے، تاکہ بات دل سے نکلے اور دل پر اثر کرے۔

سرسید سے پہلے مضمون نگاری کا وجود نہیں تھا۔سرسید نے انگریزی ادیبوں سے متاثر ہوکر مضمون نگاری کی صنف کا آغاز کیا۔سرسید ایک مفکر اور ایک مصلح قوم تھے اور ان کا مقصد قوم کو احساس کمتری سے نکال کر ایک معیاری زندگی گزارنے کا سلیقہ دینا تھا۔

ان کی تحریروں میں جو پختہ یقین اور اعتماد نظر آتا ہے وہ صرف لایقِ ستائش ہی نہیں بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے۔اس پختہ یقین کے ساتھ انھوں نے اردو زبان وادب کی خدمت کی اور تمام عمر قوم وزبان کی خدمت کے لئے وقف کردی۔

تصانیف : سرسد کی تصانیف کی فہرست کافی طویل ہے۔ان کی چند اہم تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

آثارالصنادید، تاریخ سرکشیٔ بجنور، اسبابِ بغاوتِ ہند، خطباتِ احمدیہ، تہذیب الاخلاق کے مضامین، وغیرہ۔

سرسید نے اردو ادب کو ایک نیا راستہ دکھایا۔مسلمانوں کو پستی سے نکال کر باعزت مقام دلانے میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔اردو نثر ان کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

6.4 ''اپنی مدد آپ'' : متن

''خدا ان کی مدد کرتا ہے، جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں''

یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ مقولہ ہے۔اس چھوٹے سے فقرے میں انسانوں کا اور قوموں کا اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ایک شخص میں اپنی مدد کرنے کا جوش اس کی سچّی ترقی کی بنیاد ہے اور جب کہ یہ جوش بہت سے شخصوں میں پایا جائے تو وہ قوم ترقی اور قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے۔جب کہ کسی شخص کے لئے یا کسی گروہ کے لئے دوسرا کچھ کرتا ہے تو اس شخص میں سے یا اس گروہ میں سے وہ جوش اپنے آپ مدد کرنے کا کم ہو جاتا ہے اور ضرورت اپنے آپ مدد کرنے کی اس کے دل سے مٹتی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ غیرت جو ایک نہایت عمدہ قوت انسان میں ہے اور اسی کے ساتھ عزت جو اصلی چمک دمک انسان کی ہے، از خود جاتی رہتی ہے اور جب کہ ایک قوم کا یہ حال ہو تو وہ ساری قوم دوسری قوموں کی آنکھ میں ذلیل اور بے عزت ہو جاتی ہے۔آدمی جس قدر کہ دوسرے پر بھروسہ کرتے جاتے ہیں۔خواہ اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کا بھروسہ گورنمنٹ ہی پر کیوں نہ کریں وہ اسی قدر بے مدد اور بے عزت ہوتے جاتے ہیں۔اے میرے ہم وطن بھائیو! کیا تمھارا یہی حال نہیں ہے؟

ایشیا کی تمام قومیں یہی سمجھتی رہی ہیں کہ اچھا بادشاہ ہی رعایا کی ترقی اور خوشی کا ذریعہ ہوتا ہے۔یورپ کے لوگ جو ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ترقی کر گئے تھے۔یہ سمجھتے تھے کہ ایک عمدہ انتظام قوم کی عزت و بھلائی وخوشی اور ترقی کا ذریعہ ہے۔خواہ وہ انتظام باہمی کے رسم ورواج کا ہو یا گورنمنٹ کا اور یہی سبب ہے کہ یورپ کے لوگ قانون بنانے والی مجلسوں کو بہت ذریعہ انسان کی ترقی و بہبودی کا خیال کر کے ان کا ذریعہ سب سے اعلی اور نہایت بیش بہا سمجھتے تھے۔مگر حقیقت میں سب خیال غلط ہیں۔ایک شخص فرض کرو کہ وہ لندن میں آرلینڈ کی طرف سے پارلیمنٹ میں ممبر ہی کیوں نہ ہو جائے۔یا کلکتہ میں وائسرائے اور گورنر جنرل کی کونسل میں ہندوستان کا ممبر ہو کر کیوں نہ بیٹھ جاوے۔قومی عزت اور قومی بھلائی اور قومی ترقی کیا ہوسکتی ہے۔برس دو برس کسی بات پر ووٹ دے دینے سے گو وہ کیسی ہی ایمانداری اور انصاف سے کیوں نہ دیا ہو، قوم کی کیا بھلائی ہوسکتی ہے۔بلکہ خود اس کے چال چلن پر اس کے برتاؤ پر اس سے کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا ہے تو قوم کے برتاؤ پر کیا اثر پیدا کرسکتا ہے۔ہاں یہ بات بے شبہ ہے کہ گورنمنٹ سے انسان کے برتاؤ میں کچھ مدد نہیں ملتی۔مگر عمدہ گورنمنٹ سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی آزادی سے اپنے قویٰ کی تکمیل اور اپنی شخصی حالت کی ترقی کرسکتا ہے۔

پرانے لوگوں کا قول ہے کہ ''النّاس علیٰ دِین مُلُوکھم'' اگر اس مقولے میں ''النّاس'' چند خاص آدمی مراد لئے جائیں۔ جو بادشاہ کے مقرب ہوتے ہیں تو یہ مقولہ صحیح ہے اور اگر یہ معنی لئے جائیں کہ رعایا اپنی گورنمنٹ کی سی ہو جاتی ہے تو یہ مقولہ صحیح نہیں ہے۔ رعایا کبھی گورنمنٹ کے رنگ میں نہیں رنگی جاتی، بلکہ گورنمنٹ رعایا کا سا رنگ بدلتی جاتی ہے، نہایت ٹھیک بات ہے۔ گورنمنٹ عموماً ان لوگوں کا جن پر وہ حکومت کرتی ہے، عکس ہوتی ہے، جو رنگ ان کا ہوتا ہے، اس کا عکس گورنمنٹ میں پایا جاتا ہے۔ جو گورنمنٹ اپنی رعایا سے تہذیب اور شائستگی میں آگے بڑھی ہوئی ہے۔ رعایا اس کو زبردستی سے پیچھے کھینچ لاتی ہے، وہ ترقی کی دوڑ میں رعایا کے ساتھ آگے کھنچ جاتی ہے۔ تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان اور انگلستان کا یہی حال ہوا۔ انگلستان کی رعایا تہذیب شایستگی میں موجود گورنمنٹ سے کوسوں پیچھے کھڑی ہے۔ گورنمنٹ کتنا ہی کھنچنا چاہتی ہے۔ مگر وہ نہیں کھنچتی، بلکہ زبردستی سے گورنمنٹ کو پیچھے کھنچ لاتی ہے۔

یہ ایک نیچر کا قاعدہ ہے کہ جیسا مجموعہ قوم کے چال چلن کا ہوتا ہے۔ یقینی اسی کے موافق اس کے قانون اور اسی کے مناسب حال گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جس طرح کہ پانی خود بخود اپنی پنسال میں آجاتا ہے۔ اسی طرح عمدہ رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے اور جاہل وخراب وناتربیت یافتہ رعایا پر ویسی ہی اکھڑ حکومت کرنی پڑتی ہے۔

تمام تجربوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی ملک کی خوبی وعمدگی اور قدر ومنزلت بہ نسبت وہاں کی گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اس ملک کی رعایا کے چال چلن، اخلاق وعادت، تہذیب وشایستگی پر منحصر ہے۔ کیوں کہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے اور ایک قوم کی تہذیب درحقیقت ان مرد وعورت وبچوں کی شخصی ترقی ہے، جن سے وہ قوم بنتی ہے۔

قومی ترقی مجموعہ ہے۔ شخصی ایمانداری، شخصی ہمدردی کا۔ اسی طرح قومی تنزّل مجموعہ ہے۔ شخصی سستی، شخصی بے عزتی، شخصی بیایمانی، شخصی خودغرضی اور شخصی برائیوں کا، ناتہذیبی، بدچلنی، جو اخلاقی وتمدنی یا باہمی معاشرت کی برائیوں میں شمار ہوتی ہے۔ درحقیقت وہ خود اس شخص کی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ کوشش سے ان برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست ونابود کردیں تو یہ برائیاں کسی اور نئی صورت میں اس سے بھی زیادہ اس سے بھی زیادہ زور شور سے پیدا ہو جاویں گی۔ جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کی ترقی نہ کی جاوے۔

اے میرے عزیز ہم وطن بھائیو! اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس کا یہ نتیجہ ہے کہ قوم کی سچّی ہمدردی اور سچّی خیرخواہی کرو۔ غور کرو کہ تمھاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح عمدہ ہوتا ہے کہ تم بھی ایک معزز قوم بنو۔ جو طریقہ تعلیم وتربیت کا، بات چیت کا، وضع ولباس کا، سیر سپاٹے کا، شغل اشغال کا، تمہاری اولاد کے لئے ہے۔ اس سے ان کے شخصی چال چلن، اخلاق وعادات، نیکی وسچائی میں ترقی ہوسکتی ہے۔

بڑا سچّا مسئلہ اور نہایت مضبوط جس سے دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے۔ وہ اپنی مدد آپ کرنا ہے۔ جس وقت لوگ اس کو اچھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاویں گے تو پھر خضر کو ڈھونڈنا بھول جاویں گے۔ اوروں پر بھروسہ اور اپنی مدد یہ دونوں اصول ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی برائیوں کو برباد کرتا ہے اور پہلا خود انسان کو قومی انتظام یا عمدہ قوانین کے اجرا کی خواہش، یہ بھی ایک قدیمی غلط خیال ہے۔ سچّا اصول وہ ہے، جو ولیم ڈراگن نے ڈبلن کی نمائش گاہ دست کاری میں کہا تھا۔ جو ایک بڑا خیرخواہ آئرلینڈ کا تھا۔ اس نے کہا کہ :

''جس وقت میں آزادی کا لفظ سنتا ہوں اسی وقت مجھ کو میرا ملک اور میرے شہر کے باشندے یاد آتے ہیں۔ہم اپنی آزادی کے لئے بہت سی باتیں سنتے آئے ہیں۔مگر میرے دل میں بہت بڑا مضبوط یقین ہے کہ ہماری محنت ہماری آزادی، ہمارے اوپر منحصر ہے۔میں یقین کرتا ہوں کہ اگر محنت کیے جاویں اور اپنی قوتوں کو ٹھیک طور پر استعمال کریں اس سے زیادہ ہم کو کوئی موقع یا آیندہ کی کوئی توقع اپنی بہتری کے لئے نہیں ہے۔استقلال اور محنت کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اگر ہم ایک دلی ولولہ اور محنت سے کام کیے جائیں گے، تو مجھے پورا یقین ہے۔کہ تھوڑے زمانہ میں ہماری حالت بھی ایک عمدہ قوم کی مانند آرام وخوشی وآزادی کی ہوجاوے گی۔''

انسان کی اگلی پشتوں کے حالات پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ حالت انسانوں کے نسل دونسل کے کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔مخفی اور مستقل مزاج محنت کرنے والوں، زمین کے جوتنے والوں، کانوں کے کھودنے والوں، نئی نئی باتوں کے ایجاد کرنے والوں، مخفی باتوں کو ڈھونڈھ کر نکالنے والوں، آلاتِ جرّثقیل سے کام لینے والوں، ہر قسم کے پیشہ کرنے والوں، ہنر مندوں، شاعروں، حکیموں، فلسفیوں، ملکی منتظموں نے ملک کو موجودہ ترقی کی حالت پر پہنچانے میں بڑی مدد دی ہے۔ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی ہے اور اس کو اعلیٰ درجہ تک پہنچایا ہے۔ان عمدہ کاریگروں سے جو تہذیب وشایستگی کی عمارت کے معمار ہیں۔لگاتار ایک دوسرے کے بعد ہونے سے محنت علم وہنر میں جو ایک بے ترتیبی کی حالت تھی۔ایک ترتیب پیدا ہوئی ہے۔رفتہ رفتہ نیچر کی گردش نے موجودہ نسل کو اس زرخیز اور بے بہا جائداد کا وارث کیا ہے۔جو ہمارے پرکھوں کی ہوشیاری اور محنت سے مہیا ہوئی تھی اور وہ جائداد ہم کو اس لئے نہیں دی گئی ہے کہ ہم صرف مثلِ مارِ سرگنج اس کی حفاظت ہی کیا کریں۔بلکہ ہم کو اس لیے دی گئی ہے کہ اس کو ترقی دیں اور ترقی یافتہ حالت میں آیندہ کے لیے چھوڑ جاویں۔مگر افسوس صد افسوس کہ ہماری قوم نے ان پرکھوں کی چھوڑی ہوئی جائداد کو بھی گنوادیا۔

انگریزوں کو جو اس دنیا کے اس دور میں اس قدر ترقی ہوئی ہے۔اس کا سبب صرف یہی ہے کہ ہمیشہ ان کی قوم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ انگریزوں کی قوم کی طاقت کا سچّا پیمانہ رہا ہے۔

انگریزوں میں اگرچہ بہت ایسے لوگ بھی تھے، جو تمام لوگوں سے اعلیٰ درجے کے اور زیادہ مشہور تھے اور جن کی تمام لوگ عزت بھی کرتے تھے۔لیکن کم درجے کے اور غیر مشہور آدمیوں کے گروہوں میں سے بھی اس قوم کی بڑی ترقی ہوئی ہے۔گو کسی لڑائی اور میدانِ کارزار کی فہرستوں اور تاریخوں میں صرف بڑے بڑے جنرلوں اور سپہ سالاروں کے نام لکھے گئے ہوں۔لیکن فتوحات ان کو زیادہ انھیں محنتی لوگوں کی شجاعت اور بہادری کے سبب ہوئی ہیں۔عام لوگ ہی تمام زمانوں میں سب سے زیادہ کام کرنے والے ہوئے ہیں۔بہت سے ایسے شخص ہیں۔جن کی زندگی کا حال کسی نے نہیں لکھا۔لیکن تہذیب وشایستگی اور ترقی پر ان کا بھی ایسا ہی قومی اثر ہوا جیسا کہ اس کو نصیب مشہور آدمیوں کا ہوا ہے۔جن کی زندگی کے حالات مورخوں نے اپنی تاریخوں میں لکھے ہیں۔

ایک نہایت ہی عاجز ومسکین غریب آدمی جو اپنے ساتھیوں کے محنت اور پرہیزگاری اور بے لگاؤ ایمانداری کی نظیر دکھاتا ہے۔اس شخص کا اس زمانے اور آیندہ زمانے میں اس کے ملک اور اس کی قوم کی بھلائی پر بہت اثر پیدا ہوتا ہے۔کیونکہ اس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن کو گو معلوم نہیں ہوتا۔مگر اور شخصیتوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے اور آیندہ کی نسل کے لیے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے۔

ہر روز کے تجربے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی چال چلن میں یہ قوت ہے کہ دوسرے کی زندگی اور برتاؤ اور چال چلن پر

نہایت قوی اثر پیدا کرتا ہے اور حقیقت میں یہی ایک عمدہ عملی تعلیم ہے اور جب ہم اس عملی تعلیم کا علمی تعلیم سے مقابلہ کریں تو مکتب و مدرسے اور مدرستہ العلوم کی تعلیم اس عملی تعلیم کی ابتدائی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کے علم کا یعنی زندگی کے برتاؤ کا نام جس کو انگریزی میں ''لائف ایجوکیشن'' کہتے ہیں۔ انسان ہر قوم پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مکتب و مدرسہ و مدرستہ العلوم کا علم طاق میں یا خندق میں یا الماری میں کسی بڑے کتب خانہ میں رکھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر زندگی کے برتاؤ کا علم ہر وقت دوست سے ملنے میں، گھر کے رہنے سہنے میں، شہر کی گلیوں میں پھرنے میں، صرافہ کی دوکان کرنے میں، ہل جوتنے میں، کپڑے بننے کے کارخانے میں، کلوں سے کام کرنے کے کارخانے میں اپنے ساتھ ہوتا ہے اور پھر بے سکھائے اور بے شاگرد کیے لوگوں میں صرف اس کے برتاؤ سے پھیلتا جاتا ہے۔

یہ پچھلا علم وہ علم ہے، جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی پچھلے علم سے عمل، چال چلن، تعلیم نفسی، نفس کشی، شخصی خوبی، قومی مضبوطی، قومی عزت حاصل ہوتی ہے۔ یہی پچھلا علم وہ علم ہے کہ جو انسان کو بدنظمی، اپنے فرائض ادا کرنے اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے اور زندگی کا کاروبار کرنے اور اپنی عاقبت کو سنوارنے کے لایق بنا دیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا ہے اور نہ یہ تعلیم کسی درجہ کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ لارڈ بیکن کا نہایت عمدہ قول ہے:

''علم سے عمل نہیں آجاتا ہے۔ علم کو عمل میں لانا علم سے باہر اور علم سے برتر ہے۔ اور مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اس کے علم کو باعمل یعنی اس کے برتاؤ میں کر دیتا علم کی بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معزز اور قابلِ ادب بنا دیتا ہے۔''

6.5 متن کی تشریح

اردو میں مضمون نگاری کی صنف کے بانی سرسید احمد خاں ہیں۔ انگریزی میں اس صنف کو Essay کہا جاتا ہے۔ انگلستان میں اسٹیل اور ایڈیسن نامی مضمون نگاروں نے اس صنف کو مقبول بنایا۔ سرسید نے ان کی تقلید میں ہندوستان میں ''تہذیب الاخلاق'' رسالہ جاری کیا۔ اس کا مقصد اردو ادب کی ترقی اور مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت کی اصلاح تھا۔ اس میں سرسید خود ہر قسم کے مضامین لکھتے تھے اور اپنے رفیقوں سے بھی لکھواتے تھے۔

''اپنی مدد آپ'' مضمون ''تہذیب الاخلاق'' میں شائع ہوا مضمون ہے، جس کی ابتدا مشہور قول سے کی ہے کہ ''خدا ان کی مدد کرتا ہے۔ جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں''۔ سرسید نے اس قول میں بنیادی باتوں کو نہایت واضح انداز میں بتایا ہے کہ اگر ہر فرد میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ بیدار ہو جائے تو پوری قوم میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ہی قوم ترقی کر سکتی ہے اور اس کے برعکس جو قوم جتنا دوسروں پر بھروسہ کرتی ہے، اتنی ہی بے عزت اور زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

ایشیا کی تمام قومیں یہی خیال کرتی ہیں کہ ان کی ترقی کا دارومدار عمدہ حکومت پر ہے۔ مگر درحقیقت یہ خیال غلط ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ عمدہ گورنمنٹ سے انسان آزادی سے اپنی ترقی کر سکتا ہے۔

پرانے لوگوں کا قول ہے ''النّاسُ علیٰ دینِ مُلُوکِھِم'' یعنی لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں۔ اگر اس سے یہ معنی لئے جائیں کہ رعایا اپنی حکومت کی طرح ہوتی ہے تو یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ رعایا کبھی حکومت کے رنگ میں نہیں رنگی جاتی، بلکہ حکومت عوام کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ کیونکہ حکومت عوام کی ہوتی ہے۔ عوام سے ہوتی ہے۔ اس لئے جیسے خیالات اور تہذیب عوام کی ہوتی ہے، ویسی ہی

گورنمنٹ بھی ہوتی ہے۔کیونکہ وہ تو عوام کا عکس ہوتی ہے۔اگر عوام تہذیب یافتہ ہے تو حکومت بھی ویسی ہی ہوتی ہے۔تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ہندوستان اور انگلستان کا یہی حال ہوا۔سرسید کے خیال میں یہ ایک فطری بات ہے کہ جیسا قوم کا چال چلن ہوتا ہے ،اسی کے موافق قانون بنتے ہیں۔

قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے۔اس لئے قومی اخلاق تب ہی درست ہونگے ،جب ہر انسان کا انفرادی طور پر چال چلن درست ہو۔اگر ملک اور قوم کی ترقی چاہتے ہیں تو ہمیں اصلاح کا عمل خود اپنی ذات سے شروع کرنا ہوگا۔قومی یا انفرادی ترقی کا اصول اپنی مدد آپ کرنا ہے۔قومی انتظام یا قوانین تب ہی کامیاب ہو سکتے ہیں، جب ہر شخص اپنے فرائض خود ادا کرے۔

تاریخ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی موجودہ ترقی کی صورت انسانوں کے نسل دونسل کاموں سے حاصل ہوئی ہے۔ایک نسل نے دوسری نسل کی محنت پر عمارت بنائی اور اس کو معیار تک پہنچایا۔سرسید چاہتے تھے کہ یہ ورثہ جو ہمیں عطا کیا گیا ہے۔اس کو ہم اور ترقی دیں اور ترقی روپ میں آئندہ نسلوں کو عطا کریں۔لیکن صد افسوس ہماری قوم نے اپنے بزرگوں کی جائداد کو بھی گنوادیا۔

انگریز جو دنیا میں ترقی یافتہ قوموں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ان کی ترقی کا سبب یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔تجربات سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شخصی چال چلن میں دوسروں کی زندگی کو متاثر کرنے کی بے پناہ قوت ہوتی ہے اور بے پناہ قوت والی ایسی شخصیات ہی آئندہ نسل کے لئے ایک نظیر بن جاتی ہیں۔

ہر روز کے تجربے سے انسان زندگی کے برتاؤ کا علم سیکھتا ہے۔اس علم کو انگریزی میں ''لائف ایجوکیشن'' کہتے ہیں۔یہ علم انسان کو مدرسوں میں حاصل نہیں ہوتا۔یہ علم انسان کو انسان بناتا ہے۔اپنے فرائض ادا کرنے ،دوسروں کے حقوق کی حفاظت کرنے اور اپنی عاقبت سنوارنا سکھاتا ہے۔لارڈ بیکن کا قول ہے۔''علم سے عمل نہیں آتا۔علم کو عمل میں لانا برتر ہے''۔یعنی علم کو عمل میں لانا ہی انسان کے لئے ضروری ہے۔یہ انسان کو معزز اور قابلِ ادب بنادیتا ہے۔

اس طرح سرسید نے مختلف پرایوں میں اپنا کام خود کرنے کی ترغیب دی ہے۔اپنی مدد آپ کرنے کا جوش ہی ترقی کی بنیاد ہے۔یہی جذبہ قوم کو مضبوط بناتا ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ سرسید احمد خاں کے مضمون ''اپنی مدد آپ'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

۲۔ سرسید کی قومی اور ادبی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

6.6 اکائی کا خلاصہ

سرسید احمد خاں جدید اردو نثر کے معماروں میں سے ہیں۔ان کی قومی ،سماجی ،علمی اور ادبی خدمات اتنی اہم اور اتنی قابلِ ستائش ہیں کہ انھیں اردو کا ''محسنِ اعظم'' کہا جاتا ہے۔سرسید سے قبل اردو نثر میں مبالغہ آمیزی ، بے جا خیال آرائی اور لفظی مینا کاری تھی۔سرسید نے

عام فہم اور سادہ زبان استعمال کی ،مغربی علوم وفنون کے ترجمے کئے اور قوم کو جدید علوم سے روشناس کیا۔اس سلسلہ کی ایک کڑی ''تہذیب الاخلاق'' کا اجرا ہے۔اس میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھے۔''تہذیب الاخلاق'' میں شائع شدہ ایک مضمون ''اپنی مدد آپ'' ہے۔یہ مضمون سرسید کے تعمیری خیالات کا مظہر ہے۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ ان کی مدد کرتا ہے، جو خود کوشش کرتے ہیں۔مشہور قول ہے'' خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں''۔اس قول کے ذریعہ سرسید نے واضح کیا ہے کہ کوئی شخص اپنی ترقی کے لیے کوشش کرتا ہے تو اسے ذاتی ترقی حاصل ہوتی ہے اور جب کسی قوم کے بہت سے افراد مل کر کوشش کریں تو پوری قوم کو ترقی اور طاقت حاصل ہوتی ہے۔اگر کوئی شخص یا کوئی قوم کسی کی مدد قبول کرلے تو پھر اس شخص اور قوم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ اور ترقی کرنے کا جوش ختم ہو جاتا ہے اور وہ قوم بے غیرت اور بے عزت ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد سرسید ایشیا اور یورپ کی قوموں کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یورپ کی قومیں اپنی ترقی کے لئے آپ کوشش کرتی ہیں۔اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ یورپ کی قوموں کی ترقی کا سچّا پیمانہ ہے۔

ایشیا کی قوموں کا یہ حال ہے کہ وہ ہر چیز کے لئے حکومت یا بادشاہ کا منہ دیکھتی ہیں۔حکومت کا اصل کام رعایا کی جان و مال کی حفاظت اور ان کی آزادی کی حفاظت کرنا ہے۔لیکن یہ ممکن نہیں کہ حکومت کے قانون بنا دینے سے رعایا محنتی، کفایت شعار اور نیک ہو جائے۔یہ خیال بھی غلط ہے کہ رعایا حکومت کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔بلکہ جیسی رعایا ہوتی ہے،حکومت بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔مثلاً کسی وحشی قوم پر وہی حکومت کر سکے گا۔جو سخت دل اور ظالم ہو۔مہذب رعایا پر عمدہ حکومت ہوتی ہے۔یعنی حکومت کو بھی نرمی اور تہذیب کا سلوک کرنا پڑتا ہے۔

اس مضمون میں سرسید نے یہ بات بھی واضح کی ہے کہ شخصی چال چلن میں یہ قوت ہے کہ دوسروں کی زندگی، برتاؤ اور چال چلن پر اثر ڈال سکے۔اسی کو عملی تعلیم کہتے ہیں۔یہ زندگی کے برتاؤ کا علم ہے جس کو انگریزی میں ''لائف ایجوکیشن'' کہتے ہیں۔اس کی اہمیت اسکول کی تعلیم سے کہیں زیادہ ہے۔اس تعلیم کو آدمی کتابوں سے یا اسکولوں میں حاصل نہیں کرسکتا۔یہ علم ہر وقت بے سکھائے اور بے شاگرد کئے لوگوں میں صرف اس کے برتاؤ سے پھیل جاتا ہے اور یہ علم وہ علم ہے، جو انسان کو زندگی جینے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔اپنے فرائض ادا کرنے اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے کے لائق بناتا ہے۔

اس مضمون میں سرسید نے اپنا کام خود کرنے کی ترغیب دی ہے۔ان کے نزدیک اپنا کام خود کرنے کا جوش ترقی کی بنیاد ہے اور اگر یہ جوش پوری قوم میں ہو تو یہی قومی ترقی کی جڑ ہے۔انسان جس قدر دوسروں پر بھروسہ کرتا ہے۔اتنا ہی زوال کی طرف بڑھتا ہے۔

سرسید کہتے ہیں،''اے میرے عزیز ہم وطن بھائیو! تم بھی ایک معزز قوم بنو اور ترقی یافتہ قوموں کے شانے بشانے کھڑے ہو جاؤ!''

اس طرح یہ مضمون مقصدی اور اصلاحی ہے۔سرسید نے سادہ زبان اور آسان اسلوبِ بیان سے قوم کی اصلاح اور عمل کا پیغام دیا ہے۔خوابِ غفلت میں سوئی ہوئی قوم کو بیداری کا درس دیا ہے۔دوسروں پر بھروسہ کرنے کے برعکس اپنی قوتِ عمل سے قوم اور ملک کو ترقی دینے کی تلقین کی ہے۔یہ مضمون اعلیٰ اور بہترین مضمون کی صف میں رکھا جا سکتا ہے۔

6.7 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ سرسید نے اپنے مضمون ''اپنی مدد آپ'' میں کیا پیغام دیا ہے؟

۲۔ اپنے کسی پسندیدہ مضمون پر تیس (۳۰) سطروں پر مشتمل ایک مضمون لکھیے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ سرسید کی حیات اور علمی خدمات کا تعارف کروایئے؟

۲۔ سرسید نے اپنے مضمون ''اپنی مدد آپ'' میں انگریز قوم کی ترقی کا سبب کیا بتایا ہے۔؟

6.8 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آزمودہ	آزمایا ہوا	مقولہ	قول، کہاوت
ازخود	اپنے آپ، خود بخود	باہمی	آپس کا، ساتھ کا
بہبودی	فائدہ، بھلائی، بہتری	بیش بہا	قیمتی
قویٰ	قوت	تکمیل	پورا، مکمل
نیچر	فطرت	قدرومنزلت	عزت، مرتبہ
منحصر	موقوف	تنزّل	زوال، گرنا
مجموعہ	جمع کیا ہوا، تمام	معاشرت	کسی کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنا
بیرونی	باہری	نیست ونابود	فنا کر دینا، ختم کر دینا
خیرخواہی	بھلائی چاہنا	معزز	عزت دار
وضع	شکل، بناوٹ	شغل	کام، مشغلہ
اشغال	شَغْل کی جمع، مشغلے	خِضر	ایک پیغمبر کا نام، رہنما
قوانین	قانون کی جمع	اجراء	جاری کرنا، شروع کرنا
نمایش گاہ	وہ جگہ جہاں نمایش لگائی جائے	دست کاری	ہنر، کاریگری، ہاتھ سے کیا ہوا کام
خیرخواہ	بھلائی چاہنے والا	توقع	امید، بھروسہ
بہتری	بھلائی، نیکی، خوبی، فائدہ	استقلال	مضبوطی، مستقل مزاجی
مانند	جیسا، طرح، مطابق	اگلی پشتوں	آگے کی نسلوں
نسل درنسل	ایک نسل سے دوسری نسل میں، پشت در پشت	مستقل مزاجی	جس کے مزاج میں مضبوطی ہو

ایجاد	نئی بات پیدا کرنا، تلاش کرنا	مخفی	چھپا ہوا، پوشیدہ
آلات	آلہ کی جمع، اوزار	جرِثقیل	بھاری بوجھ اٹھانے کا آلہ
منتظموں	انتظام کرنے والے	شائستگی	اچھے اخلاق
معمار	عمارت بنانے والا	زرخیز	سونا اگلنے والی زمین، سرسبز زمین
بے بہا	انمول	جائداد	مال، دولت
وارث	مرنے والے انسان کی دولت کا جائز حق دار	پُرکھوں	بزرگوں
مہیا کرنا	حاضر کرنا	مِثل	طرح، مانند
مارِسرگنج	وہ سانپ جو خزانہ پر بیٹھا ہو، مالدار کنجوس	صد	سو
کارزار	لڑائی، جنگ	سپہ سالاروں	سپہ سالار کی جمع، کمانڈر ان چیف
فتوحات	فتح کی جمع، جیت	شجاعت	بہادری
مورخوں	تاریخ لکھنے والے، مورّخ کی جمع	خفیہ خفیہ	چھپا ہوا، پوشیدہ
عمدہ نظیر	اچھی مثال	مکتب	مدرسہ، اسکول
مدرستہ العلوم	کالج	کتب خانہ	لائبریری، کتابوں کی دوکان
صرافہ	سونے چاندی پرکھنے والا، مہاجن	نفس کشی	خواہشات کو مارنا، پاکدامنی
بدنظمی	برا انتظام	حقوق	حق کی جمع
عاقبت	آخرت،، انجام	تحصیل	حاصل کرنا
مشاہدہ	دیکھنا	سوانح عمری	حالاتِ زندگی
بہ نسبت	مقابلے		

6.9 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ تاریخِ ادب اردو — پروفیسر نورالحسن نقوی

۲۔ تاریخِ ادب اردو — پروفیسر اعجاز حسین

۳۔ مضامینِ سرسید — سرسید احمد خاں

☆☆☆

اکائی 7

سرسیّد کی راست بازی (مضمون) حالؔی

اکائی کے اہم اجزا:

7.1 اغراض ومقاصد

7.2 تمہید

7.3 خواجہ الطاف حسین حالؔی۔تعارف

7.4 ''سرسید کی راستبازی'' : متن

7.5 متن کی تشریح

7.6 اکائی کا خلاصہ

7.7 نمونے کے امتحانی سوالات

7.8 فرہنگ

7.9 سفارش کردہ کتابیں

7.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ مضمون نگار کا سرسری طور پر تعارف کرواسکیں۔

☆ حالی کے مضمون ''سرسید کی راست بازی'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کرسکیں۔

☆ صنف مضمون کی روشنی میں ''سرسید کی راست بازی'' کا جائزہ لےسکیں۔

7.2 تمہید

اس اکائی میں اردو ادب کے مشہور مصنف مولانا حالؔی کا تعارف کرواتے ہوئے ان کے ایک مضمون ''سرسید کی راستبازی'' کو توضیح و تشریح کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

7.3 خواجہ الطاف حسین حالؔی : تعارف

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالؔی ۱۸۳۷ء میں پانی پت کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔والد کے انتقال کے وقت حالؔی کی عمر صرف نو (۹) برس تھی۔قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔مزید تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں دہلی چلے آئے۔ یہاں مرزا غالبؔ کی صحبت سے فیض اُٹھایا۔ بعد میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے وابستہ ہوگئے۔اس زمانے میں نواب صاحب کا شمار دہلی کے نامور رئیسوں میں بھی ہوتا تھا اور بہت اچھے شعراء میں بھی۔ یہاں تک کہ غالبؔ بھی شیفتہؔ کی سخن فہمی کے قائل تھے۔ شیفتہؔ کو مبالغہ آرائی سے نفرت تھی۔حالؔی نے آٹھ برس شیفتہؔ کی صحبت میں گزارے اور یہیں سے وہ سادگی اور اصلیت کی طرف مائل ہوئے۔

شیفتہ کی وفات کے بعد مولانا حالی لاہور چلے گئے، وہاں اُن کی ملاقات مولانا محمد حسین آزاد سے ہوئی اور ان مشاعروں میں شرکت کرنے لگے، جن کی بنیاد مولانا آزاد ڈال چکے تھے۔ ان مشاعروں کے لئے حالی نے بہت عمدہ نظمیں لکھیں۔

حالی نے اپنی شاعری کا آغاز غزل سے کیا اور بہت دلکش غزلیں لکھیں۔ لیکن جب انہیں احساس ہوا کہ ملک اور قوم کو با مقصد شاعری کی ضرورت ہے تو اُس طرف متوجہ ہو گئے۔

'برکھا رُت'، 'اُمید'، 'انصاف' اور 'حبِ وطن' جیسی نظمیں یہیں لکھی گئیں۔ 'مسدس مدّ و جزرِ اسلام' کے علاوہ 'چپ کی داد' اور 'مناجاتِ بیوہ' ان کی بہت مقبول نظمیں ہیں۔

نظموں کی زبان بہت سادہ اور سہل ہے۔ 'مناجاتِ بیوہ' کی زبان گاندھی جی کو بہت پسند تھی وہ کہا کرتے تھے کہ ''اس دیس کی کوئی مشترک زبان ہو سکتی ہے تو وہ 'مناجاتِ بیوہ' کی زبان ہے''۔

لاہور کی آب و ہوا حالی کو راس نہیں آئی اور طبیعت بگڑنے لگی تو چار سال قیام کے بعد حالی واپس دہلی لوٹ آئے۔ یہاں ان کی ملاقات سرسید سے ہوئی۔ یہیں سے ان کے خیالات میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوا۔ سرسید کی فرمائش پر ہی حالی نے نظم 'مسدس مدّ و جزر اسلام' لکھی۔ اس نظم میں اسلام کے عروج و زوال کی داستان اس طرح بیان ہوئی ہے کہ سرسید اس نظم کو اپنی بخشش کا ذریعہ مانتے تھے۔

حالی سرسید کی اصلاحی تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ اس لئے ان کا کوئی بھی کام مقصدیت سے خالی نہ تھا۔ اُس وقت سب سے اہم کام قوم میں شکست خوردگی اور احساسِ کمتری کو دور کرنا تھا۔ لہٰذا حالی نے قوم کے نامور لوگوں کی سوانح قوم کے سامنے پیش کیں۔ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے نثر میں حیاتِ سعدی (شیخ شرف الدین سعدی)، یادگارِ غالب (مرزا اسد اللہ خاں غالب) اور حیاتِ جاوید (سرسید احمد خاں) لکھیں۔

ان حضرات کے حالات قلم بند کرنے کا مقصد خود حالی کے لفظوں میں :

''بائیوگرافی ان بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے جنہوں نے اپنی نمایاں کوششوں سے دنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائیں''۔

اس کے علاوہ انہوں نے اپنے مجموعہ نظم کا پیش لفظ ''مقدمۂ شعر و شاعری'' لکھ کر اردو میں باضابطہ تنقید کی بنیاد ڈالی۔ حالی کا انتقال ۱۹۱۴ء میں دہلی میں ہوا۔

7.4 سرسیّد کی راست بازی (متن)

(۱) اولاً راستبازی اور وہ تمام اوصاف جو ایک راستباز آدمی میں ہونا ضرور ہیں جیسے مودت، حمیت، دلیری اور آزادی وغیرہ۔ اس شخص کی خصوصیات میں سے تھے کسی حکیم کا قول ہے کہ ''اگر سچائی کسی مجسم شکل میں ظاہر ہوتی تو ضرور شیر کی صورت میں ظاہر ہوتی'' اس قول کی تصدیق جیسی سرسید کو دیکھ کر ہوتی تھی شاید ہی کسی دوسری صورت سے ہوتی ہو۔ انہوں نے محض اپنی راست بازی کی بدولت ایک عالم کو اپنا مخالف بنایا مگر جس بات کو سچ جانا اس کو کہنے میں کبھی تامّل نہیں کیا جس بات پر دل سے یقین کر لیا اسی کے موافق کہا اور ویسا ہی کیا۔ جس بات میں ملک یا قوم کی بھلائی سمجھی اس کے کہنے اور کرنے میں کسی کی مخالفت کی کچھ پروا نہیں کی۔ یہ ممکن ہے کہ سرسید سے کسی بات کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہو، مگر جہاں تک کہ ان کی طبیعت اور جبلّت کا اندازہ ہو سکتا تھا یہ بات نہایت مستبعد ہوتی تھی کہ انہوں نے اپنے کانشنس کے خلاف کوئی کام کیا ہو۔

(۲) وہ جب کوئی بات کسی اپنے دوست سے سچائی کے خلاف سرزد ہوتی دیکھتے تھے تو ان کو نہایت رنج ہوتا تھا اور اکثر وہ اس کو متنبہ کئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ان کا ایک دوست جو اخبار کا اڈیٹر تھا، اس کے اخبار میں چند خط ایک عورت کے نام سے چھپے تھے، جب وہ پرچہ سرسید کی نظر سے گزرا تو انہوں نے اس کو لکھا کہ ''کیا آپ کو یقینِ دلی ہے کہ وہ خط درحقیقت کسی عورت کے لکھے ہوئے ہیں؟ اگر ایسا یقین نہیں ہے تو کیا یہ کانشنس کے برخلاف نہیں ہے کہ جس بات کو تم صحیح نہیں سمجھتے اس کو بطور سچ کے ظاہر کرو؟ میری نصیحت یہ ہے کہ ہر ایک کام میں تم اپنے دل کو ٹٹولو کہ جو کچھ تم کہتے ہو یا کرتے ہو آپ کا دل اس کو سچ جانتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جانتا اور اس کو سچ کے طور پر بیان کیا تو خلاف کانشنس بلکہ خلاف ایمان داری کے کام کیا۔آپ مجھ کو معاف کیجئے گا، بہ سبب اس کے کہ آپ سے محبت ہے یہ کڑوی نصیحت کی ہے''۔

(۳) جب ان کے اڈیٹر دوست نے اس نصیحت کا شکریہ لکھا تو اس کا جواب انہوں نے اس طرح لکھا ''میں اس خیال سے کہ آپ میری کسی تحریر کا بُرا نہ مانیں گے، جو میرے دل میں آتا ہے لکھ بھیجتا ہوں، خصوصاً اپنے خاص دوستوں کی نسبت میری خواہش ہے کہ ہر اخلاق میں وہ اعلیٰ درجہ پر ہوں اور سب اخلاق سے مقدم سچائی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنے آپ کو سچا جانیں اور یہ سچائی جیسی کہ قول سے متعلق ہے ویسی ہی فعل سے بھی متعلق ہے، ایسی ہی پرائیوٹ خطوط سے اور ایسی ہی اخبار سے ہے''

(۴) ان کے ایک نہایت عزیز اور خالص دوست کو ایک زمانہ میں ایسے افسر سے سابقہ پڑا تھا جو نماز پڑھنے پر تعرض کرتا تھا اور اس امر کی اطلاع انہوں نے سرسید کو بھی کی تھی۔ان کو اسی باب میں سید صاحب لکھتے ہیں ''بھائی... کل میں سارے دن متردّد رہا، کیوں کہ کوئی خط نہیں آیا تھا۔آج خط آیا اور حال معلوم ہوا۔گو میں کسی وقت کی نماز پڑھتا ہوں اور کسی وقت کی نہیں پڑھتا اور وقت بے وقت کا بھی خیال نہیں کرتا، دو دو اکٹھی بھی ملا کر پڑھ لیتا ہوں، ریل میں جتنا سفر ہو مجھ سے ادا نہیں ہوسکتی، یہ سب باتیں مجھ میں ہیں، اور نالائقی اور شامت اعمال سے ایسی سُستی نماز میں ہے، مگر تم نے اس معاملہ میں جو پیش آیا، نہایت لچر پنا کیا۔نماز جو خدا کا فرض ہے اس کو ہم اپنی شامتِ اعمال سے جس خرابی سے ہو، ادا کریں یا قضا کریں۔لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نماز نہ پڑھو اس کا صبر ایک لمحہ بھی نہیں ہوسکتا، یہ بات سُنی بھی نہیں جاسکتی۔میری سمجھ میں نماز نہ پڑھنا صرف گناہ ہے جس کے بخشے جانے کی توقع ہے اور کسی شخص کے منع کرنے سے نہ پڑھنا یا سُستی میں ڈالنا میری سمجھ میں کفر ہے جو کبھی بخشا نہ جائیگا۔

تم کو یا تو پہلے ہی خود اپنی شامتِ اعمال سے ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا جو کبھی اس قسم کی بحث نہ آتی اور جب ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا تھا تو پھر لجلجانا اور گڑگڑانا، اور حضور رخصت ہی دیں، تنخواہ کاٹ لیں، کہنا واہیات تھا، تڑاق سانی استعفا دے دینا تھا، صاف کہہ دینا تھا کہ میں اپنے خدائے عظیم الشان قادر مطلق کے حکم کی اطاعت کروں گا نہ کہ آپ کی، کیا ہوتا؟ نوکری نہ میسّر نہ ہوتی، فاقے مرجاتے نہایت اچھا ہوتا۔والسلام''

(۵) سرسید نے ایک موقع پر دلّی کے ایک نہایت مقدّس عالم سے جو اپنے شاگردوں اور معتقدوں کو رفع یدین کی تاکید کرتے تھے مگر خود کبھی ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے، کہا کہ ''حضرت نہایت تعجب کی بات ہے کہ آپ باوجود مقتدائے دین ہونے کے صرف طعن و ملامت کے خوف سے جس بات کو دل سے حق جانتے ہیں اس کے موافق کبھی عمل نہیں کرتے۔ہم ہزاروں گناہ کرتے ہیں اور

دنیا کے مکروہات میں پھنسے ہوئے ہیں۔مگر جو بات حق معلوم ہوتی ہے اس کے کرنے میں ایک لحہ توقّف نہیں کرتے اور لوگوں کے طعن وملامت سے نہیں ڈرتے'' سرسیّد کے کہنے کا اُن کو ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے اسی روز جامع مسجد میں جا کر علی الاعلان رفع یدین کیا، لیکن معلوم نہیں کہ وہ ہمیشہ اُس پر قائم رہے یا نہیں۔

(۶) اس شخص نے اگر سچ پوچھیے تو اپنی آزادانہ تحریروں سے اُردو لٹریچر میں سچائی اور آزادی کی بنیاد ڈال دی۔اس نے لوگوں کو مجبور کیا کہ سچ بات کے کہنے میں کسی کی طعن وملامت سے نہ ڈریں''۔تہذیب الاخلاق'' کے جاری ہونے سے پہلے جو لوگ عام رائے کے خلاف کوئی بات کسی اخبار میں لکھنا چاہتے تھے، اُس میں کبھی اپنا نام ظاہر نہ کرتے تھے۔اُس نے ''تہذیب الاخلاق'' میں مضمون لکھنے کی یہ شرط قرار دی کہ جو لوگ ٹٹّی کی اوجھل شکار کھیلنا اور اپنا نام پبلک پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے ان کا کوئی مضمون اس میں درج نہ ہوگا۔چنانچہ رفتہ رفتہ لوگوں کی جھجک نکلنی شروع ہوئی۔یہاں تک کہ ہر شخص اپنے نام سے کُھلّم کُھلّا اپنے خیالات ظاہر کرنے لگا اور بڑے بڑے لائق اور ذی علم اور دین دار لوگ صدہا مضمون عام رائے کے برخلاف اپنے نام سے شائع کرنے لگے۔

(۷) بعضے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سرسید نے جو قرآن کی تفسیر میں اکثر آیات کے معنی جمہور کے خلاف بیان کیے ہیں اس پر ان کو خود یقین نہیں ہے بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ قرآن پر سائنس کی رو سے کوئی اعتراض وارد نہ ہو۔یہ حال سرسید کو بھی معلوم ہوا، انھوں نے نہایت جوش میں آ کر کہا کہ :

''اگر دین اسلام کے حق ہونے میں مجھے ذرّہ برابر بھی شک ہوتا تو میں فوراً اسلام کو ترک کر دیتا۔''

سرسید مہدی علی خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

''میں سچ اپنے دل کا حال لکھتا ہوں، اگر خدا مجھکو ہدایت نہ کرتا اور تقلید کی گمراہی سے نہ نکالتا اور میں خود تحقیقات حقیقت اسلام پر متوجہ نہ ہوتا تو یقینی مذہب کو چھوڑ دیتا''۔

(۸) اس نے اپنی راستی اور صاف گوئی سے صرف اُن مسلمانوں ہی کو مخالف نہیں بنایا جو پُرانے خیالات رکھتے تھے اور جن سے کسی موافقت کی امید نہ تھی بلکہ جو بات اس کو حق معلوم ہوئی اس کے کہنے میں کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا کہ دنیا میں کوئی دوسرا شخص بھی اس بات میں میرے ساتھ اتفاق کرنے والا ہے یا نہیں نیشنل کانگریس کے خلاف لکچر دینے سے پہلے تمام تعلیم یافتہ ہندو بنگالہ سے کشمیر تک سرسید کو ملک کا سچا خیر خواہ جانتے تھے، ان کی نہایت تعریف کرتے تھے، مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ ان کی قدر کرتے تھے، اخباروں میں ان کی نسبت مدحیّہ ارٹکل چھاپتے تھے، اپنی قومی مجلسوں کی طرف سے ان کے سامنے ایڈریس پیش کرتے تھے پبلک اسپیچوں میں ان کا ذکر خیر کرتے تھے، سرسید کو معلوم تھا کہ کانگریس کے خلاف ایک حرف بھی کہا تو کم سے کم تعلیم یافتہ ہندو قاطبۃً مخالف ہو جائیں گے۔مگر جب ان کو پختہ یقین ہو گیا کہ کانگریس کی اکثر خواہشیں ناممکن الوقوع اور خاص کر مسلمانوں کے حق میں مضر ہیں اور مسلمانوں کا اس میں شریک ہونا پولٹکل خطرات کا باعث ہوگا۔سرسید نے نہایت زور شور سے مسلمانوں کو اس کی شرکت سے روکا اور کانگریشین گروہ کی ناراضی کا کچھ خیال نہ کیا۔

بنگالیوں نے سرسید کو خود غرض اور اینگلو انڈینز کا خوشامدی اور ٹائم سرور سب کچھ کہا، صدہا آرٹکل بنگالی اخباروں میں ان کے خلاف چھپ گئے، کے۔سی۔ایس۔آئی کا خطاب جو حضور ملکۂ معظمۂ قیصر ہند نے ان کو عنایت فرمایا اس کو بنگالیوں نے کانگریس کی مخالفت

کرنے کا صلہ قرار دیا۔ مسٹر ہیوم جو سرسید کے دوست تھے وہ ان سے سخت بدگمان ہو گئے، بعضے ایجوکیٹڈ مسلمان بھی ان کی طرف سے کھٹک گئے، مگر سرسید نے کسی بات کی کچھ پروا نہیں کی، اور جہاں تک ممکن تھا مسلمانوں کو کانگریس میں شریک ہونے نہیں دیا۔

(۹) سرسید کو کوئی بات اس سے زیادہ شاق نہیں گزرتی تھی کہ ان پر راستبازی کے خلاف کوئی الزام لگایا جائے کیوں کہ یہ شخص فی الواقع راستبازی کو اپنا دین و ایمان سمجھتا تھا۔

7.5 متن کی تشریح

مضمون ''سرسید کی راستبازی''، سرسید کی سوانح عمری ''حیات جاوید'' میں سے ماخوذ ہے۔ 'حیات جاوید' کے مصنف مولانا الطاف حسین حالؔی ہیں۔ حالؔی نے 'حیات جاوید' میں سرسید کے متعدد اوصاف کا ذکر کیا ہے اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں سرسید کی راستبازی کے متعلق حالؔی نے جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا ذکر کریں گے۔

(۱) مضمون کا آغاز کرتے ہوئے حالؔی فرماتے ہیں: سچ بولنا انسان کی بہت بڑی خوبی ہے اور جو شخص سچا ہوتا ہے وہ دلیر، بہادر اور نڈر ہوتا ہے۔ یہ خصوصیات سرسید احمد خاں کے کردار میں بخوبی نظر آتی ہے۔ سرسید ہمیشہ سچ بولتے اور جھوٹ سے نفرت کرتے تھے۔ ان کی راستبازی کی وجہ سے کئی دوست مخالف بھی ہو گئے، لیکن وہ اس بات سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوئے ان کا ماننا تھا کہ دوست اگر دشمن بھی بن جائیں تو کوئی بات نہیں لیکن وہ جھوٹ ہرگز نہیں بولیں گے۔ سرسید جس بات کو سچ سمجھتے تھے بلا تامّل کہہ دیتے تھے۔ یہ سوچ کر وہ کبھی خاموش نہیں رہے کہ لوگ ان کی بات کو پسند نہیں کریں گے۔ یہ ان کے بہادر ہونے کا ثبوت ہے۔

(۲) یہی نہیں سرسید جب بھی کبھی یہ محسوس کرتے کہ ان کا کوئی دوست ایسا کام کر رہا ہے، جو سچ کے خلاف ہے تو بہت پریشان ہو جاتے۔ دوسروں کا جھوٹ بولنا بھی انہیں سخت ناگوار گزرتا۔ اس سلسلے میں حالؔی سرسید کے ایک ایڈیٹر دوست کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سرسید کے دوست نے اپنے اخبار میں چند خطوط عورت کے نام سے چھاپ دئے۔ یہ پرچہ جب سرسید نے دیکھا تو حقیقت سمجھ گئے اور فوراً دوست کو نصیحت کی کہ انہیں ایسا کچھ نہیں کرنا چاہیئے، جو سچ کے خلاف ہو۔ سرسید کی نصیحت سے دوست نادم ہوئے، معافی مانگی اور ان کا شکریہ بھی ادا کیا۔

(۳) ایڈیٹر دوست کا معافی نامہ جب سرسید کو ملا تو سرسید نے جواب دیا اور لکھا کہ مجھے معلوم تھا کہ آپ میری تحریر کا برا نہ مانیں گے... مجھے جو غلط لگتا ہے اس کا ذکر میں اپنے دوستوں سے کر دیتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ میرے دوست بھی اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہوں اور اخلاق بہتر تبھی ہو سکتا ہے جب ہم سچ پر قائم رہیں اور جو کہیں وہی کریں۔ قول اور فعل (کہنے اور کرنے) میں قطعی فرق نہ ہو۔

(۴) سرسید کے ایک نہایت عزیز دوست کو ملازمت کے دوران ایک ایسے انگریز افسر سے سابقہ پڑا جو نماز پڑھنے پر اعتراض کرتا تھا اور نماز ادا کرنے سے منع کرتا تھا دوست نے اپنی اس پریشانی کی روداد سرسید کو لکھی۔

سرسید نے خط کا جواب دیتے ہوئے بڑی صاف گوئی سے پہلے خود اپنے بارے میں لکھا کہ جہاں تک نماز کا تعلق ہے میں بھی پابندی سے ادا نہیں کر پاتا ہوں کبھی مصروفیت کی وجہ سے وقت کا خیال نہیں رہتا، کبھی دو دو نمازیں بھی ایک ساتھ ادا کر لیتا ہوں اور جب سفر میں ہوتا ہوں تو مجھ سے نماز ادا ہوتی ہی نہیں ہے۔ نماز کے معاملے میں اپنی سستی کو نالائقی بھی کہتے ہیں کیونکہ نماز فرض ہے اور اگر ہم باقاعدگی کے ساتھ ادا نہیں کرتے یا قضا کرتے ہیں تو ہم گنہگار ہیں۔

آگے فرماتے ہیں... لیکن اگر مجھ سے کوئی اور شخص نماز نہ پڑھنے کو کہے تو یہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کرسکتا، بے شک نماز نہ پڑھنا گناہ ہے اور اس گناہ کے بخشے جانے کی اُمید ہے۔ لیکن کسی اور کے منع کرنے پر نماز ادا نہ کرنا کفر ہے۔ جس کے بخشے جانے کی کوئی امید نہیں ہے۔ بڑی ناراضی کے ساتھ دوست کو خط میں آگے لکھتے ہیں کہ آپ کو ایسا موقع نہیں آنے دینا چاہیئے تھا کہ افسر منع کرتا اور جب ایسا موقع آ گیا تو آپ جس طرح افسر کے سامنے گڑگڑائے یہ بات مجھے قطعی پسند نہیں آئی۔ آپ کو فوراً استعفاٰ دے دینا چاہیئے تھا اور کہہ دینا چاہیئے تھا کہ میں صرف خدا کی اطاعت کروں گا۔ آپ کی نوکری ہی تو جاتی، فاقے تو نہیں مرتے۔ سرسید کو نماز کی توہین بے حد ناگوار گزری اور غصّے سے خط ختم کر دیا۔

(۵) حالؔی نے سرسید کے ایک اور عالم دوست کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو رفع یدین کی تاکید کرتے تھے، لیکن خود کبھی ہاتھ نہیں اُٹھاتے سرسید کو اپنے دوست کا یہ دوطرفہ انداز اچھا نہیں لگا اور بڑی بے باکی سے انہوں نے دوست سے کہہ دیا کہ جو کام آپ دوسروں کو کرنے کے لئے کہتے ہیں خود کیوں نہیں کرتے۔ اگر ہم کسی بات کو سچ مانتے ہیں اور دوسرں سے کہتے بھی ہیں تو خود اس پر عمل کرنے میں ڈرتے کیوں ہیں۔ لوگ چاہے جو کہیں۔ ہمیں ان کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے۔ سرسید کی بات کا عالم پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے اسی روز مسجد میں جا کر سب کے سامنے رفع یدین کا اعلان کر دیا۔

(۶) زندگی کے ہر شعبہ کی طرح سرسید نے اردو لٹریچر میں بھی آزادی اور سچائی کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے لوگوں کو حوصلہ دیا کہ سچ کو دلیری کے ساتھ سب کے سامنے پیش کریں۔ حالؔی نے مثال کے ذریعہ واضح کیا کہ رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' نکلنے سے پہلے کچھ حضرات عوام مخالف رائے اخبار میں دیتے وقت اپنا نام نہیں دیتے تھے۔ لیکن ''تہذیب الاخلاق'' کے لئے سرسید نے یہ شرط عائد کر دی کہ اگر کوئی مضمون بغیر نام کے آئے گا تو اسے شائع نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا لوگوں نے کھلم کھلا اپنے خیالات کا اظہار نام کے ساتھ کرنا شروع کر دیا۔

(۷) بعض حضرات نے سرسید پر الزام لگانے کی بھی کوشش کی اور کہا کہ سرسید نے قرآن کی تفسیر میں اکثر آیات کے معنی جمہور کے خلاف بیان کئے ہیں۔ اس پر خود انہیں یقین نہیں ہے۔ سرسید کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے بڑے جوش سے کہا کہ اگر دین اسلام کے سچ ہونے میں مجھے ذرّہ برابر بھی شک ہوتا تو میں فوراً اسلام ترک کر دیتا۔

(۸) سرسید کی راستبازی اور صاف گوئی کے سبب بہت سے مسلمان اور ہندو ان کے مخالف ہو گئے تھے۔ سچ کہتے ہوئے وہ کبھی اس بات کا خیال نہیں کرتے تھے کہ دوسرے لوگ ان کی بات سے اتفاق کریں گے یا نہیں ، اگر اتفاق کرتے ہیں تو بہت اچھا، نہیں کرتے تو کوئی بات نہیں۔ انہیں تو صرف سچ کہنا ہے۔

ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حالؔی نے لکھا کہ سرسید نے ایک مرتبہ نیشنل کانگریس کے خلاف لکچر دیا۔ اس لکچر سے پہلے پورے ملک کے لوگ سرسید کو ہندوستان کا خیر خواہ مانتے تھے۔ اور ان کی تعریف کرتے تھے۔ سرسید کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر انہوں نے کانگریس کے خلاف کچھ کہا تو لوگ ان کے خلاف ہو جائیں گے۔ لیکن جب انہوں نے محسوس کیا کہ کانگریس مسلمانوں کے حق میں نہیں ہے تو انہوں نے مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت سے روکا یہ بات کانگریشین گروہ کو بہت ناگوار گزری اور بہت سے لوگ ان سے بدگمان ہو گئے۔ انہیں اینگلو انڈیز کا خوشامدی بھی کہا لیکن انہوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی۔

(۹) سرسید نے پوری زندگی راستبازی کے ساتھ گزاری اپنے قول وفعل میں کبھی فرق نہیں کیا، انہیں یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ کوئی انہیں جھوٹا کہہ دے، کیونکہ وہ راستبازی کو اپنا دین وایمان سمجھتے تھے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ حالؔی کے مضمون 'سرسید کی راستبازی' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۲۔ سرسید کی ان صفات کا عمومی جائزہ پیش کیجئے جن سے حالؔی بہت متاثر تھے۔

7.6 اکائی کا خلاصہ

خواجہ الطاف حسین حالؔی اردو کے ایک عظیم شاعر، بہترین انشا پرداز، بے مثال سوانح نگار تھے۔ حالی نے ادب کی دوسری اصناف کے ساتھ ساتھ سوانح نگاری کے فن کو نئی بلندیوں تک پہنچایا۔ 'حیاتِ جاوید' سرسید کی سوانح عمری ہے۔ جس میں حالؔی نے سرسید احمد خاں کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ قومی وملکی خدمات ہوں یا پولیٹکل خدمات، مذہبی خدمات ہوں یا ادبی خدمات ان کی ولادت، تعلیم، ملازمت اور اخلاق وعادات، ہر گوشے کو ایمانداری سے پیش کیا ہے۔

حالؔی سرسید احمد خاں کی اصلاحی تحریک سے بہت متاثر تھے۔ سرسید کا ہر کام قوم کی بھلائی کے لیے ہوتا تھا۔ وہ قوم کے لئے سوتے اور قوم کے لئے جاگتے اور قوم کو بیدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ حالؔی کو بھی سرسید کی طرح اپنی قوم سے ہمدردی تھی۔ حالؔی نے محسوس کیا کہ قوم میں تعلیم کی کمی ہے۔ اس لئے قوم احساسِ کمتری کی شکار ہے۔ لہٰذا حالؔی نے قوم کے نامور بزرگوں کی سوانح حیات 'حیات سعدی'، 'یادگارِ غالبؔ' اور 'حیاتِ جاوید' لکھ کر قوم کو بیش قیمت تحفہ دیا۔

زیرِ نظر مضمون 'سرسید کی راستبازی' اسی اصلاحی تحریک کا ایک حصہ ہے۔ اس مضمون کے ذریعہ حالی نے سرسید کی مثال پیش کرتے ہوئے قوم کو سچ پر قائم رہنے کا پیغام دیا ہے۔ زندگی کے مختلف مراحل میں نشیب وفراز آتے ہیں اور کبھی کبھی ہم سے مایوسی یا مجبوری میں سچ کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ لیکن حالؔی نے سرسید کی زندگی کے مختلف واقعات کا ذکر کرتے ہوئے ہر حال میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے اور بتایا کہ ہر انسان کا یہ اولین فریضہ ہے کہ اس کے خیالات، الفاظ اور اعمال میں صداقت ہونا چاہیئے۔ خدائے تعالی کو بھی صداقت پسند ہے۔ راستبازی کا تعلق اخلاق اور مذہب سے ہی نہیں بلکہ عملی زندگی سے بھی ہے۔ ایک راستباز انسان اپنے قول اور فعل سے مثال قائم کر کے دوسروں کے دلوں میں بھی سچ کا شوق پیدا کر دیتا ہے۔ حالؔی اپنے اس مضمون کے ذریعہ یہی چاہتے ہیں۔

حالؔی کہتے ہیں کہ سرسید کے مزاج میں جہاں بہت سی خوبیاں اور کمالات موجود تھے، وہیں ایک بہت بڑی خوبی تھی ان کی راستبازی۔ کسی حکیم کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'اگر سچائی کی مجسم شکل ظاہر ہوتی تو ضرور شیر کی صورت میں ظاہر ہوتی' یعنی بہت بہادر، نڈر، بے خوف اور دلیر اور سرسید احمد خاں میں یہ تمام اوصاف موجود تھے۔ سرسید بہت نڈر تھے۔ وہ جس بات کو صحیح سمجھتے فوراً قبول کر لیتے۔ جس کام کو ملک اور قوم کے لئے بہتر سمجھتے اسے کرنے میں قطعی تامّل نہیں کرتے تھے، نہ ہی کبھی اس بات سے خوفزدہ ہوتے کہ لوگ کیا کہیں گے؟۔

مخالفت کی انہوں نے کبھی پرواہ نہیں کی اور نہ ہی اپنی راستی کے راستے میں اُسے رُکاوٹ سمجھا، حالانکہ سرسید کو جہاں بے حد عزت وشہرت ملی اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا وہیں اُن کی مخالفت اور دشمنی کی آوازیں بھی بُلند ہوئیں۔ لیکن سرسید نے جس بات کو جیسا سمجھا ویسا ہی کہا اور ویسا ہی کیا۔

قول وفعل میں (کہنے اور کرنے میں) نہ کبھی خود فرق کیا اور نہ اپنے دوستوں کو کرنے دیا۔ اگر کبھی انہیں محسوس ہوا کہ اُن کے دوست جھوٹ کی راہ پر چل رہے ہیں تو فوراً روک دیا، اسی سلسلے میں حالؔی سرسید کے ایک دوست کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ سرسید کے ایک دوست نے اپنے اخبار کو مقبول بنانے کے لئے کچھ خطوط عورت کے نام سے شائع کر دئے، یہ بات سرسید کو نا گوار گزری اور دوست کو بڑی بے باکی سے ایسا نہ کرنے کی صلاح دی۔ ان کا کہنا تھا کہ ہر کام پوری ایمانداری سے ہونا چاہیئے، کیونکہ سچائی، ایمانداری اور اعلیٰ اخلاق ترقی کا ضامن ہے اور سرسید کے دوست کا خلوص دیکھئے کہ اُنہوں نے نہ صرف اپنی غلطی کا اعتراف کیا، بلکہ سرسید کا شکریہ بھی ادا کیا کہ اُن کی وجہ سے وہ غلط کام کرنے سے بچ گئے۔

حالؔی آگے لکھتے ہیں کہ سچائی صاف گوئی اور مذہب سے عقیدت میں سرسید کا کوئی ثانی نہیں۔ ایک خط کے جواب میں جس طرح وہ اپنی کمزوری کا ذکر کرتے ہیں، ایسا اور کوئی ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ نماز کے متعلق بڑی صاف گوئی سے کہہ دیتے ہیں کہ بے شک میں بھی نماز کا بہت زیادہ پابند نہیں ہوں خود کو سست اور نااہل بھی قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس بات پر بھی غصے کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کوئی اور شخص ہمیں نماز ادا کرنے سے منع کرے تو اُس کی بات قطعی برداشت نہیں کرنا چاہیئے۔ ایسے موقع پر بلا خوف و تردّد فوراً کہہ دینا چاہیئے کہ مجھے آپ کی بات ہرگز منظور نہیں بھلے ہی نوکری خطرے میں پڑے۔ خدائے عظیم الشان کی اطاعت ضروری ہے نہ کہ کسی اور کی۔ سرسید نے ہمیشہ وہی کیا، جس کے صحیح ہونے کی گواہی اُن کے دل نے دی انہوں نے لوگوں کے طعن و تشنیع کے خوف سے کبھی کسی بات کو پوشیدہ نہیں رکھا اور ایسا ہی اُنہوں نے اپنے احباب سے چاہا۔ سرسید کو بڑا تعجب ہوا جب اُنہوں نے دہلی کے ایک عالم کو اپنے شاگردوں سے رفع یدین کی تاکید کی لیکن خود نے لوگوں کے لعن طعن کے ڈر سے رفع یدین نہیں کیا۔ سرسید نے عالم صاحب کو قول و فعل کے اس فرق کو ختم کرنے کی تاکید کی۔ سرسید کی بات کا عالم پر ایسا اثر ہوا کہ اُنہوں نے بھی وہی کرنا شروع کر دیا، جو وہ اپنے شاگردوں سے چاہتے تھے۔ سرسید نے قوم کی بیداری اور اصلاح کے لئے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا، جس میں وہ خود بھی مضامین لکھا کرتے تھے اور اپنے احباب سے بھی لکھوایا کرتے تھے۔ اس رسالے کی تحریروں سے اُردو لٹریچر میں سچائی اور آزادی کی بنیاد رکھی گئی۔ اُس وقت کچھ حضرات ایسے تھے جو لوگوں کی عالم رائے کے خلاف اپنی بات اخباروں میں شائع کرواتے تھے، لیکن نام ظاہر نہیں کرتے تھے۔ سرسید نے اپنے رسالے میں مضمون کے لئے یہ شرط عائد کر دی کہ وہی مضمون شائع کیا جائے گا، جس میں مضمون نگار کا نام ہوگا۔ اس کے بعد مضمون نگار حضرات نے اپنے نام دینا شروع کر دیا۔ مذہبی معاملات میں بھی سرسید اسی طرح ثابت قدم رہے۔ لوگوں کے الزامات کے جواب بڑی دلیری سے دیتے رہے۔ حالؔی نے ایک اور بہت ہی اہم واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نیشنل کانگریس کے ایک لکچر سے پہلے پورے ہندوستان میں سرسید کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن اُس لکچر کے بعد بہت سارے اشخاص ان کے خلاف ہو گئے کیوں کہ اُنہوں نے نیشنل کانگریس کو مسلمانوں کے حق میں مضر سمجھا اور کہہ بھی دیا۔ سرسید نے اس بات کی قطعی پرواہ نہیں کی کہ لوگ اُن کی مخالفت کر رہے ہیں۔ بس جو بہتر سمجھا کہہ دیا۔ کیوں کہ وہ راستبازی کو ہی اپنا دین و ایمان سمجھتے تھے، دروغ گوئی سے اُنہیں نفرت تھی۔

غرض حالؔی نے حیات جاوید میں سرسید کے تمام اوصاف کا ذکر بڑے سلیقے اور احتیاط سے کیا ہے اور اس امر کو بھی مدنظر رکھا ہے کہ سرسید کی ان صفات سے قوم استفادہ کرے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔ بحیثیت مجموعی حالؔی کا یہ مضمون بہت ہی عمدہ ہے اور ایک پیغام ہے۔

7.7 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ سرسید کی علمی وادبی خدمات پر ایک مختصر نوٹ لکھئے؟

۲۔ سرسید کی ان صفات کا عمومی جائزہ پیش کیجیے جن سے حالؔی بہت متاثر تھے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ حالؔی کی حیات اور علمی خدمات کا تعارف پیش کیجیے۔

7.8 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
راستبازی	ایمانداری، سچائی	صدق	سچ، خلوص
مودّت	پیار، محبت، دوستی	حمیّت	غیرت، شرم
مجسم	جسم دار، سراپا	تامل	فکر، شک شبہ
جبلّت	فطرت، طبیعت	متنبہ	تنبیہہ کیا گیا، خبردار
اڈیٹر	کسی کتاب یا رسالے کا مدیر، Editor	کانشس	ضمیر
مقدّم	پہلا، اعلیٰ، اونچا	قول	بات، سخن، اقرار
فعل	کام، عمل، حرکت	سابقہ پڑنا	واسطہ پڑنا
تعرض	روکنا، مزاحمت	متردّد	فکرمند
شامتِ اعمال	کئے کی سزا	تڑاق سانی	فوراً جواب دے دینا
اِستعفا	نوکری چھوڑنے کی درخواست دینا	رفع یدین	نماز میں تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اُٹھانا
قادرالمطلق	پوری قدرت رکھنے والا، خدا تعالیٰ	مقدس	پاک کیا گیا
مقتدائے دین	دین کے پیشوا	طعن وملامت	طنز کرنا، نادم کرنا
مکروہات	ناپسند	توقف	وقفہ، ڈھیل
علی الاعلان	علانیہ طور پر، سب کے روبرو	ذی علم	عالم، علم والا
جمہور	عوام، آدمیوں کا بہت بڑا گروہ	وارد	آنے والا، موجود، پہنچنے والا
مدحیہ	تعریفی، توصیفی	آرٹیکل	مضمون، Article

مجلس	انجمن، بیٹھنے کی جگہ	قاطبتہً		تمام، بالکل
پبلک اسپیچ	Public speech، عوام کے سامنے تقریر کرنا	مُضر	:	نقصان پہنچانے والا
پولیٹکل	Politicle، سیاسی	کانگریشین		Congression، کانگریسی
ایجوکیٹڈ	Educated، تعلیم یافتہ	شاق		دُشوار، مشکل
فی الواقع	واقعی، بیشک			

7.9 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ حیات جاوید — مولانا الطاف حسین حالؔی

۲۔ تاریخ ادب اُردو — رام بابو سکسینہ

۳۔ اُردو تحقیق کا ارتقا — ڈاکٹر محمد حسین

۴۔ تاریخ ادب اُردو — نورالحسن نقویؔ

۵۔ اربابِ اُردو نثر — ڈاکٹر سید محمد

☆☆☆

اکائی : 8

خاکہ : فن اور صنفی خصوصیات

اکائی کے اہم اجزا :

8.1 اغراض ومقاصد

8.2 تمہید

8.3 خاکہ کی تعریف، ماہیئت اور فن

8.4 خاکہ نگاری کے فنی تقاضے

8.5 خاکہ اور دیگر اصنافِ نثر

8.6 خاکہ کی اقسام

8.7 اردو میں خاکہ نگاری کی روایت

8.8 خلاصہ

8.9 نمونے کے امتحانی سوالات

8.10 فرہنگ

8.11 سفارش کردہ کتابیں

8.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ خاکہ کی تعریف، ماہیئت اور فن پر روشنی ڈال سکیں۔

☆ خاکہ نگاری کے فنی تقاضوں پر اظہارِ خیال کر سکیں۔

☆ خاکہ اور دیگر اصنافِ نثر کے اختلافات اور مماثلتوں پر روشنی ڈال سکیں۔

☆ خاکہ کی اقسام بیان کر سکیں۔

☆ اردو میں خاکہ نگاری کی روایت پیش کر سکیں۔

8.2 تمہید

اس اکائی میں اُردو خاکہ کی تعریف ماہیئت اور فن پر روشنی ڈالی جائے گی۔ خاکہ نگاری کے فنی تقاضے، خاکہ اور دیگر اصناف سے اس کا تقابل کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ خاکہ کی اقسام اور اُردو میں خاکہ نگاری کی روایت کا جائزہ بھی لیا جائے گا۔

8.3 خاکے کی تعریف، ماہیت اور فن

خاکہ نگاری اُردو ادب کی ایک مشہور و معروف اور دلچسپ صنف ہے۔ خاکہ کو انگریزی میں Sketch کہا جاتا ہے۔ لفظی مفہوم میں خاکہ کسی موضوع کے بنیادی خدوخال کو کہتے ہیں، جس کی بنیاد پر کسی چیز کی صورت گری ممکن ہو لیکن ادب اور فن میں یہ اصطلاح مختلف مفہوم رکھتی ہے۔ خاکہ کی اصطلاح مصوری میں بھی رائج ہے۔ مصور اگر کسی چہرے یا فرد کی مکمل تصویر بڑی تفصیل سے ہر ایک خصوصیت کو پوری طرح نمایاں کرتے ہوئے اتارتا ہے تو اسے Portrait کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مصور اگر کسی کی شکل وصورت یا شخصیت کے نقوش کو صرف چند آڑے ترچھے خطوط (Out line) کے ذریعہ اُبھارا جائے تو وہ اسکیچ یا خاکہ کہلائے گا۔ ادبی خاکہ میں شخصیت کی صرف نمایاں خصوصیات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور انہی خصوصیات کو لیا جاتا ہے جو کسی فرد کی انفرادیت کو ظاہر کرتی ہیں وہ خصوصیات جن کے ذریعہ کسی فرد کے اہم خدوخال کی جھلک سامنے آجائے اور شخصیت فوراً پہچانی جاسکے۔ سوانح اور خاکہ میں یہی فرق ہوتا ہے کہ سوانح نگار کسی فرد کے حالات زندگی کے جزئیات تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے، جب کہ خاکہ نگار کسی شخص کی زندگی اور کردار کی چند جھلکیاں یا خصوصیات اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کر دیتا ہے۔

ادبی خاکے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ صرف کسی حقیقی فرد ہی کو اپنا موضوع بنائے بلکہ کوئی خیالی شخصیت بھی خاکے کا موضوع ہو سکتی ہے۔ اُردو ادب میں خاکہ کی اصطلاح حقیقی شخصیتوں کے خاکوں کے لئے رائج رہی ہے۔ اس کے علاوہ خاکہ کے لیے بعض دوسری اصطلاحیں بھی مروج ہیں۔ مثلاً قلمی تصویر، مرقع اور شخصی مرقع وغیرہ۔ یہ تمام اصطلاحیں حقیقی شخصیتوں کے خاکوں کے لیے تجویز کی گئی ہیں۔ خیالی شخصیتیں اور کردار ان کے دائرے سے خارج ہیں، لیکن فنی اور ادبی اعتبار سے یہ بات اہمیت نہیں رکھتی کہ خاکے کا موضوع حقیقی شخصیت ہے یا خیالی۔ نثار احمد فاروقی کی تجویز کردہ ''خاکہ'' کی اصطلاح سے خیالی اور حقیقی دونوں شخصیتیں مراد لی جاتی ہیں۔

خاکہ غیر افسانوی نثر کی ایک مقبول صنف ہے۔ مگر اُردو ادب میں خاکہ کی ہنوز کسی نے بھی مکمل اور واضح تعریف، حدود اور ماہیئت کی صراحت نہیں کی ہے۔ خاکے کے مفہوم اور اس کے حدود کو واضح کرنے کے لیے ذیل میں ناقدین کی آراء کو پیش کیا گیا ہے۔

نثار احمد فاروقی نے اپنے مضمون ''اُردو میں خاکہ نگاری'' میں خاکے کی تعریف یوں کی ہے:

''خاکہ کسی شخصیت کا معروضی مطالعہ ہے''۔

محمد حسین نے خاکہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''نوکِ قلم کی تصویر کشی خاکہ نگاری ہے۔ یہ قلمی تصویر یا مرقع سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ خاکہ ایسی تصویر ہے، جو کسی بت تراش یا مصور یا فوٹو گرافر کا عمل نہیں۔ اس تصویر کا خالق قلم کار ہوتا ہے۔ خاکہ کسی فرد واحد کی گم سم تصویر نہیں۔ یہ ہنستی بولتی تصویر ہے جو ہمارے احساسات کو برانگیخت کرنے کی قوت رکھتی ہے''۔

ایک اور جگہ محمد حسین خاکہ کی مزید صراحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''خاکہ صفحۂ قرطاس پر نوکِ قلم سے بنائی ہوئی ایک شبیہہ ہے یہ بے جان ساکت اور گم سم نہیں ہوتی۔ یہ بولتی ہوئی متحرک پُر کیف تصویر ہوتی ہے۔ ایک مصور یا بُت تراش کے لیے یہ بھی ممکن ہے کہ اس پیکر میں کسی دل پذیر تیور کی جھلک بھی دے دے مگر ایسی تصویر بنانا مصور بت تراش یا فوٹو گرافر کے بس سے باہر ہے، جسے دیکھ کر ہم فرد کی سیرت اور انفرادیت کا بھی اندازہ کریں''۔

بقول شمیم احمد کرہانی: ''خاکہ نگاری ادب کی ایک صنف ہے جس میں شخصیتوں کی تصویریں اس طرح براہِ راست کھینچی جاتی ہیں کہ ان کے ظاہر و باطن دونوں قاری کے ذہن نشین ہوجاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پڑھنے والے نے نہ صرف قلمی چہرہ دیکھا ہے بلکہ خود شخصیت کو دیکھا بھالا اور سمجھا بوجھا ہو''۔

مذکورہ بالا تعریفوں سے پتہ چلتا ہے کہ کسی نے خاکہ کو شخصیت کا معروضی مطالعہ کہا ہے، کسی نے خاکہ کو قلمی تصویر یا مرقع کہا ہے، کسی نے شخصیتوں کی تصاویر کے ظاہر و باطن قاری کے ذہن نشین ہونے کی بات کی ہے اور کسی نے خاکے کو سوانح نگاری کی ایک صورت بتایا ہے۔ لیکن یہ تعریفیں نامکمل اور ادھوری معلوم ہوتی ہیں کیونکہ خاکہ ایک ایسی غیر افسانوی نثری صنف ہے جس کی ساخت ہیئت انشائیہ جیسی ہے جس میں کسی شخصیت (حقیقی یا خیالی، عظیم یا معمولی) کے خارجی و داخلی مختلف خصوصیات کے چند نمایاں پہلوؤں کو جس میں شخصیت کی خوبیاں اور خامیاں بھی شامل ہوں مختصر لیکن جامع اور دلچسپ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں خاکہ نگار اپنے ذاتی، تجرباتی، مشاہداتی اور احساساتی تجزیے بھی عمل آرا ہوتے ہیں۔ ان عناصر کے امتزاج سے کسی شخصیت کے خدوخال کو وحدت تاثر کے ساتھ اُبھارا جاتا ہے اور قاری خاکے کو پڑھ کر وہ بے ساختہ کہہ اُٹھتا ہے کہ میں اس شخص سے بخوبی واقف ہوں۔

خاکہ میں زندگی کے ہر پہلو کو سمو لینے کی بڑی صلاحیت ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم لکھتے ہیں کہ:

''خاکہ کا فن بہت مشکل اور کٹھن فن ہے۔ اسے اگر نثر میں غزل کا فن کہا جائے تو غلط نہ ہوگا جس طرح غزل میں طویل مطالب بیان کرنے پڑتے ہیں، ٹھیک اسی طرح خاکے میں مختصر الفاظ میں پوری شخصیت پر روشنی ڈالنی پڑتی ہے''۔

خاکہ نگاری کا فن یہ ہے کہ کسی شخصیت کو زبان و بیان کی مدد سے نئی زندگی دے اور اس شخصیت کو حقیقی شکل وصورت اور حقیقی فضا میں پیش کیا جائے۔ اس کے صرف نمایاں، مسلم خصوصیات اور حقیقی واقعات پر روشنی ڈالے۔ وہ ایسے ہی پہلو منتخب کرے جن سے شخصیت کی ذہنی افتاد، افکار و نظریات قاری کے سامنے ظاہر ہوسکیں۔ اس کے علاوہ اپنے جذبات اور جوش کو اعتدال میں رکھ کر ہمدردی لیکن غیر جانبداری کے ساتھ تمام مواد کو اس طرح ترتیب دے کہ شخصیت کی سیرت کے مخصوص و منفرد پہلو عیاں ہوسکیں۔ خاکہ نگار کو ایک فن کار اور صنّاع ہونا چاہیے۔ زندگی کو حقیقت کا رنگ دینا خود ایک کمال فن ہے اور وہ اس شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں کو پوری دیانت داری اور سچائی سے بیان کرے۔ خاکہ نگار خود کرداروں کے ذہن سے سوچے اور ان کی زبان سے بات کرے۔ خاکے میں اختصار و تنظیم کے ساتھ ایک طرح کی سرعت اور تیز رفتاری بھی ضروری ہوتی ہے۔ خاکہ ان فنی لوازم کا متقاضی ہے۔

بہ ظاہر خاکے کے لیے موضوع کی کوئی تخصیص نہیں ہے لیکن اکثر خاکے ایسی شخصیات پر لکھے گئے ہیں جنھوں نے فنون لطیفہ بالخصوص ادب اور شاعری یا پھر کسی اور شعبۂ حیات میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جن شخصیتوں کے کارناموں سے ہم متاثر اور مستفید ہوتے ہیں ان کی نجی زندگی کی تفصیلات معلوم کرنے کی آرزو بھی ہمارے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ہر صنف نثر کی طرح خاکہ کے بھی اپنے فنی تقاضے اور مسائل ہوتے ہیں، جن سے خاکہ نگار یا خاکہ کا ناقد روگردانی نہیں کرسکتا۔ خاکہ کا موضوع دنیا کا ہر شخص ہوسکتا ہے چاہے وہ عظیم ہو یا نہ ہو۔ اُردو خاکہ نگاروں نے صرف مخصوص یا ایک ہی طرح کے افراد کو موضوع نہیں بنایا۔ بلکہ ان کے خاکوں میں سیاست داں، فلسفی، صحافی، مقرر، علماء، رہنما، مفسر، ناقد، شاعر، ادیب، طنز نگار، مزاح نگار، مترجم، محقق، مدبر، وزیر، دوست، عظیم و معمولی شخصیتیں سب ہی قسم کے افراد ملتے ہیں۔ جس طرح اعلیٰ ہستیوں کی سیرت کی بے نقابی انسانی مشاہدات و تجربات میں اضافہ کا سبب

بن سکتی ہے اسی طرح ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی سیرت کی ترجمانی اور حالات بھی معلومات اور دلچسپی فراہم کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں۔ مختصراً ملاقات کے بعد ایک اچھا خاکہ لکھنا نہایت دشوار کام ہے۔ غیر معروف افراد کو خاکہ نگاروں نے اپنا موضوع بہت ہی کم بنایا ہے لیکن بعض خاکہ نگاروں نے ایسے موضوعات پر بھی کامیاب خاکے لکھے ہیں۔ مثلاً عبدالحق نے ''نام دیو مالی'' اور ''نور خاں''، رشید احمد صدیقی نے ''کندن''، ''حسن عبداللہ'' اور ''شیخ پیرو'' وغیرہ اور اشرف صبوحی نے اپنی تصنیف ''دلی کی چند عجیب ہستیاں'' میں دلی کی تمام غیر معروف اشخاص کے خاکے پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کے بعض اور خاکے مثلاً ''پنکھے والے حافظ جی'' ''ہم اور وہ'' بھی اسی قبیل کے خاکے ہیں۔ ایسے خاکے جو غیر اہم شخصیتوں پر مبنی ہوتے ہیں ان کی زندگی کسی نہ کسی لحاظ سے قابلِ ستائش یا قابل تقلید ہو سکتی ہے۔

خاکے کا ایک اہم عنصر خود خاکہ نگار کی شخصیت بھی ہے۔ وہ خود ایک ادیب، فن کار، ماہر اور ایک ژرف بین کارساز بھی ہوتا ہے۔ خاکہ نگار خاکہ میں کینہ، بغض، حسد یا عناد شخصی سے خود کو مبرا رکھتا ہے۔ وہ خاکہ نگاری کے لیے مختلف ذرائع سے مواد اکٹھا کرتا ہے۔ مثلاً ذاتی معلومات، تحریریں، تقریریں، شاعری، دیگر تصانیف، خطوط، اقوال، محاضرات وغیرہ۔ شخصی خاکوں میں مواد کی فراہمی کا پہلا اور اہم ذریعہ تو خود خاکہ نگار کی شخصیت کے بارے میں ذاتی معلومات ہیں۔ اس میں خارجی شخصیت کا بیان بھی ہوتا ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ اہم داخلی شخصیت یعنی سیرت وصورت، گفتار و کردار، عادات واطوار، مزاج، نفسیات، پسند ناپسند وغیرہ کی معلومات ہیں۔ شخصیت کی خودنوشت بھی مواد کی فراہمی کا اہم ذریعہ ہوتی ہے جس میں موضوع کا اپنا انکشاف بہ قلم خود ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ موضوع کے ہم عصر اشخاص کی سوانح، تحریروں اور خطوط سے بھی مواد حاصل کرنے میں مدد لی جا سکتی ہے۔ سوانحی کتابوں میں اگر مصنف کی شخصیت کے بارے میں کوئی علیحدہ باب ہوتا ہے تو وہ بھی ایک طرح سے خاکہ ہی ہے۔

خاکے کا موضوع اگر ادبی شخصیت ہو تو ایسے ادیب یا شاعر کے اسلوب تحریر اور اظہار کے پیرایوں سے شخصیت اور سیرت کے بعض پہلوؤں کو اُجاگر کیا جاتا ہے کیونکہ تخلیق اپنے قلم کار کی شخصیت کی عکاسی کرتی ہے۔ تقریر سے بھی خاکہ نویس سیرت کے بارے میں مواد اخذ کرتا ہے۔ دورِ حاضر میں تقاریر سے مواد آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اخبار، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، سی ڈی وغیرہ کی دستیابی کی وجہ سے خاکہ نگار کو تقاریر فوراً تحریر کر لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی بلکہ وہ کسی شخصیت کی تقریر کا ریکارڈ سن کر یا پھر اخبار میں پڑھ کر اس کی سیرت و کردار کے جو گوشے ظاہر ہوتے ہیں ان کو اپنے خاکے میں با آسانی بیان کر سکتا ہے۔

تمام اصناف نثر کی طرح خاکہ نویس کے اظہار و بیان کا ذریعہ بھی زبان ہے۔ چونکہ خاکہ بیانیہ تحریر کا نمونہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اس میں بیان کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ بیان کی صناعی کی مدد سے ہی خاکہ نویس کسی شخصیت کو نیز اس کے محاسن و معائب، حالات، واقعات، کردار اور مقامات کو حقیقی روپ دیتا ہے۔ خاکہ نگار کسی شخصیت کو پیش کرتا ہے تو اس تصویر کشی میں اسے قوت گویائی سے بھی نوازتا ہے۔ خاکے میں وہ شخصیت نہ صرف بات چیت کرتی ہے بلکہ چلتی پھرتی، ہنستی روتی بھی ہے۔ خاکہ نگار اپنے بیان کو پر اثر بنانے کے لیے تشبیہہ، استعارے اور دوسری صنعتوں کا برجستہ اور بھرپور استعمال بھی کرتا ہے۔ وہ معائب بھی اس طرح بیان کرتا ہے کہ شخصیت کمزور گوشوں کے باوجود دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔ خاکہ نگار کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ شخصیت کی مناسبت سے موزوں لب ولہجہ اختیار کرے۔ اگر موضوع سنجیدہ اور متین شخصیت کا مالک ہے تو لب ولہجہ بھی سنجیدگی اور متانت کا متقاضی ہوتا ہے۔ اگر شخصیت کے مزاج میں مزاح کا عنصر ہے

تو پھر اسی قسم کی زبان استعمال کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ بہر کیف جو تصویر جس وضع کی ہوتی ہے اسی طرح کا لب ولہجہ اور انداز بیان اختیار کیا جاتا ہے۔ دراصل انداز پیش کش ہی خاکے کی اہم خصوصیت ہے۔ اگر موضوع اور انداز بیان دلکش ہو تو ایک عمدہ خاکہ بنتا ہے۔

خود جانچنے کا سوال

ا۔ خاکہ کسے کہتے ہیں؟

8.4 خاکہ نگاری کے فنی تقاضے

اختصار شخصی خاکہ نویسی کا ایک فنی تقاضہ ہے۔ مثلاً یہ کہ خاکہ نویس شخصیت کی زندگی کے صرف چند واقعات کا انتخاب کرتا ہے۔ سراپا نگاری میں بھی محض چند خطوط ہی سے کام لیتا ہے۔ اختصار کا یہی وصف خاکے کو سوانح اور مرقع سے ممتاز کرتا ہے۔ اختصار کی اس خصوصیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے طویل خاکے بھی تحریر کیے جاسکتے ہیں۔ ظاہری طوالت سے یہ مراد نہیں کہ خاکے میں یہ وصف نہیں ہے۔ خاکہ نگاری کی دو قسمیں ہیں ایک مختصر خاکہ اور دوسرا طویل خاکہ۔ ایک عمدہ خاکہ کسی قید و بند کا پابند نہیں ہوتا۔ مثلاً اس صنف میں جہاں عبدالحق کا صرف ڈیڑھ صفحے پر مبنی مختصر خاکہ ''حکیم امتیاز الدین'' ہے وہیں فرحت اللہ بیگ کا طویل خاکہ ''نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' بھی شامل ہے۔ انتخاب اور ایجاز کے باوصف اگر خاکہ طویل ہو جاتا ہے تو یہ عیب نہیں ہے۔ ایسے طویل خاکے کی اچھی مثالیں نذیر احمد کی کہانی ''دوزخی'' کے علاوہ ''گنجینۂ گوہر'' اور ''گنج ہائے گراں مایہ'' کے بعض خاکے ہیں۔ طویل خاکے کے مقابلے میں مختصر خاکہ کو بہتر اور اچھا سمجھا جاتا ہے، کیونکہ طویل خاکے میں مطالعے کے دوران جو وقفے حائل ہوتے ہیں وہ اس کے مکمل تاثر کو پوری طرح قائم نہیں رکھ سکتے۔ خاکہ اگر مختصر ہو تو قاری اسے ایک ہی نشست میں ختم کرسکتا ہے۔ مختصر خاکے میں واقعات اس قدر اختصار کے ساتھ اور شخصیت اس قدر جامع طور پر بیان کی جاتی ہے کہ قاری کا ذہن اس کا بھرپور تاثر قبول کرتا ہے اور اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوتا ہے۔ خاکے میں اختصار پیدا کرنا بڑا مشکل امر ہے۔ اس کے لیے صحیح قوت فیصلہ انتہائی اہم باتوں کے انتخاب کا سلسلہ اور ترتیب کا سلیقہ درکار ہوتا ہے۔

سوانحی، افسانوی ادب کی طرح خاکے میں بھی ''وحدت تاثر'' اس کے فنی تقاضے کا ایک اہم عنصر ہے۔ خاکے میں یہ تاثر کسی پلاٹ کے تحت نہیں ہوتا۔ خاکے کا پلاٹ کردار کے تابع ہوتا ہے۔ چونکہ خاکے کا مقصد ہی کسی فرد کے بارے میں تاثر کو بیان کرتا ہے۔ اس لیے خاکہ نویس بجائے پلاٹ کے ایک خاص داخلی ترتیب و تنظیم کے سہارے مخصوص شخصیت کے انفرادی رنگ کا تاثر کی جھلک خاکے کے ابتدائی حصے ہی سے دکھانا شروع کرتا ہے۔ جیسے جیسے شخصیت کے خدوخال واضح ہوتے جاتے ہیں۔ ابتدائی تاثر یا اثر انگیزی تیز تر ہوتی جاتی ہے۔ خاکہ نگار مختلف حالات، واقعات، بیانات اور مکالموں کو ایک خاص ترتیب میں رکھ کر اس میں سرعت وشدت پیدا کرتا جاتا ہے۔ وہ خاکے میں تمہید کے بعد کے درمیانی حصے، منتہا اور خاتمے کو اس طرح ایک دوسرے سے پیوست کرتا ہے کہ ایک خاص تاثر شروع سے آخر تک قائم رہے۔

خاکے میں کردار نگاری کو بھی خاصی اہمیت حاصل ہے۔ خاکے کا موضوع کوئی شخصیت ہوتی ہے۔ یہہ شخصیت اپنی انفرادی خصوصیات رکھتی ہے۔ ان خصوصیات کو اُجاگر کرنا ہی دراصل خاکہ نگار کا اہم مقصد ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کردار، خاکے کا ایسا بنیادی عنصر ہوتا ہے جس کے بغیر خاکے کا تصور ہی ممکن نہیں۔

خاکوں میں عموماً کردار کے ارتقائی منازل کم دکھائے جاتے ہیں، ایک تو اختصار کی وجہ سے اس کی گنجائش کم ہوتی ہے۔ دوسرے

خاکہ نگار عام طور پر کسی شخصیت سے اس وقت متعارف ہوتا ہے، جب اس کا کردار ایک خاص ڈھانچے میں ڈھل جاتا ہے اس لیے اکثر خاکوں میں کردار کا اگر ارتقاء ہو بھی تو وہ ایک (Type) بن کر عیاں ہوتا ہے۔ خاکہ کردار کی شخصیت کے نقوش، حرکات وسکنات، وضع، نفسیاتی اور ذہنی کیفیات وتغیرات وغیرہ کا امتزاج ہوتا ہے۔ خاکے میں خاکہ نگار کو اپنی فن کاری سے شخصیت کی دوبارہ تخلیق کرنی پڑتی ہے۔ اس طرح کہ وہ خاکے کے کینوس پر متحرک بھی ہو اور اس کے نقوش ایسے گہرے ہوں کہ قاری کا ذہن اسے مدت تک بھلا نہ سکے۔ اس منصب کے لیے خاکہ نگار کسی شخصیت کے رنگ وروپ، وضع قطع، عادات واطوار کی ایک جھلک دکھاتا ہے۔ اس لیے کردار نگاری میں شبیہہ نگاری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شبیہہ نگار انسانی شکل وصورت کے ساتھ اس کی فطرت کا راز دان بھی ہوتا کہ وہ سیرت کو شکل کی مدد سے عیاں کر سکے۔ جب تک خاکہ نگار شخصیت کا ظاہری حلیہ اور وضع قطع پیش نہیں کرتا قاری اس سے روشناس ہو نہیں سکتا۔

خاکے کی تصویر کے لیے یہ بات اہم ہے کہ وہ ساکت جامد نہ ہو بلکہ اس میں زندگی کی حرارت، حرکت اور عمل بھی ملے۔ چونکہ خاکے میں کردار کو براہِ راست سامنے لانا پڑتا ہے۔ اس لیے اس شخص کے جذبات واحساسات کی عکاسی اور اسی کی ذہنی ونفسیاتی کیفیات کا اظہار بھی ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ قاری کے لیے معلومات بھی فراہم ہوں اور خود خاکہ نگار کے اپنے تاثرات بھی سامنے آجائیں۔ شخصیت میں حرکت ماحول کی تبدیلی سے پیدا کی جاتی ہے۔ اچھی کردار نگاری کے لیے خاکہ نویس کا ماہر نفسیات نہ سہی نفسیات دان ہونا لازمی ہے۔ تب ہی وہ کردار کی حرکات وسکنات اور عادات واطوار کو کوئی مطلب دے سکے گا اور اپنے موضوع کو ایک متحرک انسان کی حیثیت سے پیش کر سکے گا جو خاکہ نگار نفسیات انسانی سے ناشناس ہوتے وہ اپنے موضوع کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں جو زندگی سے قریب نہیں ہوتی اور ایک مثالی انسان کی خیالی تصویر بن جاتی ہے۔

خاکہ وہ صنف نثر ہے جس میں کرداروں کی تصاویر اس طرح براہِ راست کھینچی جاتی ہیں کہ ان کا داخلی وخارجی دونوں اُبھارے جا سکے۔ خاکے کا فن اپنے فنکار سے خارجیت سے زیادہ داخلیت کا متقاضی ہوتا ہے۔ داخلیت اور خارجیت کے حسین مرکب ہی سے خاکہ نگار اپنے تاثرات کو ایک وحدت کی شکل دے سکتا ہے اور اس تجزیے کے نتیجے میں سیرت کو صورت سے عیاں ونمایاں کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے اور انسانی زندگی کے بارے میں اس کے یہ لطیف ومعنی خیز تاثرات انسانی تجربات میں اضافے کا باعث بن سکتے ہیں۔

شخصی خاکوں میں زندگی کے حقیقی واقعات کو سامنے رکھ کر ان میں سے چند ایسے واقعات کا انتخاب کرنا ہوتا ہے جو موضوع کی سیرت کو واضح طور پر پیش کر سکیں۔ سنے سنائے واقعات کے مقابلے میں ایسے واقعات کو ترجیح دی جانی چاہیے جو تخلیق کار کے مشاہدے یا تجربے میں آچکے ہوں۔ خاکہ نویس کے لیے ایک عمدہ واقعہ نگار اور قصہ طراز ہونا ضروری ہے۔ خاکے کی دلچسپی اور اثر انگیزی کا انحصار بڑی حد تک اس بات پر ہوتا ہے کہ واقعات کو کس ڈھنگ سے بیان کیا گیا ہے۔ بیان ایسا ہونا چاہیے کہ قاری کو واقعہ اپنی نظروں کے سامنے ہوتا ہوا دکھائی دے۔ انسان کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات لاتعداد ہوتے ہیں اور ہر واقعہ اپنے اندر ایک کشش بھی رکھتا ہے۔ لیکن خاکہ نگار کے لیے ہر واقعہ اہم نہیں ہوتا۔ اسی واقعہ کو وہ اہمیت دیتا ہے جس سے شخصیت پر روشنی پڑ سکتی ہو، خواہ وہ واقعہ غیر اہم اور معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ ایک واقعہ سے بھی کسی شخصیت کے اہم اور منفرد پہلو کو اُبھارا جا سکتا ہے۔ اگر ایک یا چند واقعات بھی ایسے منتخب کر لے جو فرد کی ذات پر روشنی ڈال سکیں تو یہی کافی ہے۔

خود جانچنے کا سوال

ا۔ شخصی خاکہ نگاری کی فنی خصوصیات بیان کیجیے؟

8.5 خاکہ اور دیگر اصنافِ نثر

خاکہ اور انشائیہ :

خاکہ اور انشائیہ دو علیحدہ اصناف نثر ہیں۔لیکن دونوں کا سانچہ ایک ہے۔اس کے علاوہ ان دونوں میں بعض صنفی خصوصیات بھی مشترک پائی جاتی ہیں۔اختصار اور جامعیت خاکہ اور انشائیہ کی مشترکہ خصوصیات ہیں۔دونوں کا انداز بیان شگفتہ، بے تکلف اور غیر رسمی ہوتا ہے۔دونوں میں خیالات کی ترتیب، احساس، فکر کی رو کے تابع ہوتی ہے اور ان میں ظاہری تسلسل نہیں بلکہ داخلی آہنگ پایا جاتا ہے۔ظاہراً بے ترتیبی کے باوجود دونوں میں خیالات کے تاثر کی وضاحت اور ایک طرح کی داخلی ترتیب پائی جاتی ہے۔ انشائیہ کی طرح خاکہ میں بھی موضوع کے چند منتخب گوشوں ہی کو بیان کیا جاتا ہے۔خاکے کا مقصد بھی تفصیلی معلومات فراہم کرنا نہیں ہوتا، بلکہ خاکہ نگار موضوع کے بارے میں اپنے تاثرات کو زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں کے امتزاج سے ایک ایسا دلکش روپ دیتا ہے کہ وہ فنکارانہ تخلیق بن کر سامنے آتی ہے۔

خاکہ نگار زندگی کے کسی پہلو کو خاکے کی شکل میں بیان کرسکتا ہے۔جب کہ انشائیہ نگار کوئی بات کسی کیفیت، کسی منظر و ادا کا عکس اپنے قلم سے متحرک تصویر کی صورت میں کھینچ دینے کی مہارت رکھتا ہے۔اس لحاظ سے خاکہ نگار اور انشائیہ نگار کا طریقۂ کار یکساں ہوتا ہے۔

خاکہ اور انشائیہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ خاکہ کسی شخص کا ہی لکھا جاسکتا ہے۔خواہ وہ حقیقی ہو یا خیالی اور اس کا موضوع متعین ہوتا ہے۔اس کے برعکس انشائیہ نگار کسی بھی عنوان کو موضوع سخن بنا سکتا ہے۔

خاکہ اور سوانح عمری :

خاکہ اور سوانح عمری دو جداگانہ اصناف ہیں۔لیکن موضوع کے لحاظ سے شخصی خاکہ اور سوانح میں بڑی مماثلت نظر آتی ہے۔دونوں کا موضوع فرد واحد ہے اور مقصد سیرت کو بے نقاب کرنا۔دونوں کا فن ذاتی اور نجی معلومات کا طالب ہوتا ہے۔غیر جانب داری کے ساتھ موضوع سے ہمدردی دونوں اصناف میں ضروری سمجھی جاتی ہے۔دونوں میں موضوع کی کوئی قید نہیں۔خاکہ نگار اور سوانح نگار دونوں نے تصور کی نہیں بلکہ اس شخصیت کی مرقع کشی کرتے ہیں جو خارج میں موجود ہوتی ہیں اور اس مرقع کشی میں معائب اور محاسن کو غیر جانب داری کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔دونوں میں مکالمے، لطائف وظرافت اور خطوط وغیرہ کے استعمال سے چاشنی پیدا کی جاسکتی ہے۔شخصیت کا انوکھا پن اور تخلیق کار کے اسلوب کی انفرادیت خاکے اور سوانح دونوں موضوع کو دلچسپی بخشتی ہے۔سوانح نگار کے لیے ضروری ہے کہ ایک مکمل تصویر پیش کردے جو کسی انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کے تمام حالات افکار و افعال کی تاریخ وار نقوش سے مزین ہو۔خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ ایسی تصویر پیش کرے جس میں ایک واقعہ سے بھی کسی شخصیت اور اس کی زندگی کا پورا نقش واضح ہو۔سوانح میں شخصیت پیدائش سے لے کر موت تک کے حالات و واقعات کے ساتھ مقید کردی جاتی ہے، جب کہ شخصی خاکے میں موضوع کے چند خدوخال یا نقوش کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔سوانح عمری اور خاکے کا مقابلہ کریں تو دونوں میں یہ امتیاز نظر آتا ہے کہ سوانح نگار کسی شخصیت کی زندگی کے تمام اہم اور غیر اہم واقعات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ فرد کی زندگی آئینہ کی طرح عیاں ہوجاتی ہے۔خاکہ نگار ان تمام حقائق سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔وہ واقعات کو اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ صرف فرد کی جیتی جاگتی تصویر کی ترجمانی ہو۔

خاکہ اور سوانحی مضمون :

خاکہ اور سوانحی مضمون میں بعض مماثلتیں ہیں۔ خاکے کی طرح سوانحی مضمون بھی سوانح عمری کا ایک حصہ ہے، جس کو مختصر سوانح بھی کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ خاکہ اور سوانحی مضمون دونوں کا ماخذ ایک ہی ہے۔ اس لیے جہاں بہ اعتبار شکل وصورت دونوں مشابہ نظر آتے ہیں وہیں بیشتر خصوصیات بھی دونوں میں مشترک ملتی ہیں۔ جیسا کہ دونوں کا موضوع کوئی شخصیت ہوتی ہے۔ خاکہ اور سوانحی مضمون دونوں کو اختصار کے ساتھ بھی پیش کیا جاسکتا ہے اور دونوں بہ لحاظ طوالت مختصر سوانح عمری کی برابری بھی کر سکتے ہیں۔ دونوں میں موضوعات کی کوئی قید نہیں۔ ان میں ہر شعبہ جات کے افراد مل سکتے ہیں جن میں اچھے بُرے کی کوئی تخصیص نہیں۔ سوانحی مضمون اور خاکہ دونوں میں جزئیات ضروری ہیں بلکہ یہ جزئیات ہی سے بنتے ہیں۔

بہ ظاہر خاکہ سوانحی مضمون میں اور سوانحی مضمون خاکہ میں متبدل اور مدغم ہوتے نظر آتے ہیں لیکن اس مماثلت کے باوجود سوانحی مضمون اور خاکے میں کافی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ سوانحی مضمون انسان کی پیدائش اور موت کے درمیان محدود ہوتا ہے۔ جب کہ خاکہ انسانی زندگی کے کسی ایک اہم منفرد پہلو کی جھلک تک بھی محدود کیا جاسکتا ہے۔

سوانحی مضمون میں کسی شخصیت کی ذات، سیرت، انفرادیت اور حالات زندگی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ برعکس اس کے خاکے میں صرف فرد کا تعارف ملتا ہے۔ اس طرح کہ صورت کے ساتھ سیرت بھی بے نقاب ہوجائے۔ سوانحی مضمون کی بنیاد واقعات پر رکھی جاتی ہے اور خاکے کی عبارت تاثرات کی اساس پر کھڑی کی جاتی ہے۔ سوانحی مضمون میں عام طور پر مقصدیت کا عنصر پنہاں ہوتا ہے۔ خاکے میں افسانوی رنگ اور مزاح پیدا کیا جاسکتا ہے لیکن سوانحی مضمون محض بیانیہ اور سنجیدہ ہوتے ہیں جس میں افسانہ طرازی کی گنجائش نہیں ہوتی۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ خاکہ اور انشائیہ میں کیا فرق ہے؟

۲۔ خاکہ اور سوانح عمری کے فرق کو واضح کیجیے۔

8.6 خاکہ کی اقسام

خاکہ نگاری کے محرکات، مقاصد، ہیئت، مواد اور پیرایہ بیان کو پیش نظر رکھا جائے تو شخصی خاکوں کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سوانحی، کرداری، بیانیہ اور سنجیدہ، تاثراتی، تعارفی، سرسری، اجتماعی، معلوماتی، مزاحیہ، طنزیہ، مداحیہ اور توصیفی، انٹرویو اور خود نوشت یا ذاتی خاکے۔

سوانحی خاکے :

سوانحی خاکوں میں پیدائش سے لے کر موت تک کے حالات تسلسل کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔ ایسے خاکے مختصر سوانح عمری سے بہت قریب ہوتے ہیں۔ ان میں جن شخصیت کی نجی زندگی کا تجزیہ اور سیرت و کردار کے خدوخال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ سوانحی خاکے کا ایک اچھا نمونہ عبدالماجد دریابادی کا ''محمد علی'' ہے۔

کرداری خاکے :

اُردو میں اس قسم کے خاکے بہت کم ملتے ہیں۔ یہ خاکے صنف افسانہ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ ان میں خاکہ نگار موضوع کے

بارے میں محض اپنے تاثرات پیش کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ موضوع کی شخصیت کا معروضی مطالعہ پیش کرتا ہے اور اس کی شخصیت کے نمایاں خصوصیات کو اُبھارتا ہے۔ وہ کردار کی زندگی کے واقعات کو بھی اس نقطہ نظر سے منتخب کرتا ہے۔ اردو میں عصمت چغتائی کا خاکہ ''دوزخی'' کرداری خاکے کی عمدہ مثال ہے۔

بیانیہ اور سنجیدہ خاکے :

اس قسم کے خاکے صنف انشائیہ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ ان میں خاکہ نگار شخصیت کے متعلق اپنے تاثرات پوری تفصیل کے ساتھ تحریر کرتا ہے اور ان تاثرات کو مناسب وموزوں واقعات کی مدد سے اُجاگر کرتا ہے۔ کبھی یہ خاکے خالص انشائیہ بن جاتے ہیں جن میں شخصیت خاکہ نگار کے جذبات اور احساسات کو اُجاگر کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ وہ شخصیت کے آئینے میں زندگی کی حقیقتوں یا خود اپنے تصورات کا عکس دیکھتا اور دکھاتا ہے۔

تاثراتی خاکے :

تاثراتی خاکے میں خاکہ نگار شخصیت کے بارے میں اپنے مجموعی تاثر کو بیان کرتا ہے۔ شخصیت کو بہ حیثیت کُل وہ جیسا دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے، اسی رنگ میں اس کو پیش کر دیتا ہے۔ موضوع سے تخلیق کار کے روابط، شخصی اور جذباتی تعلقات ان تاثرات کو اُجاگر کرتے ہیں۔ اس لیے ایک ہی شخصیت کو جب مختلف فنکار اپنا موضوع بناتے ہیں تو ہر خاکے میں اس شخص کے خدوخال بدل جاتے ہیں۔ اُردو میں زیادہ تر خاکے تاثراتی نوعیت کے ہیں اچھے تاثراتی خاکے بلند پایہ انشائیہ بھی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سب سے اچھے تاثراتی خاکے انشائیہ نگاروں نے قلمبند کیے ہیں۔ رشید احمد صدیقی، شاہد احمد دہلوی، محمد طفیل کے خاکے تاثراتی خاکوں کی بہترین مثال ہیں۔

تعارفی خاکے :

اس قسم کے خاکوں میں کسی شخصیت سے قاری کو روشناس کرایا جاتا ہے۔ یہ خاکے مختصر ہوتے ہیں۔ ایسے کردار جو زندگی کے کسی نہ کسی شعبے میں مشہور ومقبول ہوتے ہیں لیکن ان کی نجی زندگی اور سیرت سے لوگ ناآشنا ہوتے ہیں۔ خاکہ نویس اپنی ذاتی معلومات کے سہارے ان شخصیتوں کی زندگی کے چھپے ہوئے پہلوؤں کو سامنے لاتا ہے۔ ساتھ ساتھ ان سے متعلق اہم سوانحی معلومات بھی فراہم کرتا ہے۔ شیش محل (شوکت تھانوی)، دیدوشنید (رئیس احمد جعفری) اور عظمت رفتہ (ضیاء الدین احمد برنی) کے زیادہ تر خاکے تعارفی ہیں۔

سرسری خاکے :

چند اشخاص ایسے ہوتے ہیں، جن کی صورت وسیرت کے کچھ نقوش یا خدوخال خاکہ نگار میں یہ جذبہ بیدار کر دیتے ہیں کہ ان پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھے۔ ان شخصیتوں سے خاکہ نویس کو قربت کے بہت کم مواقع میسر آتے ہیں، کبھی چند ساعتوں کے لیے ملاقات ہو جاتی ہے، کسی جگہ سے گزرتے ہوئے چند لمحوں کے لیے ان کی زیارت سے وہ شرف یاب ہوتا ہے، کسی انجمن یا محفل میں کچھ دیر قربت حاصل ہوتی ہے۔ اس تاثراتی سرمایہ کو وہ اپنی یادداشت کی مدد سے ایک مرقع کی شکل دے دیتا ہے۔ ان خاکوں میں شخصیت کے ذاتی اور نجی حالات کم لیکن صورت وسیرت کے کچھ نقوش جو خاکہ نگار کے لیے انمٹ ہوتے ہیں ملتے ہیں۔ اس قسم کی تحریری کوششوں کو سرسری خاکوں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس نوعیت کی فہرست میں طفیل صاحب کے لکھے ہوئے خاکے ''قاضی عبدالغفار''، سیف الدین علی جواد زیدی کا لکھا ہوا خاکہ ''علی عباس حسینی'' اور شورش کاشمیری صاحب کی ''چہرے''، شوکت تھانوی کے ''لکھنؤ کی چند ادبی شخصیتیں'' وغیرہ رکھے جا سکتے ہیں۔

اجتماعی خاکہ :

خاکے کی ایک قسم اجتماعی خاکہ ہے۔انفرادی خاکے میں کسی ایک شخصیت کو خاکے کا موضوع بنایا جاتا ہے۔اُردو میں بیشتر ایسے ہی خاکے تحریر کیے گئے ہیں۔خاکے میں اگر ایک سے زیادہ شخصیتوں کو پیش کیا جائے تو وہ اجتماعی خاکے کی حیثیت اختیار کرلے گا۔اختصار، اجمال، تنظیم اور سرعت اجتماعی خاکے کے اصل اُصول کہے جاسکتے ہیں۔اس قسم کے خاکوں کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ ان میں قاری صرف واحد شخصیت سے متعارف نہیں ہوتا بلکہ ایک ہی مضمون میں کئی شخصیتوں سے وہ واقف ہوتا ہے۔اجتماعی خاکے میں مرقع نویس متعلقہ شخصیتوں کے بارے میں کم سے کم جگہ میں زیادہ سے زیادہ اور مستند معلومات پیش کرنے کی سعی کرتا ہے۔شخصیتوں کو واضح کرنے کے لیے وہ ایسے لطیف پُرمعنی اور تنقیدی فقرے استعمال کرتا ہے جن کے ذریعہ کارنامے سیرت وصورت سب ہی نمایاں ہوجائیں۔گویا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اجتماعی خاکوں میں خاکہ نگار قاری کو قطرے میں سمندر دکھاتا ہے۔ان خاکوں میں ایک طرح کی سرعت اور تیز رفتاری ملتی ہے۔مختلف صورتیں چشم زدن میں ذہن کے پردے پر جلوہ نما ہوتی ہیں اور پھر غائب ہوجاتی ہیں۔شوکت تھانوی کا ''تعبیر طلب'' اور ''چہرے'' اجتماعی خاکوں کی مثال کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔

معلوماتی خاکہ :

اس قسم کے خاکے عموماً شخصیتوں کے بارے میں ایسے مواد کے حامل ہوتے ہیں جو قارئین کے لیے نیا ہوتا ہے۔اس شخص کی زندگی کے ایسے گوشے جن پر عام آدمی کی نظر نہیں پڑتی لیکن خاکہ نگار ان سے آشنا ہوتا ہے۔ان کی نشاندہی کی جاتی ہے۔مثال کے طور پر قاضی عبدالغفار کا تحریر کیا ہوا خاکہ ''حکیم اجمل خاں''۔

مزاحیہ خاکے :

شخصی خاکوں میں مزاحیہ خاکہ نگاری کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی شخصیت کی زندگی کے دلچسپ واقعات اور لطائف بیان کرکے یا اس شخصیت کے کردار کے مضحک گوشوں کو عیاں کرکے قارئین کی تفریح طبع کا سامان فراہم کیا جائے۔اعلیٰ درجے کے مزاحیہ خاکوں میں مزاح تنقید حیات بن جاتا ہے اور زندگی کے مسائل پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔اُردو میں بیشتر مزاح نگار ادیبوں نے اس صنف کی طرف توجہ کی ہے۔اس کی وجہ سے اُردو میں مزاحیہ شخصی خاکوں کا قابل قدر ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے۔مجتبیٰ حسین کے خاکے، مزاحیہ خاکوں کی اچھی مثال ہیں۔

طنزیہ خاکے :

اُردو ادب میں خالص طنزیہ خاکے بہت کم ملتے ہیں۔طنز بالعموم مزاح کا شریک بن جاتا ہے۔فکر تونسوی کے خاکوں میں طنز ومزاح کا امتزاج ملتا ہے۔ بلکہ طنز کا پیرایہ زیادہ حاوی نظر آتا ہے۔رشید احمد صدیقی کی تحریروں میں ہلکی سی ظرافت کے ساتھ طنز کے نشتر بھی چھپے ہوتے ہیں۔طنزیہ خاکہ نگاری میں بالعموم شخصیت کا معاشرے ماحول اور مخالف قوتوں کو طنز کا ہدف بنایا جاتا ہے اور اس طریقے سے شخصیت کی عظمت کے نقوش نمایاں کیے جاتے ہیں۔اگر خاکہ نگار خود شخصیت کو طنز کا ہدف بنائے تو خاکہ ہجو بن کر رہ جاتا ہے۔طنزیہ ومزاحیہ خاکوں میں الفاظ اور لہجہ اس قسم کا استعمال کیا جاتا ہے کہ قاری ہنس پڑیں یا ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل جائے۔لیکن اس چیز پر خاص توجہ دی جاتی ہے کہ جملے طنز وظرافت کے خاروں اور گلوں سے بھرپور ہوتے ہوئے بھی بے ادبی کے حدود میں داخل ہوتے نظر نہ آئیں۔طنزیہ ومزاحیہ خاکوں کی اچھی مثالیں ''پوسٹ مارٹم'' میں ملتی ہیں۔

مدحیہ اور توصیفی خاکے:

مدحیہ اور توصیفی خاکوں میں جذبہ عقیدت خلوص اور ہمدردی کے جذبات کی کارفرمائی زیادہ ہوتی ہے۔ خاکہ نگار اپنے ممدوح کی زندگی کے کچھ مستند حالات کو لے کر شخصیت کی ایک دلکش اور جاذب نظر جھلک دکھاتا ہے۔ واقعات کا انتخاب ایسا ہوتا ہے کہ انھیں تسلیم کرنے میں قاری کو کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اس قسم کے خاکوں میں شخصیت کے بارے میں قاری جو واحد تاثر اخذ کرتا ہے۔ وہ مدحیہ ہوتا ہے۔ رشید احمد صدیقی کا خاکہ ''ذاکر صاحب'' مدحیہ خاکے کی ایک دلچسپ مثال ہے۔ اس خاکہ کو بعض نقادوں نے مدلل مدحیہ خاکے سے بھی موسوم کیا ہے۔

انٹرویو :

شخصی خاکے عموماً انشائیے کی صنف میں تحریر کیے جاتے ہیں اور یہی سانچہ ان خاکوں کے لیے مخصوص ہو چکا ہے۔ لیکن بعض دیگر اصناف میں بھی خاکہ نگاری کی مثالیں ملتی ہیں۔ ادبی تذکروں اور سوانح عمریوں میں ایسے اجزاء مل جاتے ہیں جنھیں الگ کر لیا جائے تو وہ شخصی خاکہ بن جاتے ہیں، یادگار غالب میں بعض اجزاء الگ کر لئے جائیں جن میں غالب کی شخصیت اور سیرت کی جھلک دکھائی گئی ہے تو وہ اپنی جگہ مکمل خاکہ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح محمد حسین آزاد کی ''آب حیات'' میں شعراء کے سوانح کے ساتھ ان کے انفرادی خاکے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ آج کل شخصی خاکے انٹرویو کی صورت میں بھی لکھے جا رہے ہیں جن میں انٹرویونگار ایسے سوالات مرتب کرتا ہے جن سے کسی شخصیت کی زندگی کے تمام اہم پہلو اُجاگر ہو سکتے ہیں پھر وہ انٹرویو کو اس طرح مرتب کرتا ہے کہ اس میں اس شخصیت کے بارے میں اس کے اپنے تاثرات اور مشاہدات بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر الطاف حسین قریشی کی ''ملاقاتیں'' ہیں۔

ذاتی یا خودنوشت خاکہ :

ذاتی خاکے میں انسان کی اپنی داخلی زندگی کی کیفیات سیرت و کردار، نجی حالات اور سچے داخلی مطالعے کی جھلک ملتی ہے۔ ذاتی خاکہ تحریر کرنا ایک مشکل فن ہے کیونکہ ذاتی مرقع نگار کو غیر جانبداری کے ساتھ اپنے ایسے اہم خدوخال کو پیش کرنا پڑتا ہے جو واقف اور ناآشنا ہر ذہن میں اصل کی یاد تازہ کر دیں۔ اس کے علاوہ اس قسم کے خاکے لکھنے میں جو چیزیں مشکلات پیدا کرتی ہیں اس میں اوّل تو خود انسان کی فطرت اور جذبہ خود بینی ہے جو اسے دوسروں کے محاسن کو پسند کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے سوا ہر انسان کا اپنے آپ کے متعلق ایک مبالغہ آمیز تصور بھی ہوتا ہے جو اس کے خود پرستی ''میں پن'' (انانیت) فطری حجاب خودتوصیفی وغیرہ کو ہوا دیتا ہے اور یہ رجحانات مصنف کو اپنی شخصیت کے مکمل انکشاف سے باز رکھنے کا سبب بنتے ہیں۔

لیکن ذاتی خاکوں کی یہ خوبی بھی ہوتی ہے کہ ان میں ہم پوری سچائی سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خودنوشت خاکے میں اس کا احتمال موجود ہوتا ہے کہ اپنی سیرت کی عکاسی کرتے ہوئے غلط بیانی سے کام لیا ہو۔ لیکن ایسی صورت میں سب سے پہلے مصنف کو اپنے ضمیر کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے۔ جس کے لیے شاید ہر ادیب بہ آسانی تیار نہ ہو۔

تخلیق کار کو اپنے ذاتی خاکے میں نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی صورت و سیرت کا جائزہ لینے کے مواقع حاصل رہتے ہیں اور وہ اپنے آپ پر تبصرہ کرنے میں بھی آزاد ہوتا ہے، کیونکہ اسے نہ کسی کے لعن وطعن کا ڈر ہوتا ہے نہ کسی کا خوف ہی لاحق ہوتا ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ رشید احمد صدیقی کا خاکہ ''ذاکر صاحب'' کس قسم کے خاکے کی مثال ہے؟

۲۔ اجتماعی خاکہ کسے کہتے ہیں؟

8.7 اردو میں خاکہ نگاری کی روایت

اُردو نثر میں خاکہ نگاری کے اولین نقوش کا تعین ناممکن ہے۔اُردو میں اس صنف کے ابتدائی خدوخال جنھیں Proto Type Sketch کہا جاسکتا ہے۔قدیم تذکروں اور دیگر تصانیف میں پائی جاتی ہیں۔لیکن ایک مستقل صنف نثر کی حیثیت سے اُردو میں خاکہ نگاری کا آغاز انگریزی ادب کے زیر اثر ہوا۔

اُردو نثر میں اس صنف کی باقاعدہ ابتداء اگرچہ اُنیسویں صدی کے اواخر میں ہوچکی تھی لیکن صحیح معنوں میں اس کا ارتقاء اور بحیثیت ایک آزاد صنف خاکہ نگاری کا وجود بیسویں صدی میں عمل پذیر ہوا۔

میرؔ کے ''نکات الشعراء'' (۱۱۶۵ھ) اور اس کے بعد کے تذکروں میں خاکہ نگاری کے ابتدائی خدوخال دستیاب ہوتے ہیں لیکن یہ نقوش ادھورے اور نامکمل ملتے ہیں اس لیے وہ خاکہ نہیں کہلا سکتے۔تذکروں میں شخصیت کو بیان کرتے وقت بڑے ہی اختصار و ایجاز کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔بعض تذکروں میں شعراء کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔لیکن باوجود اس کے ان سے شعراء کی مکمل شخصیت اُبھر کر سامنے نہیں آتی۔تذکروں کے تعارفی بیانات کو خاکہ کا پرتو کہا جاسکتا ہے لیکن انھیں صنف خاکہ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔تذکروں کے بعد انشاء کی ''دریائے لطافت'' میں بھی چند شخصی تصویروں کی جھلکیاں نسبتاً واضح نظر آتی ہیں۔ان میں حلیہ اور ہیئت نگاری زیادہ اور شخصی فطرت کی ترجمانی کم ہے۔اس کے علاوہ ان کے اپنے تاثرات کی کمی کا احساس بھی ہوتا ہے جس کے سبب ان کے تحریر کردہ خاکے Proto type خاکے کہے جاسکتے ہیں۔غیر افسانوی نثر میں صنف خاکہ نگاری چند انفرادی نقوش اور خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔خاکہ نویس کردار کی سیرت کی دھوپ چھاؤں، اس کے عادات واطوار، اس کے سیاہ وسفید کی ایسی تصویر کشی کرتا ہے جس سے شخصیت کے اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔تذکرۂ ہندی، گلشن بے خار، مجموعۂ نغز، خوش معرکۂ زیبا، محبوب الزمن اور ''تذکرہ گل رعنا'' میں بھی کہیں کہیں ایسے خاکوں کی جھلکیاں ملتی ہیں۔لیکن مولانا محمد حسین آزاد کی ''دربار اکبری''، ''نیرنگ خیال'' اور ''آبِ حیات'' میں بعض معلومات ایسے انداز میں فراہم کی گئی ہیں اور کرداروں کے مخصوص گوشوں پر اس انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ شعراء کی یہ چلتی پھرتی اور منہ بولتی تصویریں خاکہ سے بہت قریب نظر آتی ہیں۔اس میں پیش کردہ شخصی تصاویر کو خاکوں کے واضح نقوش قرار دے سکتے ہیں اور اس طرح آبِ حیات نہ صرف تذکرہ تاریخ بلکہ خاکہ نگاری اور انشاء پردازی کا مجموعہ اور مرکب بھی بن گئی۔اس کا اسلوب ایسا اچھوتا اور قلمی تصاویر اتنی جاندار ہیں کہ اس کی دلچسپی ہر دور میں باقی رہے گی اور اس قسم کی پیش کش میں اولیت کا سہرا ہمیشہ آزادؔ کے سر رہے گا۔

آزادؔ سے بہتر حلیے شاید ہی کسی خاکہ نگار نے تحریر کیے ہوں۔جن شخصیات کو اُنھوں نے دیکھا نہیں ان کی خیالی تصاویر بھی اس طرح کھینچی ہیں کہ حقیقت کا رنگ پیدا ہوگیا ہے۔آب حیات اس حیثیت سے کافی اہم ہے کہ اس میں آزادؔ نے قدیم ادبی روایات کو زندگی کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا ہے۔شخصی مرقع کشی کے لحاظ سے اگر آب حیات کو دیکھیں تو اس میں میرؔ، انشاؔ، مصحفیؔ، ذوقؔ، غالبؔ کے تذکروں میں جابجا خاکے کی جھلکیاں ملتی ہیں۔شعراء کے اتنے مفصل خاکے آب حیات ہی میں پہلی مرتبہ پیش کیے گئے ہیں۔اس لحاظ سے

آزاد وہ پہلے شخصیت نگار ہیں جنھوں نے اس صنف کی بنیادیں استوار کیں۔ آزاد کی پیش کی ہوئی تصاویر آج بھی دھندلی نہیں ہوئیں۔ مرزا ہادی رسوؔا اور عبدالحلیم شررؔ نے ان کی رکھی ہوئی بنیادوں پر اس صنف کی عمارت کھڑی کرنے کی کوشش میں نمایاں حصہ ادا کیا ہے۔ شررؔ نے ''سیر رجال ونسواں'' کے علاوہ چیدہ شخصیتوں کے تین اہم سلسلے بھی لکھے ہیں۔ ان میں بھی ہم کو شخصی مرقعوں کے زیادہ واضح خدوخال ملتے ہیں۔ ان کے ہاں ہم کو عظیم اور معمولی ہر دو قسم کے کردار ملتے ہیں۔ ان کا حلیہ، لباس، پڑھنے پڑھانے کا انداز، اخلاق وعادات، انداز گفتگو، وضعداری ان کے کارنامے غرض کہ مختلف حیثیتوں کی دلچسپ عکاسی اپنے مخصوص لب ولہجہ میں کی ہے۔ شررؔ کا عام طرز بیان شگفتہ اور رواں ہے لیکن ان کے خاکوں میں اسلوب کی دلکشی نمایاں نہیں۔ تخیل میں گہرائی کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ کردار کے مطالعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم مختلف المزاج کرداروں کا مطالعہ نہیں کئے جارہے ہیں بلکہ کرداروں میں ایک قسم کی یکسانیت کا احساس ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہم شرر کے ان مضامین کو فنی نقطۂ نظر سے مکمل خاکوں میں شمار نہیں کرسکتے۔ البتہ اُردو خاکہ نگاری کی تاریخ میں ابتدائی نمونے کی حیثیت سے ان کی اہمیت مسلم ہے۔ شرر کے بعد مرزا محمد ہادی رسوؔا نے ''وضع دارانِ لکھنؤ'' کے نام سے شخصیات پر مضامین کا مجموعہ شائع کیا ہے۔ ان کی پیش کش کے انداز میں جذبات، خلوص، اعتماد اور قطعیت ضرور ہے۔ لیکن اُنھوں نے شخصیتوں کی سیرت کے کسی ایک پہلو ہی کو اُجاگر کیا ہے۔ اس حیثیت سے ان کی پیش کردہ شخصی مضامین کو نیم شخصی مرقع کہنا درست ہوگا۔ رسوؔا کے بعد خواجہ حسن نظامیؔ نے دلی کی اکثر بڑی شخصیتوں کی تصویر کشی کی، جنھیں وہ قلمی چہرے کہا کرتے تھے۔ لیکن ان کی تصویروں میں شخصیت کی پوری ترجمانی نہیں۔ انھیں صرف حلیہ کہہ سکتے ہیں اور انہی کو اُنھوں نے بہت زیادہ نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تصویروں میں حرکت نہیں اور وہ بالکل سپاٹ ہیں۔ ان کے ہاں ہم کو خاکے کے اہم لوازم یعنی حلیہ نگاری، سیرت کی عکاسی، منظر نگاری، واقعہ نگاری سبھی کچھ ملتے ہیں۔ اس کے باوجود انھیں مکمل خاکہ کہنا اس لیے ممکن نہیں کہ ان شخصیتوں کا جامع خاکہ پیش کرنا حسن نظامی کا بنیادی نصب العین نہیں تھا۔ البتہ خاکے کے ابتدائی خدوخال میں حسن نظامی کی اس تصنیف کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہے گی۔ عبدالحلیم شررؔ، مرزا ہادی رسوؔا اور خواجہ حسن نظامی کی مندرجہ بالا تصانیف کو اُردو خاکہ نگاری کی تاریخ میں بنیادی اہمیت حاصل رہے گی۔ مکمل خاکے یقیناً ان تخلیقات میں ہمیں نہیں ملتے۔ لیکن یہ تخلیقات خاکہ نگاری کے کامیاب نقوش کی حیثیت کی حامل ہیں۔ اُردو میں باقاعدہ خاکہ نگاری کا آغاز مرزا فرحت اللہ بیگ کے خاکوں سے ہوتا ہے۔ جنھوں نے بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں شخصی خاکوں کی طرف توجہ کی اور شخصی خاکہ نگاری کو ایک مستقل صنف کے درجے پر پہنچادیا۔ ان کا طویل خاکہ ''نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' اُردو ادب کا ایک قابل قدر بہترین خاکہ ہے۔ عبدالحق (چند ہم عصر)، بشیرالدین ہاشمی (گفت وشنید)، آغا حیدر حسن دہلوی (پس پردہ)، عبدالماجد دریابادی (محمد علی)، محمد شفیع دہلوی (دہلی کا سنبھالاً)، خواجہ غلام السیدین (آندھی میں چراغ)، رشید احمد صدیقی (گنج ہائے گراں مایہ، ہم نفسان رفتہ اور خنداں) اور عبدالرزاق کانپوری (یادِ ایام) نے بھی شخصی خاکے تحریر کیے۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں اُردو ادب کئی نئے رجحانات وتحریکات سے اثر پذیر ہوا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر ایک منصوبے کے تحت شخصیتوں کے خاکے تحریر کیے جاتے رہے لیکن ان تخلیق کاروں کی نظر اشخاص سے زیادہ تحریک پر تھی اس لیے کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ تاہم ان کی توجہ حقیقت نگاری پر رہی۔ اس دور کے خاکہ نگاروں میں عصمت چغتائی، علی سردار جعفری، کرشن چندر، کیفی اعظمی، فکر تونسوی، ساحر لدھیانوی، سعادت حسن منٹو، شوکت تھانوی، اشرف صبوحی، مالک رام، رئیس احمد جعفری، دیوان سنگھ مفتون، غلام احمد، فرقت کاکوروی، تمکین کاظمی، چراغ حسن حسرتؔ، اعجاز حسین، محمد طفیل، علی جواد زیدی، الطاف حسین قریشی، معین الدین

دردائی،عبدالمجید سالک،شاہداحمد دہلوی،عبدالاحد خاں تخلص بھوپالی،ضیاءالدین احمد برنی،نریش کمار شاؔد،شورش کاشمیری،مجتبیٰ حسین،صالحہ عابد حسین،یوسف ناظم،خواجہ احمد فاروقی،کنہیالال کپور،قرۃ العین حیدر،مشتاق احمد یوسفی،ندا فاضلی،ضیاءالحسن فاروقی،جگن ناتھ آزاد،عوض سعید،ظہیر احمد صدیقی،وہاب عندلیب،عنوان چشتی،عرش ملسیانی،صباح الدین عبدالرحمٰن وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

غیر افسانوی اُردو نثر میں خاکہ نگاری نہایت معروف ومقبول صنف ہے۔اب اُردو میں خاکوں کے مجموعوں کا ایک وافر ذخیرہ وجود میں آچکا ہے۔لگتا ہے کہ مستقبل میں بھی یہ صنف برابر ترقی کی راہ پر گامزن رہے گی۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ خاکہ نگاری کے ابتدائی خدوخال کہاں ملتے ہیں؟

۲۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کے خاکے کا نام کیا ہے؟

8.8 خلاصہ

اس اکائی میں ہم نے خاکے کی تعریف،اس کی ماہئیت اوراس کے فن کا تفصیلی جائزہ لیا اوران امور کے بارے میں مختلف ناقدین کے خیالات سے بھی واقفیت حاصل کی۔ ہر صنف کی طرح خاکہ نگاری کے بھی کچھ فنی تقاضے ہیں۔اس اکائی میں خاکہ نگاری کے اصول و لوازمات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔خاکے کے تصور کو مزید واضح کرنے کے لئے اس کے لئے اس صنف کا بعض دیگر اصناف سے تقابل کیا گیا۔خاکے کی اقسام پر مفصل روشنی ڈالی گئی اور ساتھ ہی ساتھ اردو میں خاکہ نگاری کے اولین نقوش کی وضاحت کرتے ہوئے اس صنف کے آغاز وارتقا کا تفصیلی جائزہ بھی لیا گیا۔

8.9 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے۔

۲۔ خاکے کے اقسام پر مفصل روشنی ڈالیے؟

۳۔ اُردو میں خاکہ نگاری کی روایت پر اظہار خیال کیجیے؟

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ خاکہ کی تعریف کیجیے اوراس کی فنی خصوصیات قلمبند کیجیے؟

۲۔ خاکے کے فنی تقاضوں پر روشنی ڈالئے۔

8.10 فرہنگ

لفاظ	معانی	الفاظ	معانی
معروف	مشہور،معلوم	پیکر	صورت،شکل
صنّاع	ہُنر مند،پیشہ ور	خدوخال	شکل وصورت
ساکت	بے حرکت،خاموش	اختصار	خلاصہ،کمی

مروّج	رواج دیا گیا،	امتزاج	مِلاوٹ، آمیزش
تنظیم	ترتیب	مرقع	تصویر
تشکیل	شکل بنانا، شاخت	سرعت	جلدی، تیزی
تجویز	فیصلہ، غور وفکر	اجمال	اختصار کے ساتھ کہنا
متقاضی	تقاضہ کرنے والا، مانگنے والا	ہنوز	اب تک
توضیح	واضح کرنا	تخصیص	خصوصیت، محفوظ کرنا
ماہیئت	کیفیت، حقیقت، اصل	ابہام	صاف بیان نہ کرنا
تخلیق	طبع زاد فن پارہ	صراحت	تشریح، وضاحت
ساخت	ترکیب، بناوٹ	مستفید	فائدہ چاہنے والا، فائدہ اٹھانے والا
آراء	مشورے، خیالات	معروضی	واقعی، حقیقت پسندانہ
وحدتِ تاثُّر	ایک اثر رہنا	موسوم	بام رکھا گیا، مخاطب
بے ساختہ	برجستہ، خود بخود	مبرا	پاک، بے عیب، بری
برانگیخت	بھڑکنا، طیش میں آنا	جامع	مکمل، پورا
محاضرات	یادرکھی ہوئی باتیں یا چیزیں یعنی علمِ تاریخ	صفحۂ قرطاس	کاغذ
ذہنی افتاد	فطرت، طبیعت	انکشاف	ظاہر کرنا، کھولنا
شبیہہ	شکل، تصویر	اعتدال	نہ کمی نہ زیادتی
عیاں	ظاہر، کُھلا ہُوا	اُجاگر	ظاہر، عیاں
متعیّن	مقرّر کیا گیا	قارئین	پڑھنے والے، قاری کی جمع
قلم کار	لکھنے پڑھنے کا کام کرنے والا	آہنگ	نغمہ
ہدف	نشانہ	عکّاسی	نصویر کشی
مماثلت	مشابہت	مستند	قابلِ اعتبار
امتیاز	فرق	خاروں	خار کی جمع، کانٹوں
اصناف	صنف کی جمع	متبدّل	بدلا ہُوا
مدلّل	ٹھیک، دُرست	محاسن	اچّھائیاں

مدغم	پیوست کیا گیا	احتمال	شک،شبہ
معائب	برائیاں	پنہاں	پوشیدہ
لعن وطعن	لعنت، بُرا بھلا	طوالت	طول،لمبائی
توصیفی	خوبی،تعریفی	قطعیت	وہ امور جن پر شک وشبہ نہ ہو
وضع قطع	شکل وصورت	چشم زدن	فوراً
ترجیح	برتری،فوقیت	جلوہ نما	سج دھج کے ساتھ سامنے آنا
تخیّل	خیال،تصوّر	ترجمانی	تفسیر،شرح
نصب العین	اصلی مقصد		

8.11 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ آب حیات — محمد حسین آزاد

۲۔ اُردو نثر کا فنی ارتقا — ڈاکٹر فرمان فتح پوری

۳۔ اُردو کی ادبی اصناف — ڈاکٹر گیان چند

۳۔ اُردو ادب میں خاکہ نگاری — ڈاکٹر صابرہ سعید

☆☆☆

اکائی 9

انتخابِ خاکہ : 'سراقبال مرحوم' از رشید احمد صدیقی

اکائی کے اہم اجزا :

9.1 اغراض ومقاصد

9.2 تمہید

9.3 خاکے کی تعریف

9.4 رشید احمد صدیقی۔تعارف

9.5 ''سراقبال مرحوم''۔متن

9.6 متن کی تشریح

9.7 اکائی کا خلاصہ

9.8 نمونے کے امتحانی سوالات

9.9 فرہنگ

9.10 سفارش کردہ کتابیں

9.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ ''خاکہ'' کی تعریف کرسکیں۔

☆ خاکہ نگاری کا سرسری تعارف کراسکیں۔

☆ رشید احمد صدیقی کے خاکہ 'سراقبال مرحوم' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کرسکیں۔

☆ صنف ''خاکہ'' کی روشنی میں رشید احمد صدیقی کی خاکہ نگاری کا جائزہ لے سکیں۔

9.2 تمہید

اب اس اکائی میں ہم اردو نثر کی ایک اہم صنف ''خاکہ'' کی تعریف بیان کریں گے۔ مشہور خاکہ نگار رشید احمد صدیقی سے آپ کا تعارف کرواتے ہوئے ان کے خاکے ''سراقبال مرحوم'' کو توضیح وتشریح کے ساتھ پیش کریں گے۔

آیئے سب سے پہلے جدید اردو نثر کی ایک اہم صنف ''خاکہ'' سے آپ کو روشناس کرواتے ہیں۔

9.3 خاکے کی تعریف

جدید اردو ادب میں خاکہ نگاری ایک کامیاب صنف تسلیم کی گئی ہے۔ خاکہ اپنی ہیئت اور ٹیکنیک کے اعتبار سے ادب کی دوسری تحریروں سے مختلف ہوتی ہے۔ افسانے اور غزل کی طرح یہاں بھی اختصار کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ خاکہ میں کسی شخصیت کی قلمی تصویر پیش کی

جاتی ہے، جس میں اشاروں، کنایوں سے کام لیتے ہوئے اس شخصیت کی خوبیاں اور خامیاں اُجاگر ہو جائیں۔

خاکے کی تعریف :

خاکہ انگریزی لفظ cari cature کا ترجمہ ہے۔ اگرچہ اردو میں انگریزی کے دوسرے لفظ Sketch کو بھی خاکہ کے متبادل کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں کیری کیچر کا مفہوم یہ ہے کہ مزاحیہ انداز میں کسی شخصیت کا بیان کیا جائے جبکہ اسکیچ کے معنی ہیں کہ شخصیت کی نقل پوری آب وتاب کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے آجائے۔

خاکہ نگار اپنے قلم کی مدد سے خاکے کو مرقع کی شکل میں پیش کرتا ہے کہ شخصیت کا ظاہر اور باطن بے نقاب ہو جاتا ہے۔ خاکہ نگار میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی فرد کی ذات کی گہرائی کو الفاظ کے شیشے میں اتار لیتا ہے اور اس طرح قاری اور خاکے میں خوشگوار رشتہ قائم کر دیتا ہے۔ اس میں سیرت نگاری نہیں ہوتی۔ ہاں مزاح نگاری ضرور ہوتی ہے، جس کی مدد سے شخصیت کی کارگزاریوں کو پیش کیا جاتا ہے۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ خاکہ کسی شخص کی زندگی کا مختصر ماں ہے جو اپنی تمام تر انفرادیت اور ظاہر و باطن کے ساتھ ہمارے سامنے جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

9.4 رشید احمد صدیقی کا تعارف

رشید احمد صدیقی جونپور کے قصبہ مڑیاہوں میں ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ بعد میں جونپور بورڈنگ میں رہنے لگے۔ ہائی اسکول تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچہری میں نقل نویسی کرنے لگے ۱۹۱۵ء میں ایم۔اے۔او علی گڑھ آگئے۔

زمانہ طالب علمی ہی میں مزاحیہ مضامین لکھنا شروع کر دئے تھے۔ ان کی طرزِ تحریر میں انوکھا پن تازگی اور دلفریبی تھی۔ کئی برس تک علی گڑھ میگزین کے ایڈیٹر اور یونین سیکریٹری بھی رہے۔

۱۹۲۱ء میں شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں رشید احمد صدیقی کا تقرر بحیثیت لیکچرر ہوا۔ یہاں ۱۹۳۴ء سے ۱۹۵۷ء تقریباً ۲۳ برس تک صدر شعبہ اردو کی خدمات انجام دیں۔ بعد میں مرکزی وزارت تعلیمات میں ڈائریکٹر ہوئے۔ حکومت ہند نے آپ کی ادبی خدمات کے لئے پدم شری اعزاز سے نوازا۔

رشید احمد صدیقی کا شمار اردو کے بہترین انشا پردازوں میں ہوتا ہے۔ عربی فارسی سے آپ کی گہرائی واقفیت تھی ر۔شید صاحب طنز ومزاح نگار کی حیثیت سے بھی منفرد مقام رکھتے ہیں۔

رشید احمد صدیقی کی تصانیف میں ''خنداں''، ''مضامین رشید''، ''گنج ہائے گراں مایہ''، ''ذاکر صاحب'' اور ''ہم نفسانِ رفتہ'' قابل ذکر ہیں۔ ان کے مزاحیہ انداز بیان کا اعتراف آل احمد سرور نے اس طرح کیا ہے:

''رشید احمد صدیقی موجودہ دور کے سب سے بڑے مزاح نگار ہیں''

رشید احمد صدیقی نے ۱۹۷۷ء میں اس دارِفانی سے کوچ کیا۔

9.5 ''سرا قبال مرحوم''۔ متن

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

بڑی گرمی پڑ رہی تھی۔ دور دراز کے سفر سے واپس آ رہا تھا۔ علی گڑھ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اترا ہی تھا کہ ایک عزیز سے کہا۔ ڈاکٹر اقبالؔ کا انتقال ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے بہت تھوڑی دیر کے لئے کچھ ایسا معلوم ہوا کہ جیسے پلیٹ فارم کی ہر چیز موجود تو ہے، لیکن اس کی نہ کوئی آواز ہے اور نہ اس کی کوئی حرکت ۔ یہ بات صرف ایک آن کے لئے تھی۔ کائنات کا پھیلا نے پسینے اور پیدا کرنے والا پُر ہیبت و پُر اِسرار گراں پیکر پہیہ جو آن کی آن میں رُک کر الٹا چلنے والا معلوم ہوتا تھا، اپنے مقررہ رُخ و رفتار پر لوٹ گیا۔ زندگی اپنے تمام ہنگاموں کے ساتھ پھر رواں دواں نظر آنے لگی۔ مکان آیا۔ نہ نہانا اچھا معلوم ہوا نہ کھانے کو جی ہوا جیسے نفس اپنے مطالبات چھوڑ بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے دروازہ بند کر کے لیٹا رہا۔

ذہن نے ماضی کے اوراق ایک ایک کر کے پلٹنا شروع کر دئے، طِفولیت کا زمانہ یاد آیا، جب اقبالؔ کے اشعار چھٹپنے کی دوستی کی طرح مزیدار جانثار معلوم ہوتے تھے اور خود اقبالؔ کا یہ تصوّر تھا کہ وہ جو اشعار کہتے ہیں انہیں میں رہتے ہیں، اقبالؔ کی صورت وہی ہوگی جو میرے اپنے تصوّرات کے عمل سے پیدا ہوئی تھی۔ بہت اچھی سی، بہت چاہی جانے والی، جادوگروں جیسی، کچھ عجیب سی!

یہ بات بھی کچھ عجیب نہیں ہے کہ اب بھی جب کہ اِدراک و شعور ایک گونہ مکمّل ہو چکا ہے، اچھے اشعار کا مجھ پر وہی اثر ہوتا ہے جو بچپن میں ہوتا تھا۔ معنی و مطلب کے تیقن ہونے کے بعد ہی تھوڑی دیر کے معلوم نہیں کیا چیز، تصورات کو معلوم نہیں کہاں کہاں لئے پھرتی ہے۔ وہی افسانہ و افسوں، وہی روشنی و تاریکی، لذت و اذیت، خوف و اُمید جو بچپن میں پیدا ہوتے تھے اب بھی بیدار ہو جاتے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں لئے پھرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں۔

۱۹۲۵ء میں مرحوم سے ملنے لاہور گیا تھا۔ اقبالؔ کے کلام میں جو باتیں بچپن کے تجسّس میں دلچسپ معلوم ہوتی تھیں، اب تجزیہ کی زد میں نا قابلِ فہم ہونے لگی تھیں۔ میں صرف پڑھنے اور اپنے طور پر لُطف لینے کی منزل سے گزر چکا تھا۔ اب پڑھانے کو پُر فکر و پُر لطف بنانے کا فرض عائد تھا۔ شعر میں شاعر غالبؔ نظر آتا تھا اور ہر دلآویزی تاثرات پر ہی نہیں بلکہ فکر و تجزیہ کی صورت و صداقت پر منحصر معلوم ہوتی تھی۔ یہ وہ مرحلہ تھا، جہاں میں نے محسوس کیا کہ خود شاعر کو دیکھا جائے، اس کے اشعار ہی سے نہیں بلکہ اس کی شخصیت سے بھی ربط پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ شاعر اپنے ترنگ میں جو چاہتا ہے کر دکھاتا ہے یہ تو نسبتاً آسان ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کی ترنگ یا تذبذب سے کس طرح عہد برآ ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہی جذبات کی ترجمانی کر سکتا ہے یا دوسروں کی تشفّی بھی کر سکتا ہے۔

غالباً دن کے دس بجے ہوں گے، میں مرحوم کی کوٹھی پر پہنچا۔ کپڑے پہن کر کسی مقدمے کی پیروی میں جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ سیاہ عقدہ (بو) باندھتے، کالر درست کرتے ہوئے برآمد ہوئے۔ گھٹا ہو جسم، چوڑی چکل ہڈیاں، مردانہ انداز، آنکھوں کی ساخت اور مونچھوں کی وضع کسی قدر تو اپنوں جیسی۔ سوٹ بڑا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مسکرانے میں آنکھوں کے گوشوں میں جھرّیاں پڑی تھیں جن سے ذکاوت و ملاطفت کا اظہار ہوتا تھا۔ بڑی خوش دلی اور شفقت سے ہاتھ ملایا اور کسی قدر دیر تک ہاتھ میں ہاتھ لئے رہے۔ بھاری بھرکم لہجے میں بولے، آپ ہیں جی صدیقی صاحب! میں اقرار کرتا ہوں کہ مرحوم کا ڈیل ڈوں اور ان کا حلیہ دیکھ کر متحیّر اور مرحوم کے اندازِ تخاطب اور لہجہ سے کسی قدر دل گرفتہ ہوا۔ اتنے میں نوکر کو آواز دی اور پنجابی میں قلم لانے کو کہا، قلم کا تلفظ سُن کر میں گھبرا اٹھا۔ علی گڑھ میں پنجابی تلفظ سے آشنا ہو چکا تھا۔ لیکن ذہن میں معلوم نہیں کیوں یہ بات جم گئی تھی ڈاکٹر اقبالؔ اس طرح کی معذوریوں سے مستثنیٰ ہوں گے، لیکن میں کیا بتاؤں کہ اپنی پہلے سے بنائی ہوئی بہشت کو یوں درہم برہم ہوتے ہوئے دیکھ کر مجھ پر جو اثر جس درجہ ہونا چاہیئے تھا وہ نہ ہوا۔ مرحوم کچھ اس انداز

سے ملے اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ خود ان نے تلفظ میں کچھ ایسا خلوص اور ان کے ہاتھ ملانے میں وہ شفقت اور نا قابلِ بیان مروت و مرتب تھی کہ میں سب کچھ بھول گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ اقبالؔ ایسے نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ جیسے ایک نیا تجربہ بڑا اچھا حاصل ہوا۔ جس کا میں مستحق ضرور تھا گو اس کا منتظر نہ تھا۔ جیسے مجھے ایک نئی حس تفویض ہوئی جس کو چھین لیا جاتا تو میں کوئی بڑی کمی محسوس کرنے لگتا۔

تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں آ بیٹھے۔ علی گڑھ کا حال دریافت فرماتے رہے۔ آواز بھاری تھی لیکن بُلند ہونے کے ساتھ ساتھ زور اور صفائی بڑھتی جاتی۔ میں نے اس خود اعتمادی کے ساتھ جس میں عالمانہ اور والہانہ دونوں انداز متوازی و متوازن ہوں کم لوگوں کو گفتگو کرتے سُنا ہے۔ یہ بات مجھے ذاکر صاحب میں ملتی ہے۔ علاّمہ مرحوم کی باتیں سُنے بشرطیکہ وہ باتیں کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو فوراً محسوس ہوگا کہ ان کی باتیں صرف زبان سے نہیں ادا ہوتی تھیں اور وہ صرف اپنے الفاظ اور فقروں پر نہیں بھروسہ کرتے تھے، بلکہ وہ باتیں کہیں دور سے اور بڑی گہرائی سے آتی تھیں۔ ان کی گفتگو حشو و زائد سے قطعاً پاک ہوتی تھی۔ ان کی بحث اتنی واضح اور جامع ہوتی تھی کہ وضاحت و جامعیت بجائے خود ضائع و بدائع معلوم ہونے لگتی تھیں۔ گفتگو کرنے میں ان کی آنکھیں نصف سے بھی کچھ کھلی رہتی تھیں۔ البتہ جب گفتگو میں گرمی اور روانی پیدا ہو جاتی تھی تو آنکھیں پوری کھل جاتی تھیں اور چہرہ پر خون کی سُرخی جھلکنے لگتی تھی۔

اسی شام کو دوسری ملاقات ہوئی اتفاق سے اس وقت ایک نوجوان شاعر آ گئے جو کچھ دیر تک اپنا فارسی کلام سُناتے رہے۔ ان کی شاعری اور لہجہ دونوں پر جدید ایرانی رنگ غالب تھا۔ کچھ اور لوگ بھی آ گئے۔ نوجوان کی گفتگو میں تعلّی زیادہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی مسلسل خاموشی کسی قدر بیزاری میں تبدیل ہونے لگی تھی۔ کچھ دیر تو بیٹھے رہے اس کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے صحبت ختم ہوگئی صرف دو چار اصحاب بیٹھے رہ گئے اندر سے دیر میں برآمد ہوئے چہرے پر اب بھی انقباض طاری تھا تھوڑی دیر تک حقّہ ٹھہر ٹھہر کر کش لیتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا، نعمت کے مطابق انسان کو ظرف نصیب نہ ہو تو نعمت لعنت بن جاتی ہے۔ اس کے بعد کچھ اور لوگ آ گئے۔ اب طبیعت بحال ہوگئی تھی۔ ہر ایک سے پُرسش حال کرتے۔ وہ بھی اس طور پر نہیں کہ موسم اچھا ہے یا بُرا۔ رسمی باتیں تو وہ کرنا ہی نہ جانتے تھے۔ ہر ملنے والے سے اس کے مشاغل اور اس کا مخصوص دکھ سکھ سنتے۔ لوگ مرحوم کے حلقے میں معتقدین کی حیثیت سے ڈرے لہجے نہیں بیٹھتے تھے۔ بلکہ محبت اور بے تکلفی کی فضا ہوتی تھی۔ ہر شخص مرحوم کی باتیں بڑی گہری توجہ سے سُنتا اور خود بھی بے تکلفی سے اپنی سُناتا۔

دوسرے دن پھر مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آج کہیں جانا نہ تھا اس لئے بڑے اطمینان اور بے تکلفی سے باتیں شروع کیں۔ اس زمانے میں اقبالؔ کے نظریۂ فوق البشر کا بڑا چرچا تھا بعض باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں، اس لئے اس پر میں نے خاص طور پر اپنے شبہات کا اظہار کیا مرحوم نے بڑے ہی عالمانہ انداز سے اور انتہائی خوش دلی اور خود اعتمادی کے ساتھ، جو اُن کی سیرت کا بڑا ہی گراں قدر پہلو تھا، اظہارِ خیال کرنا شروع کیا۔ مجھے اس وقت جو چیز سب سے عجیب اور خوش آئند معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو مرحوم کس خوبی سے واضح کرتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے متازعہ فیہ مسئلہ میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں۔ مخلصانہ نقطۂ نظر کی یہ کرامت ہے کہ ناگہانی پیچیدگیوں اور نا معلوم مسائل کا حل بڑی آسانی سے سامنے آ جاتا ہے۔ اِسی محبت میں عورتوں کا درجۂ فوق البشر، بعثت نبوی کا وقت اور فقہِ اسلامی میں اجتہاد کے مسائل پر تقریباً تمام دن گفتگو فرماتے رہے۔ میں نے اس بحث کا خلاصہ اپنے بعض گزشتہ مضامین میں جہاں تہاں کیا ہے، لیکن ایک بات جس کا اعادہ میں بار کرتا رہا وہ یہ ہے کہ مرحوم کو صرف شاعر سمجھ لینا یا یہ کہ ان کے خیالات یا تصورات تمام کے تمام ان کے کلام میں مقید ہو چکے ہیں بڑی غلطی ہے۔ مرحوم کی فکر و نظر کا بہت کم حصّہ ان کے کلام میں منتقل ہوا ہے۔ وہ بہت کچھ جانتے تھے اور

یہی نہیں، بلکہ اکثر کچھ ایسا بھی محسوس ہوا جیسے بعض بالکل ہی نئی باتیں دورانِ گفتگو میں ان پر کسی کوشش کے بغیر منکشف ہوگئیں۔

فقہ اسلامی میں اجتہاد کے مسئلہ پر وہ انگریزی میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ مسودہ بھی ٹائپ ہو چکا تھا اور کافی ضخیم تھا۔ فرمایا ان مسائل پر میں بعض مستند علماء سے تبادلۂ خیالات کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے نزدیک کون لوگ ایسے ہیں، جن سے رجوع کرنا سودمند ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس کوچہ سے نابلد ہوں۔ اس کے علاوہ کچھ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے بیشتر علماء دین سے تو پورے طور پر واقف ہوتے ہیں۔ لیکن موجودہ عہد کے اکثر مسائل کچھ ایسے پیچ در پیچ ہوتے ہیں اور ماہرین فن ہی کے پیدا کئے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان پر ہمارے علمائے کرام مناسب رائے قائم کرنے سے معذور رہتے ہیں، جب تک متنازعہ فیہ مسئلہ کی ماہیئت نہ معلوم ہو اس وقت تک ان پر صحیح حکم لگایا کیسے جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے مسائل کی جو نوعیت ہے، اگر اس پر مولانا ابوالکلام آزاد صاحب اور مولانا سیّد سلیمان ندوی صاحب سے کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ مرحوم نے یہ فرمایا کہ وہ ان دونوں بزرگوں سے تبادلۂ خیالات کر رہے ہیں۔ یا کریں گے۔ اتنا البتہ یاد ہے کہ دونوں کے بارے میں مرحوم نے بہت اچھے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ وہ خطوط کا جواب جلد سے جلد دیتے اور جب تک بینائی نے ساتھ دیا ہر خط کا جواب نہایت واضح اور جامع ہوتا۔ وہ مشکل سے مشکل اور نازک سے نازک مسئلہ میں بھی بڑی صاف گوئی سے کام لیتے۔ بڑے آدمیوں کی طرح ان میں یہ کمزوری نہ تھی کہ جوابات ایسے ہوں کہ موقع بے موقع کرّا کے نکل جانے کا امکان باقی رہے۔ ان کو اپنے خیالات پر بڑا اعتماد۔ اس کا سبب میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ وہ مفلسی، مفکر اور مقنّن ہونے کے علاوہ بڑے اچھے وکیل (بیرسٹر) بھی تھے۔ وہ جو کچھ کہتے یا لکھتے ان میں جذبات کو اتنا نہیں جتنا کہ فکر و تدبر کو دخل ہوتا۔ چنانچہ ان کی تحریر و تقریر دونوں میں ایک اچھے قانون داں اور اچھے وکالت کرنے والے کا منقطی ربط ہوتا ہے۔

اقبالؔ زندہ تھے تو اطمینان رہتا تھا کہ کوئی نہ کوئی موقع نکال کر ان سے مل آؤں گا اور اس کا یقین تھا کہ ان سے کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور معلوم ہوگی جو میری ذہن کی استعداد کو شگفتہ کرے گی اور دل کے ولولوں کو بڑھائے گی۔ ذہن کی کچھ الجھنیں تھیں جن کے بارے میں یقین تھا کہ ڈاکٹر اقبالؔ انہیں سلجھا دیں گے۔ کبھی محنت و مطالعہ سے بچنے کے لئے دل کو بہلا لیا کرتا کہ دماغ پاشی کیوں کی جائے۔ کسی دن ڈاکٹر اقبالؔ سے جا کر اپنا اطمینان کر لوں گا۔

جس وقت وفات کی خبر ملی تو معلوم ہوا کہ وہ تمام ذہنی تصوّرات جن میں بعض دھندلے تھے اور بعض گریز پا اور جن پر تعمیر کھڑی کر لینا میری زندگی کی کرامات میں سے ہوتا۔ اقبالؔ کے اٹھ جانے سے سب کے سب درہم برہم ہو گئے۔ اب نہ وہ ولولہ رہا کہ پھر سے ان کا تعین کیا جائے اور نہ یہ اُمید کہ اقبالؔ جیسا رفیق و رہبر ملے گا جو ان کی تشکیل و تزئین میں مدد دیگا۔

اقبالؔ کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ وہ اکثر ایسی باتیں بتا دیتے تھے اور اس طرح سے بتا دیتے کہ اس ایک سے بے شمار نئی اور عجیب باتیں از خود برآمد ہونے لگتی تھیں اور کم سے کم مجھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں ان کی اس ایک بات سے بہت سی دوسری باتیں نکال سکتا تھا۔ پھر لطف یہ کہ دوسری باتیں اصل بات سے کوئی واسطہ براہِ راست نہ رکھتی تھیں۔ ان کی بتائی ہوئی باتیں نہ صرف نئے راستے کھول دیتی تھیں، بلکہ ان راستوں پر مجاہدانہ و مجتہدانہ امتیاز سے گرم رفتار ہونا بھی آسان اور دلچسپ ہو جاتا تھا۔

اقبالؔ دوسروں کی نزدیک کیسے ہی کچھ نہ ہوں میرے لئے تو وہ بہت کچھ تھے۔ میں تو یہاں تک سمجھتا ہوں کہ بہت سے مقامات پر وہ خود اپنے آپ کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اگر یہ شاعری ہے تو پیمبری کیا ہے؟ اور پیغمبری ہے تو شاعری کا کیا درجہ ہے؟

9.6 متن کی تشریح

''سر اقبالؔ مرحوم'' خاکے کا آغاز رشید احمد صدیقی نے اس شعر سے کیا ہے۔

''جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان''

بیک وقت علاّمہ اقبالؔ کی شخصیت شبنم اور طوفان کا سا اثر رکھنے والی تھی۔ ایسی عظیم شخصیت کے انتقال کی افسوس ناک خبر رشید احمد صدیقی کو علی گڑھ کے پلیٹ فارم پر دور دراز کے سفر سے آتے ہی ہوگی۔ ایک پل کے لئے ان کی کیفیت دنیا کے تھم جانے جیسی ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد دنیا اپنی ڈگر پر لوٹنے لگی۔ یادوں اور ملاقاتوں کا سلسلہ ان کے ذہن میں بازگشت کرنے لگا۔ اس سے اقبالؔ اور رشید احمد صدیقی کے دیرینہ تعلقات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اوائل عمر ہی سے رشید صاحب کلامِ اقبال کے شیدائی تھے۔ عہدِ شباب میں بھی یہ کیفیت برقرار رہی۔

رشید احمد صدیقی ۱۹۲۵ء میں اقبالؔ سے ملاقات کرنے لاہور گئے تھے۔ اس وقت اقبالؔ ایک مقدمے کی پیروی کے لئے عدالت جانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ رشید صاحب نے الفاظ کے ذریعہ اقبالؔ کی شبیہہ کچھ اس طرح سے پیش کی ہے ''گٹھا ہوا جسم، چوڑی چکلی ہڈیاں، مردانہ انداز، آنکھوں کی ساخت اور مونچھوں کی وضع کسی قدر تورانیوں جیسی، سوٹ بڑا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مسکرانے میں آنکھوں کے گوشوں میں جھریاں پڑتی تھیں، جن سے ذکاوت و ملاطفت کا اظہار ہوتا تھا''

بڑی شفقت اور گرم جوشی سے ملاقات کی۔ گفتگو کا انداز پنجابی اثر سے لبریز تھا، جس میں عالمانہ اور والہانہ انداز تھا۔ اقبال گفتگو بڑی متانت اور جامعیت کے ساتھ کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں ''میں اقرار کرتا ہوں کہ مرحوم کا ڈیل ڈول اور ان کا حلیہ دیکھ کر متحیر اور مرحوم کے اندازِ تخاطب اور لب ولہجہ سے کس قدر دلگرفتہ ہوا....، قلم کا تلفظ سنکر گھبرا گیا۔

ان کے پنجابیت سے بھرپور لب ولہجہ کا جو تاثر رشید احمد صاحب پر ہوا اس کا اظہار انہوں نے برے غیر جانب دارانہ انداز میں کیا ہے۔

اقبالؔ کو تعلّی بالکل پسند نہ تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ نعمت کے مطابق انسان کو ظرف بھی نصیب ہونا چاہیئے، ورنہ نعمت، لعنت بن جاتی ہے۔ اقبالؔ دقیق اور پُر پیچ معاملات کو بھی دورانِ گفتگو بڑی آسانی سے سلجھا دیتے تھے۔ اقبالؔ کا مطالبہ اور مشاہدہ بے حد وسیع تھا۔ اسلامی فقہ میں ان کی اسقدر قابلِ تعریف تھی اور اگر کہیں شک وشبہہ کی گنجائش ہوتی تو انہیں کسی عالم کی جستجو اور صلاح میں کوئی تامل نہ تھا۔ ڈاکٹر اقبالؔ خطوط کے جواب میں تاخیر پسند نہیں کرتے تھے۔

رشید احمد صدیقی نے ''سر اقبال مرحوم'' مختصر سے خاکے میں اقبالؔ کی خوبیوں اور خامیوں کا اعتراف بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے۔

رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں ''نازک سے نازک مسئلے میں بھی بڑے صاف گوئی سے کام لیتے بڑے آدمیوں کی طرح ان میں یہ

کمزوری نہ تھی کہ جوابات ایسے ہوں کہ موقع بے موقع کرّا کر نکل جانے کا امکان باقی رہے ان کو اپنے خیالات پر بڑا اعتماد ہوتا''

بہت سے مسائل جو رشید صاحب کے لئے ذہنی الجھاؤ کا سبب ہے، وہ اقبال سے مل کر سلجھا لیتے تھے اور جوان کے دل میں یہ تسقی رہی تھی کہ چاہیں گے اقبال سے مل کر اپنی تشنگی دور کر دینگے لیکن ان کے انتقال کے سبب اب یہ ممکن نہیں۔ اقبال کی گفتگو نئی راہیں کھولتی تھی، جن پر چلنا آسان ہوتا۔ اس طرح رشید احمد صدیقی کے لئے اقبال کسی پیغمبر سے کم نہیں تھے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ خاکہ کی تعریف کرتے ہوئے، اس کی اہم فنی خصوصیات بیان کیجیے۔

۲۔ اقبالؔ کی شخصیت کی اہم خصوصیات ''سرِ اقبال مرحوم'' خاکے کی روشنی میں لکھئے۔

9.7 اکائی کا خلاصہ

رشید احمد صدیقی نے سرِ اقبال مرحوم کے عنوان سے جو علاقہ اقبالؔ کا خاکہ تحریر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے شاعرِ اعظم کی شخصیت کا خاکہ بڑی گہرائی اور گہرائی کے ساتھ کیا ہے۔ موصوف نے اقبالؔ کی ظاہری اور باطنی دونوں خصوصیات کے ساتھ ساتھ کچھ کمیوں کی جانب بھی غیر جانب دارانہ انداز میں لکھا ہے۔ اس میں رشید احمد صدیقی نے شاعرِ مشرق کی جسمانی ساخت، رہنے سہنے کا انداز طرزِ گفتگو وغیرہ کو کچھ اس طرح سے پیش کیا ہے کہ ان کی شخصیت پوری آب وتاب کے ساتھ قاری کے سامنے آجاتی ہے۔ ان کی وضع قطع، اخلاق وغیرہ کے ساتھ اقبالؔ کی شاعرانہ عظمت، قابلیت مطالعہ کی گہرائی کا نقشہ بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ فلسفی، مفکر ہونے کے باوجود اقبالؔ دوسرے عالم وفاضل لوگوں کی دل سے قدر کرتے تھے اور اس سلسلے میں دوسروں سے مشہورہ بھی قبول کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ ان کی شخصیت میں خودستائی نام کو بھی موجود نہیں تھی۔ اس سلسلے میں اگر دوسرے لوگ بھی اپنی تعریف آپ کرتے تو وہ انہیں ناگوار گزرتی تھی۔ کبھی کبھی متنازعہ معاملات میں لوگ بچ کر نکل جاتے ہیں، لیکن اقبالؔ کی یہ خوبی تھی کہ وہ بیباکانہ طور پر اپنی رائے کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔

اقبالؔ مشکل معاملات میں جہاں دوسروں کی الجھنوں کو سلجھاتے تھے، وہیں دوسری جانب اگر انہیں بذاتِ خود دوسروں کی رائے درکار ہوتی تو بلا تامل دوسروں سے مشورہ بھی کرتے۔ ایسی شخصیت کا دنیا سے جانا رشید احمد صدیقی کے خیال میں ان کے لئے ایسا نقصان تھا ،جس کی بھرپائی ممکن تھی۔ اس طرح رشید احمد صدیقی کا یہ خاکہ بہترین خاکوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

9.8 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ رشید احمد صدیقی کے خاکہ ''سرِ اقبال مرحوم'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۲۔ اقبالؔ کی شخصیت کی اہم خصوصیات ''سرِ اقبال مرحوم خاکے'' خاکے کی روشنی میں لکھیے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ اخاکہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے، اس کی اہم خصوصیات کی نشاندہی کیجیے۔

۲۔ رشید احمد صدیقی کی خاکہ نگاری کی خصوصیات لکھیے۔

9.9 فرہنگ

لفاظ	معانی	الفاظ	معانی
جگر	کلیجہ	لالہ	خوشنما پھول جس کی تہہ میں کالے رنگ کا داغ ہوتا ہے
شبنم	اوس	عزیز	رشتے دار
آن	لمحہ	پُر ہیبت	ڈراونہ
پُراسرار	رازوں سے بھرا ہوا	پیکر	جسم
نفس	سانس	مطالبات	مانگ، مطالبہ کی جمع
اوراق	ورق کی جمع	طفولیت	بچپن
جاں نثار	جان قربان کرنے والا	تصورات	خیالات
تیقن	یقین	افسانہ	کہانی
افسوں	جادو	اذیت	تکلیف
تجسّس	تلاش جستجو	نا قابل فہم	جو سمجھ میں نہ آئے
پُرفکر	فکر سے بھرا ہوا	پُر لطف	لطف سے بھرا ہوا
عائد	مقرر کرنا	غالب	طاقت ور
تاثرات	احساسات	صداقت	سچائی
تذبذب	کشمکش، پس وپیش	تشفی	تسلی
پیروی	تقلید	ساخت	بناوٹ
گوشوں	کونوں، پہلوؤں	ذکاوت	عقل مندی
ملاطفت	کرم	اقرار	ہاں
متحیر	حیران	دلگرفتہ	رنجیدہ
تفویض	سونپنا	خوداعتمادی	خود پر بھروسا
عالمانہ	علمیت سے بھرپور	والہانہ	بے ساختہ محبت
متوازی	برابر	وضاحت	کھول کر بیان کرنا
صنائع وبدائع	کلام کو سجانے والی صنعتیں	نصف	آدھا

تعلق	خودستائی	اصحاب	ساتھی
اِنقباض	قبض کے آثار بیزاری	نعمت	انعام
ظرف	حوصلہ	معتقدین	ماننے والے،اعتماد رکھنے والے
شبہات	شک	منکشف	کھلنا
وصف	خوبی		

9.10 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ اردو کے منتخب خاکے — یوسف ناظم

۲۔ اردو اب میں خاکہ نگاری — ڈاکٹر صابرہ سعید

۳۔ چند ہم عصر — مولوی عبدالحق

۴۔ اردو نثر کا فنی ارتقا — ڈاکٹر فرمان فتحپوری

☆☆☆

اکائی 10

انتخابِ خاکہ : ''گدڑی کال۔نورخاں'' از ڈاکٹر مولوی عبدالحق

اکائی کے اہم اجزا :

10.1 اغراض ومقاصد

10.2 تمہید

10.3 مولوی عبدالحق۔تعارف

10.4 ''گدڑی کالال۔نورخاں'' ۔متن

10.5 متن کی تشریح

10.6 اکائی کا خلاصہ

10.7 نمونے کے امتحانی سوالات

10.8 فرہنگ

10.9 سفارش کردہ کتابیں

10.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ خاکہ نگار کی شخصیت سے واقف ہوسکیں۔

☆ عبدالحق کے خاکے ''گدڑی کالال۔نورخاں'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کرسکیں۔

☆ صنف خاکہ کی روشنی میں مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری کا جائزہ لے سکیں۔

10.2 تمہید

اس اکائی میں مشہور خاکہ نگار مولوی عبدالحق کا تعارف کرواتے ہوئے ان کے خاکے ''گدڑی کالال ۔نورخاں'' کو توضیح وتشریح کے ساتھ پیش کریں گے۔

آیئے سب سے پہلے جدید اردو نثر کی ایک اہم صنف خاکہ سے آپ کو روشناس کرواتے ہیں۔

10.3 مولوی عبدالحق۔تعارف

مولوی عبدالحق کا نام اردو خاکہ نگاری کی تاریخ میں بے حد اہمیت کا حامل ہے۔بیسویں صدی کے اوائل عرصے میں ہی موصوف خاکہ کی جانب متوجہ ہوئے۔مولوی عبدالحق نے متعدد خاکے لکھے ہیں ان کے خاکوں کے کئی مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ان میں ''چند ہم عصر'' کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔

مولوی عبدالحق کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے جہاں ایک بلند مرتبہ شخصیتوں کے خاکے تحریر کئے ہیں۔ وہیں انہوں غیر اہم شخصیتوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ ''گدڑی کا لال۔نورخاں'' اس کی بہترین مثال ہے۔مولوی عبدالحق نے اپنے خاکوں کے ذریعے قلمی تصویروں میں ایسے رنگ بھرے ہیں گویا الفاظ میں جان ڈال دی ہو۔مولوی عبدالحق نے اپنے تمام تر خاکے غیر جانب دارانہ انداز میں تحریر کئے ہیں۔ ان کے خیالات میں سنجیدگی، شگفتگی محا، وروں کا استعمال وغیرہ خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

مولوی عبدالحق نے اپنے موضوعات میں مختصر سوانح بھی مربوط انداز میں بیان کر دئے ہیں جس وجہ سے ان کے خاکوں میں آورد کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔مولوی عبدالحق کے خاکے ان کی صاف ستھری زبان، سادہ اسلوب اور ہلکے تبسم خیز مزاح کے سبب خاص ادبی اہمیت رکھتے ہیں۔

10.4 ''گدڑی کا لال : نورخاں'' ۔متن

لوگ بادشاہوں اور امیروں کے قصیدے اور مرثیے لکھتے ہیں ۔ نامور اور مشہور لوگوں کے حالات قلم بند کرتے ہیں۔ میں ایک غریب سپاہی کا حال لکھتا ہوں، اس خیال سے کہ شاید کوئی پڑھے اور سمجھے کہ دولت مندوں، امیروں اور بڑے لوگوں ہی کے حالات لکھنے اور پڑھنے کے قابل نہیں ہوتے بلکہ غریبوں میں بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی ہمارے لئے سبق آموز ہوسکتی ہے۔انسان کا بہترین مطالعہ انسان ہے اور انسان ہونے میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں ہے ۔

''پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی ایک شان ہے۔''

نورخاں مرحوم کنجٹ کے اول رسالے میں سپاہی سے بھرتی ہوئے۔انگریزی افواج میں حیدرآباد کی کنجٹ خاص حیثیت اور امتیاز رکھتی تھی۔ ہر شخص اس میں بھرتی نہیں ہوسکتا تھا۔ بہت دیکھ بھال ہوتی تھی۔بعض اوقات نسب نامے تک دیکھے جاتے تھے۔تب کہیں جا کر ملازمت ملتی تھی۔کوشش یہ ہوتی تھی کہ صرف شرفا اس میں بھرتی کیے جائیں۔یہی وجہ تھی کنجٹ والے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔لیکن بعد میں یہ قید بھی اٹھ گئی اور اس میں اور انگریزوں کی دوسری فوجوں میں کوئی فرق نہ رہا۔ بات یہ ہے کہ اشرف کا سنبھالنا بہت مشکل کام ہے۔اس میں ایک آن بان اور خودداری ہوتی ہے جو بہادری اور انسانیت کا اصل جوہر ہے۔ ہر کوئی اس کی قدر نہیں کرسکتا۔اس لئے شریف روتا اور ذلیل ہنستا ہے۔ یہ جتنا پھیلتا ہے وہ اتنا ہی سکڑتا ہے۔کرنل نواب اصغر الملک بہادر بھی نورخاں مرحوم ہی کے رسالے کے ہیں۔کنجٹ کے بہت سے لوگ اکثر تو کرنل صاحب موصوف کے توسط سے اور بعض اور ذرائع سے حیدرآباد ریاست میں آکر ملازم ہوگئے۔ان میں بہت سے بہت سے نواب، کرنل، میجر، کپتان اور بڑے عہدیدار ہیں۔لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کوئی نورخاں بھی ہے؟

اوّل رسالے کے بعض لوگوں سے بعض لوگوں کو معلوم ہوا کہ خان صاحب مرحوم فوج میں بڑی آن بان سے رہے اور سچائی اور فرض شناسی میں مشہور تھے۔ یہ ڈرل انسٹرکٹر تھے۔یعنی گوروں کو جو نئے بھرتی ہوکر آتے تھے ڈرل سکھاتے تھے۔اس لئے اکثر گورے افسروں سے واقف تھے۔وہ بڑے شہ سوار تھے۔گھوڑے کو خوب پہچانتے تھے۔ بڑے بڑے سرکش گھوڑے جو پٹھے پر ہاتھ نہ دھرنے دیتے تھے۔انہوں نے درست کئے۔گھوڑے کے سدھارنے اور پھیرنے میں انہیں کمال تھا۔ چوں کہ بدن کے چھریرے اور ہلکے پھلکے تھے گھڑ دوڑوں میں گھوڑے دوڑاتے تھے اور اکثر شرطیں جیتتے تھے۔ان کے افسران کی مستعدی، خوش تدبیری اور سلیقے سے بہت خوش تھے، لیکن کھرے پن سے وہ اکثر اوقات ناراض ہوجاتے۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کمانڈنگ افسر نے کسی بات پر خفا ہوکر جیسا کہ انگریزوں کا عام

قاعدہ ہے انہیں ڈیم کہہ دیا۔ یہ تو عام گالی تھی۔ خاں صاحب کسی کی ترچھی نظر کے بھی روادار نہ تھے۔ انہوں نے فوراً رپورٹ کر دی۔ لوگوں نے چاہا کہ معاملہ رفع دفع ہو جائے اور آگے نہ بڑھے مگر خاں صاحب نے ایک نہ سنی۔ معاملے نے طول کھینچا اور جنرل صاحب کو لکھا گیا۔ کمانڈنگ افسر کا کورٹ مارشل ہوا اور اس سے کہا گیا کہ خاں صاحب سے معافی مانگے۔ ہر چند اس نے بچنا چاہا مگر پیش نہ گئی اور مجبوراً اسے معافی مانگنی پڑی۔ ایسی خودداری اور نازک مزاجی پر ترقی کی توقع رکھنا باعث ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دفع داری سے آگے نہ بڑھے۔

اچھے بُرے ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ شریف افسر خاں صاحب کی سچائی، دیانت اور جفاکشی کی بہت قدر کرتے تھے۔ مگر بعض ایسے بھی تھے جن کے سر میں خنّاس سمایا ہوا تھا۔ انہیں خاں صاحب کے یہ ڈھنگ پسند نہ تھے اور ہمیشہ ان کے نقصان کے درپے رہتے تھے۔ ایسے لوگ اپنی اور قوم والوں کی خودداری کو تو جوہرِ شرافت سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر یہ جوہر کسی دیسی میں ہوتا ہے تو اسے غرور اور گستاخی پر محمول کرتے ہیں۔ تاہم ان کے بعض انگریز افسران پر بہت مہربان تھے۔ خاص کر کرنل فرن ٹین ان پر بڑی عنایت کرتے تھے اور خاں صاحب پر اس قدر اعتبار تھا کہ شاید کسی اور پر ہو۔

کرنل اسٹوارٹ بھی جو ہنگو لی چھاؤنی کے کمانڈنگ افسر تھے ان پر بہت مہربان تھے۔ رسالے کے شریف انگریز ان سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے بعد انگریز افسر تم کو بہت نقصان پہنچائیں گے۔ وہ ان کی روش سے خوش نہ تھے اور خوش کیوں کر ہوتے۔ خوشامد سے انہیں چڑ تھی اور غلامانہ اطاعت آتی نہیں تھی۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ اپنے کرنل کے یہاں کھڑے تھے کہ ایک انگریز افسر گھوڑے پر سوار آیا۔ گھوڑے سے اتر کر اس نے خاں صاحب سے کہا کہ گھوڑا پکڑو۔ انہوں نے کہا کہ میں سائیس نہیں ہوں۔ اس نے ایسا جواب کاہے کو سنا تھا۔ بہت چین بہ جبیں ہوا مگر کیا کرتا، آخر باگ ایک درخت کی شاخ سے اٹکا کر اندر چلا گیا۔ اب نہ معلوم یہ خاں صاحب کی شرارت تھی یا اتفاق تھا کہ باگ شاخ میں سے نکل گئی اور گھوڑا بھاگ نکلا۔ اب جو صاحب باہر آئے تو گھوڑا ندارد۔ بہت جھنجھلایا۔ بڑی مشکل سے تلاشکر کے پکڑوایا تو جگہ جگہ سے زخمی پایا۔ اس نے کرنل صاحب سے خاں صاحب کی شکایت کی۔ معلوم نہیں کرنل نے اس انگریز کو کیا جواب دیا۔ لیکن وہ خاں صاحب سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ تم نے خوب کیا۔ خاں صاحب نے جب یہ رنگ دیکھا تو خیر اسی میں دیکھی کہ کسی طرح وظیفہ لے کر الگ ہو جائیں۔ وہ بیمار بن گئے اور ہسپتال میں رجوع ہوئے۔ کرنل اسٹوارٹ نے ڈاکٹر سے کہہ کر ان کو مدد دی اور اس طرح وہ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر کی رپورٹ پر وظیفہ لے کر فوجی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ سچ ہے انسان کی برائیاں ہی اس کی تباہی کا باعث نہیں ہوتیں۔ بعض وقت اس کی خوبیاں بھی اسے لے ڈوبتی ہیں۔

لارڈ کرزن جب قلعہ کے اوپر بالا حصار پر گئے تو وہاں ستانے کے لیے کرسی پر بیٹھ گئے جیب سے سگرٹ دان نکال کر سگرٹ پینا چاہا۔ دیا سلائی نکال کر سگرٹ سلگایا ہی تھا کہ یہ فوجی سلام کر کے آگے بڑھے اور کہا کہ یہاں سگرٹ پینے کی اجازت نہیں ہے۔ لارڈ کرزن نے جلتا ہوا سگرٹ نیچے پھینک دیا اور جوتے سے رگڑ ڈالا۔ یہ حرکت دیکھ کر نواب بشیر نواز جنگ بہادر اور دوسرے عہدیداروں کا رنگ فق ہو گیا مگر موقعہ ایسا تھا کہ کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ لہو کے سے گھونٹ پی کر چپ رہ گئے۔ بعد میں کچھ لے دی کی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ خاں صاحب نے قاعدے کی پوری پابندی کی تھی اس میں چون و چرا کی گنجائش نہ تھی۔ اب اسے اتفاق کہیے یا خاں صاحب کی تقدیر کہ لارڈ کرزن نے جانے کے بعد ہی فنانس کی معتمدی کے لیے مسٹر دا کر کا انتخاب کیا۔ رسالے کے لیے کی حالت اس زمانے میں بہت خراب

تھی۔مسٹر واکر نے اصلاحیں شروع کیں۔اس لپیٹ میں قلعہ دولت آباد بھی آ گیا۔اوروں کے ساتھ خاں صاحب بھی تخفیف میں آ گئے۔

دولت آباد میں کچھ زمین تھی۔اس میں باغ لگانا شروع کر دیا۔مسٹر واکر دورے پر دولت آباد آئے تو ایک روز ٹہلتے ٹہلتے ان کے باغ میں بھی آ پہنچے۔خاں صاحب بیٹھے گھاس کھرپ رہے تھے۔مسٹر واکر کو آتے دیکھا تو اٹھ کر سلام کیا۔پوچھا کیا حال ہے۔کہنے لگے آپ کی جان و مال کو دعا دیتا ہوں۔اب آپ کی بدولت گھاس کھودنے کی نوبت آ گئی۔مسٹر واکر نے کہا یہ تو بہت اچھا کام ہے۔دیکھو تمہارے درخت انجیروں سے کیسے لدے ہوے ہیں۔ایک ایک آنے کو بھی ایک ایک انجیر بیچو تو کتنی آمدنی ہو جائے گی۔خاں صاحب گھبرائے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کمبخت انجیروں پر بھی ٹیکس لگا دے۔تڑ سے جواب دیا کہ آپ نے انجیر لدے ہوے تو دیکھ لے اور یہ نہ دیکھا کہ کتنے سڑ گل کر گر جاتے ہیں، کتنے آندھی ہوا سے گر پڑتے ہیں، کتنے پرند کھا جاتے ہیں اور پھر ہماری دن رات کی محنت، مسٹر واکر مسکراتے ہوئے چلے گئے۔

اس زمانے میں ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب اورنگ آباد کے صدر مہتمم تعلیمات ہو کر آئے تھے۔ڈاکٹر صاحب بلا کے مردم شناس ہیں۔تھوڑی ہی دیر میں اور چند ہی باتوں میں آدمی کو ایسا پرکھ لیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔پھر جیسا وہ آدمی کو سمجھتے ہیں ویسا ہی نکلتا ہے۔کبھی خطا ہوتے نہیں دیکھی۔ڈاکٹر صاحب ایسے قابل جوہروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔فوراً ہی اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ڈاکٹر صاحب کا برتاؤ ان سے بہت شریفانہ اور دوستانہ تھا۔نواب برزور جنگ اس زمانے میں صوبے دار تھے۔مقبرے کا باغ ان کی نگرانی میں تھا۔ڈاکٹر صاحب نے سفارش کر کے باغ سے پانچ روپے ماہانہ الونس مقرر کرا دیا۔

ڈاکٹر صاحب ترقی پا کر حیدر آباد چلے گئے۔ان کی خدمت کا دوسرا انتظام ہو گیا۔کچھ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب ناظم تعلیمات ہو گئے اور میں ان کی عنایت سے صدر مہتمم تعلیمات ہو کر اورنگ آباد آیا۔ڈاکٹر صاحب ہی نے مجھے نور خاں سے ملایا اور ان کی سفارش کی۔ڈاکٹر صاحب نے انہیں عارضی طور پر دولت آباد میں مدرس کر دیا تھا۔میں نے عارضی طور پر اپنے دفتر میں محرر کر دیا۔وہ مدرسی اور محرری تو کیا کیا کرتے مگر بہت سے مدرسوں اور محرروں سے زیادہ کارآمد تھے۔ڈاکٹر صاحب نے جب باغ کی نگرانی میرے حوالے کی تو خاں صاحب کا الونس بھی جاری ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت واقدس بعد تخت نشینی اورنگ آباد رونق افروز ہوے تو یہاں کی خوش آب و ہوا کو بہت پسند فرمایا اور عظیم الشان باغ لگانے کا حکم دیا۔یہ کام ڈاکٹر صاحب کے سپرد ہوا۔اوران سے بہتر کوئی یہ کام کر بھی نہیں سکتا تھا۔ڈاکٹر صاحب کی مہربانی سے آخر اس باغ کے عملے میں خاں صاحب کو بھی ایک اچھی سی جگہ مل گئی جو ان کی طبیعت کے مناسب تھی اور آخر دم تک وہ اسی خدمت پر رہے۔اور جب تک دم میں دم رہا اپنے کام کو بڑی محنت اور دیانت سے کرتے رہے۔

یوں محنت سے کام تو اور بھی کرتے ہیں۔لیکن خاں صاحب میں بعض ایسی خوبیاں تھیں جو بڑے بڑے لوگوں میں نہیں ہوتیں۔سچائی بات کی اور معاملے کی ان کی سرشت میں تھی۔خواہ جان ہی پر کیوں نہ بن جائے۔وہ سچ کہنے سے کبھی نہ چوکتے تھے۔اس میں انہیں نقصان بھی اٹھانے پڑے مگر وہ سچائی کی خاطر سب کچھ گوارا کر لیتے تھے۔

مستعد ایسے تھے کہ اچھے اچھے جوان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔دن ہو، رات ہو، ہر وقت کام کرنے کے لئے تیار۔اکثر دولت آباد سے پیدل آتے جاتے تھے۔کسی کام کو کہیے تو ایسی خوشی خوشی کرتے تھے کہ کوئی اپنا کام بھی اس قدر خوشی سے نہ کرتا ہوگا۔دوستی کے بڑے پکّے اور بڑے وضعدار تھے۔چونکہ ادنیٰ اعلیٰ سب ان کی عزت کرتے تھے۔اس لیے ان سے غریب

دوستوں کے بہت سے کام نکلتے تھے۔ان کا گھر مہمان سرائے تھا۔

اورنگ آباد کے آنے جانے والے کھانے کے وقت بے تکلف ان کے گھر پہنچ جاتے اور وہ ان سے بہت خوش ہوتے تھے۔ بعض لوگ مسافر بنگلے میں آ کر ٹھہر جاتے تھے۔ان کی بھی دعوت کر دیتے تھے۔بعض اوقات قلیل معاش ہونے پر ان کی یہ مہمان نوازی دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ان کی بیوی بھی ایسی نیک بخت تھی کہ دفعتاً مہمانوں کے پہنچ جانے سے کبیدہ خاطر نہ ہوتی تھی بلکہ خوشی خوشی کام کرتی اور کھلاتی تھی۔

خوددار ایسے تھے کہ کسی سے ایک پیسے کے روادار نہ ہوتے تھے۔ڈاکٹر سراج الحسن ہر چند طرح طرح سے ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے تھے۔مگر وہ ٹال جاتے تھے۔مجھ سے انہیں خاص انس تھا۔میں کوئی چیز دیتا تو کبھی انکار نہ کرتے بلکہ کبھی کبھی خود فرمائش کرتے تھے۔ مٹھاس کے بیحد شائق تھے۔ان کا قول تھا کہ اگر کسی کو کھانے کو میٹھا ملے تو نمکین کیوں کھائے۔وہ کہا کرتے تھے کہ ''نمکین کھانا مجبوری سے کھاتا ہوں۔مجھ میں اگر استطاعت ہو تو ہمیشہ مٹھاس ہی کھایا کروں۔

10.5 متن کی تشریح

مولوی عبدالحق نے ''گدڑی کا لال۔نورخاں'' کے عنوان سے نورخاں کا خاکہ قلم بند کیا ہے۔نورخاں نہ بادشاہ تھے نہ ان کا شمار رئیسوں میں ہوتا تھا، بلکہ غریب سپاہی تھے۔اسی لئے انہوں نے انہیں گدڑی کا لال کہا ہے، کیونکہ بڑے لوگوں کے حالات ہی لکھے جانے قابل نہیں ہوتے بلکہ غریبوں میں بھی بہت لوگ ایسے ہو سکتے ہیں، جن کی زندگی ہمارے لئے مثال ہو سکتی ہے۔

نورخاں انگریز فوج میں معمولی سے سپاہی تھے۔لیکن ان کی شخصیت میں آن بان اور شان موجود تھی۔وہ اپنی فرض شناسی اور سچائی کے لئے مشہور تھے۔وہ بڑے شہسوار تھے۔گھوڑوں کی پہچان اور سدھارنے میں انہیں ملکہ حاصل تھا۔

نورخاں کسی بڑے سے بڑے افسر کی غلط بات کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ایک بار ایک کمانڈنگ افسر سے خفا ہو کر انگریزوں کی عام سی گالی ڈیم کہہ دیا، خاں صاحب کو یہ گوارا نہیں ہوا۔انہوں نے اس کی شکایت جنرل سے کی اور اس کمانڈنگ افسر کا کورٹ مارشل ہو۔

نورخاں ایک دیانت دار جفاکش انسان تھے۔کچھ انگریز ان کی ان خوبیوں سے بہت خوش تھے اور کچھ انگریز افسران کے ہندوستانی ہونے کی وجہ سے ان کو ناپسند بھی کرتے تھے۔ان میں لالچ بلکل بھی نہ تھا۔ایمانداری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

غرض نورخاں میں ایسی صفات موجود نہیں، جو بڑے بڑے لوگوں میں نہیں پائی جاتیں۔خواہ جان پر ہی بن آئے یا بڑے سے بڑا نقصان اٹھانا پڑے، وہ سچائی کی خاطر سب کچھ گوارا کر لیتے تھے۔ان کی مستعدی بھی کمال کی تھی۔دوستی کے بڑے پکے تھے۔ادنیٰ و اعلیٰ سب کی عزت کرتے تھے۔نورخاں مہمان نوازی کے فن سے بھی بخوبی واقف تھے۔

اس طرح نورخاں کے خاکے میں عبدالحق نے ان تمام خوبیوں کا احاطہ کیا ہے جو کہ ایک بلند مرتبہ انسان میں ہونی چاہئے اور ایسے ہی لوگ گدڑی کا لال کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

خودجانچنے کے سوال

۱۔ مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

۲۔ نورخاں کی شخصیت کی ایسی مثالیں خاکے میں سے تلاش کیجئے جوانہیں گدڑی کا لال بناتی ہیں۔

10.6 اکائی کا خلاصہ

''گدڑی کا لال۔نورخاں''مولوی عبدالحق کا تحریر کردہ ایک بہترین خاکہ ہے۔اس خاکے میں انہوں نے ایک معمولی سے شخص کوموضوع بنایا ہے۔اس ضمن میں مولوی عبدالحق چند ہم عصر میں لکھتے ہیں:

''دولت مندوں،امیروں، بڑے لوگوں ہی کے حالات لکھنے اور پڑھنے کے قابل نہیں ہوتے بلکہ غریبوں میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی زندگی ہمارے لئے سبق آموز ہوسکتی ہے۔انسان کا بہترین مطالعہ انسان ہے اور انسان ہونے میں غریب امیر کا کوئی فرق نہیں''

''..... پھول میں اگر آن ہے کانٹے میں بھی ایک شان ہے''

اس خاکے میں عبدالحق صاحب نے ایک سپاہی نورخاں کی خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے نورخاں کنجٹنٹ کے اوّل رسالے میں ملازم تھے۔حالانکہ نورخاں معمولی سی ملازمت پر مامور تھے لیکن ان کے کردار میں بے شمار صفات موجود تھیں۔نورخاں فوج میں بڑی آن بان سے رہتے تھے۔وہ سچائی اور فرض شناسی کے لئے مشہور تھے۔بڑے سرکش گھوڑوں کو بھی قابو کر سکتے تھے اور سدھانے میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔کچھ انگریز ان کے سلیقے سے متاثر ہوکر خوش ہوتے تھے اور کچھ انگریز افسر ایک ہندوستانی میں ایسی صفات دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوتے تھے۔نورخاں کسی کی بھی غلط بات کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ایک بار ایک کمانڈنگ افسر نے انگریزی کی عام گالی (ڈیم) کا استعمال کیا تو نورخاں کو بڑا ناگوار گزرا اور انہوں نے اس انگریز افسر کی شکایت کردی۔اس کمانڈنگ افسر کا کورٹ مارشل ہوا اور اسے معافی مانگنی پڑی۔

کچھ انگریز ان کی دیانت جفاکشی اور سچائی کی قدر کرتے تھے اور کچھ انہیں ناپسند کرتے تھے۔ان پر کرنل فرن ٹین اور کرنل اسٹورٹ کی خاص مہربانی تھے۔ان کا ماننا تھا،بعض انگریز افسر تمہیں بہت نقصان پہنچائیں گے، کیونکہ کئی بار انسان اپنی خامیوں کی وجہ سے مات نہیں کھاتا، بلکہ اپنی خوبیوں سے بھی مات کھاتا ہے اور یہی نورخاں کے ساتھ بھی ہوا کئی بار ان کی یہ خوبیاں ہی انہیں لے ڈوبیں۔

نورخاں اپنے اصولوں کے پکے بھی تھے۔ایک بار انگریز نے ان سے گھوڑے کی رسّی پکڑنے کے لئے کہا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے صاف منع کردیا کہ میں سائیس نہیں ہوں۔

وہ حساب کے اور بات کے کھرے تھے وہ خلوص اور زندہ دلی کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔مہمان نوازی میں بھی بے مثال تھے۔ان کی زندگی بے لوث تھی۔انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ دوسروں کی بے لوث خدمت میں گزارا۔

مجموعی اعتبار سے بے شمار خصوصیات کا حامل گدڑی کا لال نورخاں کا کردار ہے۔اگر ایسے اچھے انسان کسی قوم میں ہوں تو وہ قوم بے مثال قوم بن سکتی ہے۔

10.7 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ سوال کا جواب تیس (۳۰) سطروں میں دیجیے۔

۱۔ مولوی عبدالحق کے خاکے ''گدڑی کا لال۔نورخاں'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات پندرہ (۱۵) سطروں میں دیجیے۔

۱۔ اعبدالحق کی خاکہ نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

۲۔ نورخاں کی شخصیت کی ایسی مثالیں خاکے میں تلاش کیجیے جوانہیں گدڑی کا لال بناتے ہیں۔

10.8 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
قصیدے	شاعری کی ایک صنف،تعریفی کلمات	مرثیے	شاعری کی ایک صنف،مرنے والے کی تعریف،واقعۂ کربلا کا بیان
قلم بند	لکھنا،ضابطۂ تحریر میں لانا	سبق آموز	جس سے نصیحت لی جائے
افواج	فوج کی جمع	رسالہ	ٹکڑی
اوقات	وقت کی جمع	امتیاز	فرق
جوہر	خوبی	حسب نامہ	خاندانی شجرہ
کمانڈنگ افسر	احکامات جاری کرنے والے افسر	شہسوار	گھڑسوار
کورٹ مارشل	فوجی مقدمہ	دیانت داری	ایمانداری
جفاکشی	محنتی	عنایت	کرم
اطاعت	فرمابرداری	سائس	گھوڑے کی دیکھ بھال کرنے والا
باگ	لگام	ندارد	غائب ہونا
وظیفہ	پینشن	مہتمم تعلیمات	تعلیم کا انتظام کرنے والا
قلیل معاش	کم آمدنی	مرنج ومرنجان	زندہ دل

10.9 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ اردو کے منتخب خاکے — یوسف ناظم

۲۔ اردو ادب میں خاکہ نگاری — ڈاکٹر صابرہ سعید

۳۔ چند ہم عصر — مولوی عبدالحق

۴۔ اردو نثر کا فنی ارتقاء — ڈاکٹر فرمان فتحپوری

☆☆☆

اکائی 11

خطوط نگاری : فن اور اہمیت

اکائی کے اہم اجزا :

11.1 اغراض ومقاصد

11.2 تمہید

11.3 خطوط نگاری: تعریف اور فن

11.4 خط کے اجزا

11.5 خطوط نگاری کے اقسام

11.6 مختلف خطوط کے نمونے

11.7 خطوط نگاری کے اصول

11.8 خطوط نگاری کی اہمیت

11.9 خطوط نگاری میں اسلوبِ نگارش کی اہمیت

11.10 اکائی کا خلاصہ

11.11 نمونے کے امتحانی سوالات

11.12 فرہنگ

11.13 سفارش کردہ کتابیں

11.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ خطوط نگاری کی تعریف اور اس کے فن سے واقف ہوسکیں۔

☆ خطوط نگاری کے اقسام واضح کرسکیں۔

☆ خطوط نگاری کے اصول واضح کرسکیں۔

☆ خطوط نگاری کی اہمیت کا جائزہ لے سکیں۔

☆ خطوط نگاری میں اسلوبِ نگارش کی اہمیت واضح کرسکیں۔

11.2 تمہید

اس اکائی میں اردو نثر کی ایک اہم صنف خطوط نگاری کی تعریف اور فن سے آپ کو آگاہ کریں گے۔ خطوط نگاری کے اقسام، اصول اہمیت اور اسلوبِ نگارش سے روشناس کریں گے۔

11.3 خطوط نگاری ۔تعریف اور فن

خطوط نگاری اردو نثر کی ایک اہم صنف ہے۔ خط کو نصف ملاقات بھی کہا جاتا ہے۔ خطوط نگاری ایک ایسا فن ہے، جس میں دوسرے شخص پر اپنا دلی منشا یا اپنے خیالات بذریعۂ تحریر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ خط لکھنے والے کو کاتب اور جس کے نام خط لکھا جائے اسے مکتوب الیہ کہتے ہیں اور جو عبارت لکھی جائے اسے مکتوب یا خط کہا جاتا ہے۔

خط لکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے عزیزوں اور دوستوں سے جو ہم سے دور رہتے ہیں، بذریعۂ تحریر گفتگو کریں۔ اس طرح خط کے ذریعے نصف ملاقات بھی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے خط لکھتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس کو خط لکھا جا رہا ہے گویا وہ سامنے بیٹھا ہے تاکہ عبارت میں سادگی اور روانی پیدا ہو سکے۔

پرانے زمانے میں لوگ بڑے بڑے القاب و آداب لکھتے تھے۔ لیکن مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے سادہ اور بے تکلف خطوط لکھنے کا آغاز کیا۔ وہ رسمی القاب و آداب لکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ غالبؔ کے خط پڑھنے میں ملاقات کا لطف آتا ہے۔ غالبؔ کے بعد اور لوگوں نے بھی یہ طرز اختیار کیا۔ اس طرح آسان اور سہل خط لکھنے کا رواج ہوا۔ غالبؔ کے بعد سرسید، شبلیؔ، نذیر احمد، مہدیؔ اور ابوالکلام آزادؔ نے خطوط نگاری کے فن کو ترقی دی۔

11.4 خط کے اجزا

خط کے چھ حصّے ہوتے ہیں۔ (۱) لکھنے والے کا نام، پتہ اور تاریخ (۲) القاب (۳) آداب (۴) مطلب یا مضمونِ خط (۵) خاتمہ (۶) جس کو خط لکھا جا رہا ہے اس کا نام و پتہ۔

۱۔ خط کے دائیں گوشے پر کاتب کو اپنا پتہ اور تاریخ لکھنا چاہیے۔

۲۔ القاب : مکتوب الیہ یعنی جس کو خط لکھا جا رہا ہے، اس کو جن الفاظ سے مخاطب کیا جاتا ہے اسے ''القاب'' کہتے ہیں۔ مکتوب الیہ کے چار درجے ہوتے ہیں۔ ۱-بزرگ ۲-دوست ۳-اپنے سے چھوٹے ۴- حاکم۔

(۱) بزرگوں اور بڑوں کے لئے محترم، جناب، مکرّم وغیرہ القاب لکھے جا سکتے ہیں۔

(۲) دوستوں اور برابر والوں کے لئے کرم فرما، مشفق، مہربان، عزیز وغیرہ القاب تحریر کئے جا سکتے ہیں۔

(۳) اپنے سے چھوٹوں کے لئے برخوردار، نورِ چشم، عزیزی، عزیزِ من وغیرہ لکھا جا سکتا ہے۔

(۴) حکام کے لئے جنابِ والا، حضورِ والا، عالی جناب جیسے القاب لکھنا مناسب ہے۔

۳۔ آداب : القاب کے بعد تعظیم یا دعا ظاہر کرنے کے لئے چند الفاظ لکھے جاتے ہیں، اسے ''آداب'' کہتے ہیں۔ بڑوں کے لئے نیاز مند، برابر والوں کے لئے سلامِ مسنون، چھوٹوں کے لئے دعائیں، وغیرہ جیسے آداب لکھے جانے چاہئیں۔

۴۔ مضمونِ خط : وہ ضروری باتیں جن کی وجہہ سے خط لکھا جاتا ہے۔اس کو مضمونِ خط کہتے ہیں۔خواہ کسی بات کی اطلاع دی جائے یا کوئی بات دیانت کی گئی ہو، یا کسی چیز کے روانہ کرنے کی جز ہو۔ یا کچھ اور ضروری باتیں ہوں۔ان سب باتوں کو مضمونِ خط کہتے ہیں۔

۵۔ خاتمہ : خط کے اختتام پر ایسے الفاظ تحریر کئے جانے چاہئیے۔جس کا مفہوم سلام، دعا، شوق یا ملاقات ہو۔جیسے نیاز مند، خدا حافظ، والسلام، خیر طلب خیر اندیش، دعا گو، خاکسار، احقر، فرماں بردار وغیرہ۔

۶۔ مکتوب الیہ کا پتہ : خط کے پتے پر پہلی سطر میں مکتوب الیہ کا نام اور دوسری سطر میں محلّہ، شہر، پن کوڈ وغیرہ تحریر کرنا چاہئیے۔

اس طرح خطوط نگاری کا فن نہایت اہم اور دلکش ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ خط کی تعریف لکھیے۔

۲۔ خط کے کتنے اجزا ہوتے ہیں۔بیان کیجیے۔

11.5 خطوط نگاری کے اقسام

خطوط نگاری ایک شوق بھی ہے اور ضرورت بھی۔اسی لئے خط لکھنے کا کوئی ایک بندھا ٹکا انداز نہیں ہے۔جس قسم کے خط ویسا ہی انداز۔عام طور پر خطوط کی تین اقسام ہیں۔(۱) نجی یا شوقیہ خط (۲) کاروباری خط (۳) سرکاری خط۔

۱- نجی یا شوقیہ خط: وہ خط جو دل بہلانے، وقت گزارنے، تنہائی کا احساس دور کرنے اور اپنے حالات سے دوسروں کو باخبر کرنے کے لیے کسی دوست یا عزیز کو لکھے جاتے ہیں، وہ خط شوقیہ یا نجی خط کہے جاتے ہیں۔غالبؔ کے بیشتر خط اسی زمرے میں آتے ہیں۔ان کا قول بھی ہے کہ میں اس تنہائی میں خطوں کے بھروسے جیتا ہوں۔یعنی جس کا خط آیا، میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔

مولانا ابوالکلام آزادؔ جب قلعہ احمد نگر کی جیل میں تھے۔دل کا غبار نکالنے کے لئے وہ خط لکھتے رہے۔بعد میں یہ خط 'غبارِ خاطر' کے نام سے شائع ہوئے۔

اچھے مکتوب نگار اپنی نجی باتوں میں وہ رنگ بھر دیتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی ہی داستان معلوم ہونے لگتی ہے۔

۲- کاروباری خط : کاروباری خط کے پیچھے شوق نہیں، ضرورت کارفرما ہوتی ہے۔کسی کتب فروش کو خط لکھ کر کتابیں منگائی جاتی ہیں۔دفتر سے ٹینڈر کا فارم طلب کیا جاتا ہے۔یا کوئی بھی چیز منگوانے کے لئے جو خط لکھے جائیں وہ کاروباری خط کہے جاتے ہیں۔ان خطوں میں مضمون مختصر، عبارت صاف اور خوش خط ہونا چاہئے، تاکہ مکتوب الیہ کو پڑھنے اور سمجھنے میں پریشانی نہ ہو۔اس کے علاوہ مطلوبہ اشیا کے متعلق ضروری ہدایات بھی تحریر کرنی چاہئیے۔

۳- سرکاری خط : کسی سرکاری محکمہ میں حکّام کے نام جو خط تحریر کئے جاتے ہیں، سرکاری خط کہلاتے ہیں۔مثلاً ملازمت کے لئے، محلّے کی صفائی کے لئے، راشن کارڈ بنوانے کے لئے۔یا اپنی فیس معاف کروانے کے لئے جو درخواست لکھی جاتی ہے، وہ سرکاری خط کی ہی ایک قسم ہے۔

اس کے علاوہ مبارکباد کے خط، تعزیت کے خط وغیرہ بھی تحریر کیے جاتے ہیں۔

11.6 مختلف خطوط کے نمونے

خط (۱)

والد کے نام خط

(روپیے منگانے کے لئے)

۱۸/جون ۲۰۱۱ء

کوٹہ، راجستھان

جناب قبلہ والد صاحب،

السلام علیکم!

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ کو یہ سن کر مسرّت ہوگی کہ میں سالانہ امتحان میں فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوکر بارھویں کلاس میں آ گیا ہوں۔ اس لئے مجھے کتابیں خریدنے کے لئے ایک ہزار روپئے کی ضرورت ہے۔ براہِ کرم ایک ہزار روپئے میرے اکاؤنٹ میں جمع کرادیں تاکہ میں کتابیں وقت پر خرید سکوں۔

والد صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کریں اور چھوٹے بھائی بہن کو دعائیں۔

خدا حافظ!

آپ کا

فرمانبردار بیٹا

راحل

[ٹکٹ]

بخدمت جناب سعید صاحب

جوہری بازار، جے پور

راجستھان

خط (۲)

درخواست برائے ملازمت

بخدمت جناب منیجر صاحب

سہ روزہ دعوت، نئی دہلی

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ آپ کے اخبار مورخہ ۲۶/جولائی ۲۰۱۱ء میں پڑھا کہ آپ کے دفتر میں کچھ کلرکوں کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے میں اپنے آپ کو بطور امیدوار پیش کرتا ہوں۔

میں نے کوٹہ یونی ورسٹی سے بی۔اے پاس کیا ہے۔کمپیوٹر میں ایک سالہ ڈپلوما وردھمان مہاویر اوپن یونی ورسٹی کوٹہ سے کیا ہے۔ مجھے اردو اور انگریزی ٹائپ بخوبی آتی ہے۔ نیز اس وقت میں ہفتہ روزہ اردو بیورو کوٹہ میں بحیثیت کلرک کام کر رہا ہوں۔

لہٰذا آپ سے التماس ہے کہ مجھے آپ کے دفتر میں خدمت کا موقع عنایت فرمائیں۔

تعلیمی اسناد کی نقلیں اور تجربہ کا سرٹی فیکیٹ منسلک ہے۔

آپ کی نظرِ عنایت کا متمنی۔

خاکسار

شکیل احمد

مؤرخہ ۲۰ اگست ۲۰۱۱ء

مکان نمبر ۵، سنجے نگر، کوٹہ- ۳۰۴۰۰۵

خط (۳)

دعوت نامہ

(شادی میں شرکت کے لیے)

مکرمی ومحترمی جناب محمد سلیم صاحب،

سلام مسنون!

بحمداللہ میرے بیٹے محمد خالد کا عقدِ مسنون جناب محمد احمد نئی دہلی کی دختر نیک اختر عابدہ بانو سے ہونا طے پایا ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس تقریبِ سعید میں مع اہل وعیال تشریف لاکر ناچیز کی عزت افزائی اور تقریب کی رونق بڑھائیں۔

میں آپ کا ممنون ہوں گا۔

-: پروگرام :-

روانگی بارات برائے نئی دہلی۔	۲۶ اگست ۲۰۱۱ء رات ۱۱ بجے
واپسی	۲۸ اگست ۲۰۱۱ء
دعوتِ ولیمہ	۲۹ اگست ۲۰۱۱ء

مقام :- مولانا ابوالکلام آزاد ہال، وقف نگر، کوٹہ۔

احقر

عبدالرحمان،

سی- ۴۲۵، تلونڈی، کوٹہ

خود جانچنے کے سوال

۱۔ خطوط نگاری کے اقسام تحریر کیجئے۔

۲۔ مولانا آزاد کے خطوط کے مجموعے کا نام لکھیے۔

11.7 خطوط نگاری کے اصول

خطوط نگاری ایک فن ہے اور ہر فن کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اسی طرح خط لکھنے کے لئے بھی چند ضروری اصول ہیں۔

۱۔ خط لکھتے وقت اپنے مخاطب کے مرتبہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر مخاطب بڑا ہے تو اس کے مرتبے کے مطابق القاب و آداب لکھے جائیں۔ اگر برابر والے کو خط لکھا جائے تو برابری اور بے تکلفی کی شان ظاہر ہو اپنے سے چھوٹوں کو اس طرح مخاطب کرنا چاہئیے، جس سے شفقت و محبت ظاہر ہو۔

۲۔ رسمی اور فضول جملوں سے خط کو بڑھانا نہیں چاہئیے۔ اس سے دلچسپی کم ہو جاتی ہے۔ بہترین خط وہی ہوتے ہیں، جن کو پڑھ کر ملاقات کا لطف آ جائے۔

۳۔ خط لکھنے میں شستہ اور موزوں الفاظ، دلچسپ عبارت، مختصر مضمون اور حفظِ مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۴۔ اچھے خط وہی ہوتے ہیں، جن میں سادگی، اختصار اور روانی کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس لئے خط لکھتے وقت اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ جس کو خط لکھا جا رہا ہے گویا وہ سامنے بیٹھا ہے۔

۵۔ لمبے چوڑے القاب و آداب سے پرہیز کرنا چاہئیے۔ سادہ اور بے تکلف انداز اختیار بیان کرنا چاہیے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ اچھا خط کیسا ہوتا ہے؟

۲۔ القاب و آداب کیسے ہونا چاہئیں؟

11.8 خطوط نگاری کی اہمیت

خطوط نگاری کئی پہلوؤں سے اہمیت کی حامل ہے۔ (۱) ادبی اہمیت (۲) تاریخی اہمیت (۳) سوانحی اہمیت

۱۔ ادبی اہمیت : خطوط کا دائرہ نہایت وسیع ہوتا ہے۔ خطوط نگاری میں افسانوی اور ڈرامائی انداز بھی ملتا ہے تو خالص علمی زبان کے نمونے بھی نظر آتے ہیں۔ علمی مسائل پر گفتگو بھی ہوتی ہے۔ استدلالی انداز بیان بھی موجود ہوتا ہے۔ جدید اردو زبان کی بنیاد صنفِ خطوط نگاری ہی تسلیم کی جاتی ہے۔ اگر چہ استدلالی نثر کے بانی سرسید کہے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا نقشِ اوّل غالبؔ کے خطوط ہیں۔ غالبؔ دلیلوں سے اپنا نقطۂ نظر خطوط میں واضح کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر غالبؔ کے خطوط نہ ہوتے تو سرسید کے مضامین بھی نہ ہوتے۔

۲۔ تاریخی اہمیت : تاریخی نقطۂ نظر سے بھی خطوط اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ خطوط میں اس عہد کی سچی تصویریں نمایاں نظر آتی ہیں، جس عہد میں وہ خطوط لکھے گئے۔ مثلاً غالبؔ کے خطوط میں عہد غالبؔ کے حالات اور واقعات بے نقاب نظر آتے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ ان کے خطوط میں نمایاں ہے اور اس دور کی معاشرت کی عکاسی بھی ہے۔

۳۔ سوانحی اہمیت : خطوط کو خطوط نگار کی سوانح عمری بھی کہا جا سکتا ہے۔ خطوط سے مصنف کے بارے میں بہت سی ایسی باتوں کا علم بھی ہو جاتا ہے، جو کسی اور ذریعے سے معلوم نہیں ہو سکتیں۔ کوئی شخص اپنی جن کمزوریوں کو چھپانا چاہتا ہے، خطوں میں وہ باتیں بے اختیار اس کے قلم سے نکل جاتی ہیں اور آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مصنف کی زندگی، اس کے

خاندان، اس کے آباواجداد کی ساری تفصیل ان خطوں میں موجود ہوتی ہے۔

اس طرح ناول، افسانہ، تاریخ اور سوانح سے زیادہ خطوط نگاری اردو نثر کے ارتقا میں اہم ہے اور ایک بیش قیمتی سرمایہ ہے اور سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ جدید اردو نثر کی بنیاد خطوط پر ہی استوار ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ خطوط نگاری کی ادبی اہمیت تحریر کیجیے۔

۲۔ جدید نثر کی بنیاد کس صنف پر استوار ہے؟

11.9 خطوط نگاری میں اسلوبِ نگارش کی اہمیت

اسلوبِ نگارش کے لحاظ سے بھی خطوط نگاری کی بڑی اہمیت ہے۔ خطوط کے اسلوب کا دارومدار اس پر ہے کہ خط کس قسم کا ہے۔ کاروباری خطوں کی زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔ یہاں زیادہ غور وفکر کا موقع نہیں ہوتا۔ ضرورت پڑنے پر قلم اٹھایا اور خط لکھ دیا۔ لیکن شوقیہ خط فرصت کے اوقات میں لکھے جاتے ہیں۔ اس لئے زبان سنوارنے کا وقت بھی میسّر ہوتا ہے۔

خطوط کی طرزِ نگارش کا دارومدار اس بات پر ہے کہ مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کا علم کتنا اور ذوق کیسا ہے؟ عالم کسی عالم کو خط لکھے گا تو زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ اسلوب عالمانہ ہوگا۔ شبلی، سرسید اور مولوی نذیر احمد کے خطوط اس کی مثال ہیں۔ اگر کسی شخص کا مزاج شعری اور طبیعت نفاست پسند ہوگی تو شعری وسائل سے زیادہ کام لے گا۔ مولانا آزاد اور مہدی افادی کے خطوط اس کی مثال ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا رجحان فلسفے کی طرف تھا تو انہوں نے فلسفیانہ خطوط لکھے۔ عام آدمی کے خطوط عموماً کاروباری ہوتے ہیں اور سیدھی سادی زبان میں لکھے جاتے ہیں۔

القاب وآداب بھی اسلوب کا لازمی حصہ ہیں۔ ہماری زبان میں بے شمار القاب آداب ہیں بڑوں کے لئے الگ، چھوٹوں کے لئے الگ اور ہم مرتبہ مکتوب الیہ کے لئے الگ۔ اس لئے حسب ضرورت ان کا استعمال کرنا چاہئیے۔ اس طرح خط کے آخر میں اپنے نام سے پہلے ایسے الفاظ تحریر کرنا چاہیے، جس سے اپنے تعلقات کا اظہار ہو جیسے نیازمند، جواب کا طالب، دعا گو، خدا حافظ وغیرہ۔

خطوط کی دلکشی کا راز اس کے اسلوب نگارش میں ہے۔ اس لئے خطوط کی زبان عام فہم ہونا چاہئیے تاکہ خطوط بے تکلف گفتگو معلوم ہو۔ غالبؔ کے خطوط اس کی بہترین مثال ہیں۔

شوخی وظرافت، ڈرامائی اور افسانوی انداز بھی خطوط کو دلچسپ بنا دیتے ہیں۔ غرض خطوط جدید اردو نثر میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ خطوط کی کامیابی کا دارومدار ان کے اسلوب پر بھی ہے۔

11.10 اکائی کا خلاصہ

خطوط نگاری اردو نثر کی ایک اہم صنف ہے۔ خط کو نصف ملاقات بھی کہا جاتا ہے۔ خط لکھنے والے کو کاتب، جس کے نام خط لکھا جائے اسے مکتوب الیہ اور جو عبارت لکھی جائے اسے مکتوب یا خط کہا جاتا ہے۔

مرزا غالبؔ نے سادہ اور آسان زبان میں خطوط لکھنے کا آغاز کیا۔ ان کے بعد سرسیدؔ، شبلی، نذیر احمد، مہدی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے اس فن کو ترقی دی۔

خط کے چھ حصّے ہوتے ہیں-

(۱) لکھنے والے کا نام، پتا اور تاریخ (۲) القاب (۳) آداب (۴) مطلب یا مضمون خط (۵) خاتمہ (۶) مکتوب الیہ کا نام و پتا۔

عام طور پر خط تین قسم کے ہوتے ہیں-

(۱) نجی یا شوقیہ خط (۲) کاروباری خط (۳) سرکاری خط

ان کے علاوہ مبارکباد اور تعزیت کے لیے بھی خط لکھے جاتے ہیں۔

خط لکھتے وقت اپنے مخاطب کے مرتبے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔خط میں رسمی اور فضول جملوں کے استعمال سے بچنا چاہیے۔اچھے خط وہی ہوتے ہیں، جن میں سادگی، اختصار اور روانی کو ملحوظ رکھا جائے۔خط میں لمبے چوڑے آداب والقاب سے پرہز کرنا چاہیے۔سادہ اور بے تکلف اندازِ بیان اختیار کرنا چاہیے۔

خطوط نگاری کئی پہلوؤں سے اہمیت کی حامل ہے۔ان میں ادبی، تاریخی اور سوانحی پہلو قابلِ ذکر ہیں۔

خطوط کی دلکشی کا راز اس کے اسلوب نگارش میں ہے۔اس لئے خطوط کی زبان عام فہم ہونا چاہئیے تا کہ خطوط بے تکلف گفتگو معلوم ہوں۔ غالبؔ کے خطوط اس کی بہترین مثال ہیں۔

شوخی وطرافت، ڈرامائی، اور افسانوی انداز بھی خطوط کو دلچسپ بنا دیتے ہیں۔فنِ خطوط نگاری جدید اردو نثر میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔غرض جدید اردو نثر کی بنیاد ہی خطوط پر استوار ہے۔

11.11 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تیس (۳۰) سطروں میں لکھئے۔

۱۔ خط کے کتنے حصّے ہوتے ہیں تحریر کیجیے۔

۲۔ خطوط نگاری کی اہمیت بیان کیجیے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھئے۔

۱۔ اپنے والد کے نام ایک خط تحریر کیجیے۔جس میں کتابیں خریدنے کے لیے روپیے منگوانے کا مطالبہ کیا گیا ہو۔

۲۔ ملازمت کے لیے راشٹریہ سہارا کے مینجر کے نام درخواست تحریر کیجیے۔

11.12 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
نصف	آدھی	سہل	آسان
القاب	لقب کی جمع	تعظیم	عظمت، بڑھائی
التماس	درخواست	متمنی	طاقت، خواہش مند

عقدِ مسنون	نکاح	تعزیت	موت پر اظہارِ غم
حفظِ مراتب	رتبے کا خیال	اختصار	مختصر، چھوٹا
اسناد	سند کی جمع، سرٹی فیکیٹ		

11.13 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ اردو نثر کا تنقیدی جائزہ — سنبل نگار

۲۔ اردو نثر کا فنی ارتقاء — ڈاکٹر فرمان فتح پوری

۳۔ اردو درس و تدریس — ڈاکٹر عزیز اللہ شیرانی

۴۔ گلدستۂ مضامین — محمد عارف خاں

☆☆☆

اِکائی 12

انتخابِ خطوط : غالبؔ کے دو خط

اکائی کے اہم اجزا :

12.1 اغراض ومقاصد

12.2 تمہید

12.3 غالبؔ بحیثیت مکتوب نگار

12.4 غالبؔ کے دو خط (متن)

12.5 متن کی تشریح

12.6 اکائی کا خلاصہ

12.7 نمونے کے امتحانی سوالات

12.8 فرہنگ

12.9 سفارش کردہ کتابیں

12.1 اغراض ومقاصد

اِس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ:

☆ غالب کے سرسری تعارف سے واقفیت حاصل کرسکیں گے۔

☆ غالبؔ کے خطوط ''میر مہدی مجروح کے نام اور نبی بخش حقیرؔ'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کرسکیں گے۔

☆ صنف ''خطوط نگاری'' کی روشنی میں غالبؔ کے خطوط کا جائزہ لے سکیں گے۔

12.2 تمہید

کوئی بھی شغل جو کسی مقصد کے حصول کے لیے کیا جائے فعل کہلاتا ہے۔ اور جب یہ عمل دو یا زائد اشخاص کے درمیان ہوتا ہے تو سماجی یا معاشرتی عمل یا فعل ہوجاتا ہے۔ سماجی طرزِ عمل کے لیے دو یا زائد اشخاص کا جسمانی طور پر کسی مخصوص جگہ موجود ہونا ضروری نہیں ہوتا، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ملاقات کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ہو جس سے اُن کے برتاؤ یا طرزِ عمل کا اندازہ ہوسکے۔ اس طرح ہجر میں وصال کے مزے لینا خطوط نگاری کا خاص فن ہے۔

اس اکائی میں ہم مشہور و معروف مکتوب نگار مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کا آپ سے تعارف کرواتے ہوئے اُن کے دو خطوط کو توضیح وتشریح کے ساتھ پیش کریں گے۔

12.3 غالب بحیثیت مکتوب نگار

غالبؔ اردو ادب کے عظیم شاعر اور عظیم نثر نگار ہیں۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اپنے عہد کی منفرد آواز ہیں۔جس زمانے میں مغلیہ سلطنت زوال کی طرف جارہی تھی، ایسے نازک دور میں اسداللہ خاں غالبؔ عروج کی طرف گامزن تھے، جنہوں نے اپنی شاعری سے حسین انقلاب پیدا کیا تو اپنی نثر یعنی اپنی خطوط نگاری سے اردو ادب کو جدید راہوں سے واقف کرایا۔اُن کے خطوط سے لمبے لمبے آداب والقاب غائب ہوگئے اور ایسا طرزِ تحریر ایجاد کیا کہ مراسلے کو مکالمہ بنادیا۔سوکوس سے زبانِ قلم سے باتیں کیں، ہجر میں وصال کے مزے لیے۔وہ دنیا کے معاملات کو ایک فلسفی کی سوالیہ نظروں سے دیکھتے تھے۔مرزا غالبؔ نے اردو نثر کو شخصیت سے تعارف کراتے ہوئے متانت کے ساتھ ساتھ سلاست، سادگی پیدا کی اور ساتھ ہی ساتھ سنجیدہ ظرافت بھی، تو دوسری طرف اُن کی شاعری میں بیک وقت دل ودماغ دونوں کو آسودہ کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے جس میں ماضی، حال اور مستقبل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔اردو شاعری میں زیادہ تر مواد حسن وعشق ہی پر منحصر ہے، جہاں درد وغم سایہ فگن رہتے ہیں، لیکن غالبؔ کے یہاں درد وغم کے ساتھ امید وتعمیر کے پہلو بھی نظر آتے ہیں۔گویا زندگی کے مختلف مسائل اور عصری تقاضوں سے واقفیت کا ثبوت بھی اُن کے یہاں نظر آتا ہے۔غرض شاعری ہو کہ نثر، غالبؔ کا مرتبہ عہد آفریں اور بے مثل وبے نظیر ہے۔ بقول نسیم قریشی ''وہ پرانے زمانے کے خاتم اور نئے زمانے کے پیشرو تھے''۔

مرزا غالبؔ کی پیدائش ۱۷۹۷ء بمقام آگرہ (یوپی) میں ہوئی تھی۔انہوں نے اپنا بچپن بڑے عیش وعشرت سے اپنے ننہال میں گذارا۔غالبؔ کے اجداد کا تعلق ترک قبیلے سے تھا، جن کا سلسلہ افراسیاب اور فریدون تک جاتا ہے۔ان کے والد فرقان احمد بیگ شاہ عالم کے عہد میں سمرقند سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔جن کے دو بیٹوں کے نام مرزا عبداللہ بیگ اور مرزا نصراللہ بیگ تھا۔بڑے بیٹے مرزا عبداللہ کی شادی صاحبِ ثروت آفیسر غلام حسین کی دختر نیک اختر عزت النساء سے ہوئی جن کے بطن سے دولڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بڑے فرزند ارجمند مرزا اسداللہ خاں بیگ تھے۔جب کہ چھوٹے بیٹے کا نام مرزا یوسف خان اور صاحبزادی کا نام خانم تھا۔مرزا غالبؔ کے والد ماجد ریاست الور (راجستھان) کے راجہ بختاور سنگھ کے یہاں ملازم تھے۔غالبؔ کی عمر ابھی پانچ سال کی تھی کہ اُن کے والد ایک لڑائی میں گولی لگنے سے شہید ہوگئے، پھر ان کی پرورش چچا نصراللہ بیگ نے کی۔غالبؔ ابھی نو برس کے ہوئے تھے کہ چچا کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔جب وارثوں کو پنشن ملی تو غالبؔ کو بھی سات سو روپیہ سالانہ پنشن ملنا شروع ہوگئی۔ننہال میں رہتے ہوئے شراب نوشی کی عادت ہوگئی۔ یہاں تک کہ ایک ڈومنی سے دل لگا بیٹھے۔آخر کار نواب الٰہی بخش خاں معروف کی صاحبزادی امراؤ بیگم سے شادی ہوگئی اور اس طرح ۱۸۱۲ء میں غالبؔ نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ جہاں غالبؔ کے خسر صاحب نے غالبؔ کی ملاقات مولانا فضلِ حق خیرآبادی جیسے عالموں سے کرادی جس سے ان کی ذہنی تربیت کو جِلا ملی۔مرزا کا ابتدائی زمانہ عیش وآرام سے گذرا لیکن امیر دوستوں کی صحبت میں شاہانہ زندگی اور معیارِ زندگی کو بلند کرنے میں آمدنی کا کوئی معتبر ذریعہ نہ ہوتے ہوئے بھی سود پر قرض لینا شروع کردیا۔ساہوکار جس کا گھر دیکھ لے اس گھر کے در ودیوار تک نیلام ہوجاتے ہیں۔یہ نوبت بھی آگئی کہ پنشن جو پہلے ہی قلیل تھی بند ہوگئی۔انگریزوں نے یہ الزام عائد کیا کہ تم نے قلعۂ معلیٰ میں رہ کر بہادر شاہ ظفرؔ کی تعریف کی ہے۔غرض قرض در قرض لیتے ہوئے پنشن کا مقدمہ لڑا، جب کہ کلکتہ کا سفر بھی درپیش آیا مگر شومیِ قسمت کہ مقدمہ ہار گئے۔دو سال اسی کسمپرسی میں نکلے۔یہ تمام حالات ان کے خطوط میں سچائی اور ایمانداری کے ساتھ پیش بھی کردیئے گئے۔آخر کار ۱۰۰/روپئے ماہوار پر والیِ ریاست رامپور کے کلام کی اصلاح کے مقرر ہوگئے۔انہوں نے آلام ومصائب کا آنکھوں

میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کیا اور اللہ کے کرم سے پنشن کی رُکی ہوئی تمام رقم مل گئی۔ اس طرح انہوں نے قرض سے فراغت حاصل کی۔ آخر کار شاگردوں سے محبت کرنے والا استاد، تعصب اور تنگ نظری سے عاری ذہن، نئی گذرگاہوں کا موجد، ایوانِ غزل کا اہم ستون، مراسلے کو مکالمہ بنا دینے والا مکتوب نگار، عظمتِ جاوِداں کا امین، تجربوں اور مشاہدوں کا گواہ، قوتِ سماعت کھو بیٹھا۔ ہاتھوں کی جنبش ختم ہوگئی، رعشہ آ گیا تھا۔ جوں جوں مرض بڑھا حافظہ بھی ساتھ چھوڑتا گیا۔ دوسروں سے لکھواتے ہوئے خط بھی کتاب یا بکس میں رکھ کر بھول جانے والا، دوستوں کی خوشنودی سے کبھی قاصر نہیں رہنے والا بوڑھا ہو کر دعائے مغفرت کا طلبگار رہا۔ سفرِ آخرت کے سوا اور کسی سفر کی طاقت اُس میں نہ بچی تھی، یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ بس اب اللہ ہی اللہ ہے۔ انتقال سے ایک دن پہلے بقول حالؔی نواب علاءالدین احمد خاں کے خط کا جواب تحریر کروایا۔ آخر کار ۲/ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۵/فروری ۱۸۶۹ء کے حساب سے ۷۳ برس تین مہینے اور ۲۲ دن کا وقفہ دنیا میں گذار کر ابدی نیند سو گئے۔

اس طرح یہ گنجِ معانی تہِ خاک چلا گیا۔ دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو کی آخری آرام گاہ کے علاقے سلطان جی چوسٹھ کھمبا لین کے برابر اپنے سسرال کے قبرستان میں دفن ہیں۔ غالبؔ کے چند مداحوں نے قبر پر سنگِ مرمر سے تعمیر کرادی ہے، برابر میں غالبؔ اکیڈمی ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ غالبؔ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

۲۔ غالبؔ کا انتقال کب ہُوا؟

12.4 غالب کے دو خط (متن)

خط نمبر (۱)

''کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی! اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اِس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں، یعنی جس کا خط آیا، میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔

خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آتے رہتے ہوں۔ بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے۔

ایک دو صبح کو اور ایک دو شام کو۔ میری دل لگی ہو جاتی ہے۔ دِن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گذر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب! دس دس بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا یعنی تم نہیں آئے۔ خط لکھو صاحب! نہ لکھنے کی وجہ لکھو، آدھ آنے میں بخل نہ کرو، ایسا ہی ہے تو بیرنگ بھیجو''۔

غالبؔ

سوموار، ۲۷/دسمبر ۱۸۵۸ء

خط نمبر (۲)

بھائی صاحب! یہ ڈاک کا سرشتہ کیسے بگڑا! میں نے اپنے نزدیک از روئے احتیاط بیرنگ خط بھیجنا اختیار کیا تھا۔ گو یہ مقتضائے وہم ہو، خط جب ڈاک گھر میں جاتا تھا رسید ملتی تھی، پوسٹ پیڈ کی لال مہر، بیرنگ کی سیاہ مہر، خاطر جمع ہو جاتی تھی۔ ڈاک کتاب کو دیکھ کر یاد آ جاتا کہ فلانا خط کس دن بھیجا ہے اور کس طرح بھیجا ہے۔ اب ڈاک گھر میں ایک صندوق منہ کھلا ہوا دھر دیا ہے جو جائے خط کو اس میں پھینکے اور چلا آئے نہ تو رسید نہ مہر نہ مشاہدہ۔ خدا جانے وہ خط روانہ ہوگا یا نہ ہوگا۔ اگر روانہ بھی ہوا تو وہاں پہنچنے پر ڈاک کے ہرکارے کو نہ انعام کا لالچ، نہ سرکار کو محصول کی طمع، نہ دیا ہرکارے کو، یا دیا، ہرکارے نے نہ پہنچایا، اگر خط نہ پہنچا تو بھیجنے والا اس دستاویز سے دعویٰ کرے، مگر وہاں چار آنے دے کر رجسٹری کروائے، ہم دوسرے تیسرے دن جا بجا خط بھیجنے والے روپیہ آٹھ آنے رجسٹری کو کہاں سے لائیں۔ احتیاطاً ہم نے تین ماشے سمجھ کر آدھ آنے کا اسٹامپ لگا دیا، وہ خط دورتی بڑھتی نکلا! مکتوب الیہ سے دونا محصول لیا گیا۔ خواہی نہ خواہی کا نٹا بانٹ رکھئے۔ کانٹے کا خار خار الگ۔ تولنے کا قصہ الگ۔ خط بھیجنا نہ ہوا ایک جھگڑا ہوا، ایک مصیبت ہوئی۔ آج دسویں محرم کو یہ خط لکھا ہے۔ کل اسٹامپ کے ٹکڑے منگاؤں گا۔ سرنامہ پر لگا کر روانہ کروں گا۔ اندھیری کوٹھری کا تیر ہے لگا لگا نہ لگا!

نگارشتہ دہم محرم ۱۲۷۱ھ

مطابق سوم اکتوبر ۱۸۵۴ء

از اسداللہ

12.5 متن کی تشریح

پہلا خط :

غالبؔ کی نظر میں فارسی کے مقابلے اُردو شاعری ہیچ تھی، لیکن اسی شاعری کی بدولت وہ عالمگیر شہرت کے مالک بن گئے۔ اسی طرح وہ اپنے خطوط کی اشاعت کو اپنی عزت و شہرت کے منافی سمجھتے تھے۔ لیکن انہی خطوط نے نثر نگاری کی دنیا میں انہیں شہرتِ دوام بخشی۔ مرزا نے ان خطوط میں فرسودہ روایتوں کو سرے سے خارج کر دیا تھا، ساتھ ہی لفظی تصنع سے بھرپور جملوں کو بھی فراموش کر دیا تھا۔ اپنی خطوط نویسی کے بارے میں اُن کا خود خیال ہے کہ:

''خطوط نویسی میں میرا طریقہ یہ ہے کہ جب خط لکھنے کے لیے قلم و کاغذ اُٹھاتا ہوں تو مکتوب الیہ کو ایسے لفظ سے، جو اس کی حالت کے موافق ہوتا ہے۔ پکارتا ہوں اور اُس کے بعد ہی مطلب شروع کر دیتا ہوں، القاب و آداب کا پرانا طریقہ اور شکر و شکوہ، شادی و غم کا قدیم رویہ میں نے بالکل اٹھا دیا''۔

غالبؔ منشی ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط لکھتے ہیں جو دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ اقتباس کی شروعات اس طرح کی ہے۔ ''کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی''۔ ظاہر ہے غالبؔ اپنے بے تکلف دوست مرزا ہرگوپال سے دل کھول کر باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے روٹھنے اور غالبؔ کے منانے میں جو سادگی ہے اس سے دونوں کی قربت کا احساس ہوتا ہے۔ حالانکہ تفتہ عمر

میں غالبؔ سے چھوٹے ہیں اور کسی ایک خط میں بیٹا کہہ کر بھی مخاطب کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ غالبؔ یہ بھی یاد کرانا چاہتے ہیں کہ انہیں اپنی تنہائی کا شدت سے احساس ہے اور اس تنہائی میں وہ صرف خطوں کے سہارے زندگی گذار رہے ہیں، یہاں اُن کا یہ دعویٰ درست نظر آتا ہے کہ انہوں نے مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس کا خط آیا یعنی وہ شخص تشریف لایا، بہت معنی خیز جملہ ہے۔ غالبؔ کے خطوط لکھنے اور ان کے جواب دینے کا انداز اگلے جملے سے لگایا جا سکتا ہے کہ کہتے ہیں کہ اللہ کا کرم ہے احسان ہے کہ آس پاس کے شہروں سے دو چار خط ضرور آجاتے ہیں بلکہ بعض دِن تو ہرکارے یعنی ڈاکیہ کو دو دو بار آنا پڑ جاتا ہے، کبھی صبح تو کبھی شام کو۔ ظاہر ہے خط لکھنا جس کی عبادت ہو، اُس کے لیے یہ بات باعث مسرت ہوتی ہے کہ ان خطوط کے پڑھنے اور ان کا جواب دینے میں کب دن گذر گیا، پتہ ہی نہیں چلتا۔ اس دل کی لگی کو وہ دل لگی قرار دیتے ہیں۔ خط کے اگلے حصے میں وہ اپنا شکوہ بڑی خوبصورتی سے کرتے ہیں اور ساتھ میں تعجب بھی کرتے ہیں کہ مجھے خطوں کا کس بے چینی سے انتظار رہتا ہے، اس کے باوجود تمہارا خط آئے ہوئے دس بارہ دن ہوگئے۔ مطلب یہ کہ تفتہ صاحب تم سے نصف ملاقات ہوئے اتنی لمبی مدت ہوگئی۔ خدا کے واسطے مجھ جیسے آدمی پر ترس کھاؤ۔ بھائی قلم اُٹھاؤ اور لکھنا شروع کردو اور اگر کوئی اور بات ہے جس کی وجہ سے تمہیں خط لکھنے میں جھجک ہے تو خط نہ لکھنے کی وجہ تو بتاؤ تا کہ میں اُس کا کچھ علاج کرسکوں۔ دیکھو جو بھی شکایت ہوگی، جو بھی شکوہ ہوگا، ملاقات ہونے پر کرلیں گے لیکن آدھ آنہ کوئی بڑی چیز نہیں ہے تم لالچ سے اوپر اٹھ کر حالانکہ یہاں صرف شوخیٔ ظرافت ہے، پھر بھی حالانکہ میں بے رنگ خط لکھنے میں جواب نہیں رکھتا لیکن تم ہی بیرنگ بھیج دو تا کہ میرے دل کی تسکین ہوجائے، تسلی ہوجائے اور تمہاری خیر و عافیت سے آگہی بھی۔

دوسرا خط :

غالبؔ کا دوسرا خط ایک اور دوست نبی بخش کے نام ہے جو حقیرؔ تخلص کرتے ہیں۔ ویسے تو حقیرؔ کے نام کئی مکاتیب ہیں، مگر اس مکتوب (خط) میں خاص طور سے غالبؔ نے ڈاک تار عملے کی جم کر خبر لی ہے۔ محکمۂ ڈاک میں جہاں ترقی یافتہ تبدیلی کر رہا تھا، وہی غالبؔ کے لیے بے چینی کا اور پریشانی کا سبب تھا۔ کیوں کہ بیرنگ خط لکھنا مجبوراً غالب نے اپنا رویہ بنا لیا تھا، دراصل ساری پریشانی اسی وجہ سے تھی۔ حالانکہ احتیاط کا مرہم یہاں بھی لگا دیا گیا تھا۔ ابھی کچھ دن پہلے مطلب تبدیلی سے پہلے بیرنگ اور دیگر خطوں کی رسید مل جایا کرتی تھی، جس سے یہ اندازہ ہوجاتا تھا کہ فلاں صاحب کو فلاں دن، فلاں تاریخ کو خط لکھا تھا اور اس پر مہر بھی لگا دی جاتی تھی۔ مگر اب شاید یہ جمع خاطر کہ کن صاحب کو کس طرح خط بھیجا ہے لال اور کالی مہر سے معلوم ہوجاتا تھا، مگر اب ڈاک کے محکمے نے ایک نیا اور جدید طریقہ استعمال کر ہماری پریشانی بڑھا دی ہے۔ اب انہوں نے ڈاک گھر میں ایک منہ کھلا صندوق رکھ دیا ہے جسے ہم آج کے دور میں لیٹر بکس کہتے ہیں، اس میں خط ڈال دو، نیچے لوہے کی ایک کالی پتی جو بدلتی رہتی تھی جس پر اب کب ڈاک نکلے گی کی تاریخ اور وقت لکھا ہوتا تھا۔ غالبؔ کو دراصل اس لال صندوق پر شک ہوتا تھا کہ اس میں ڈالے گئے خط، صرف خط پھینکنے کی طرح ہیں، جس کی نہ رسید حاصل ہوتی ہے نہ تصدیق کہ خدا جانے یہ خط جائے گا بھی یا یہیں پڑا رہے گا۔ اپنی شوخی کا حربہ استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے تو ڈاکیہ کو انعام کی فکر رہتی تھی، نہ یہ لالچ باقی رہے گا اور نہ سرکار کو محصول کی فکر باقی رہی۔ اب یہ نیا طریقہ کہ چار آنے دے کر رجسٹری کرواؤ، اگر اپنی تسلی چاہتے ہو تو، حقیرؔ صاحب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ہم تو بہت سارے خط لکھتے ہیں چار آنے فی خط کے حساب سے کافی موٹی رقم ہوجائے گی۔

ایک اور مزیدار بات یہ رہی کہ ہم نے وزن کا اندازہ کر کے ایک خط پر آدھ آنے کا ٹکٹ لگا دیا تھا، جب ڈاک گھر میں اُسے تولا گیا

تو ایک رتی زیادہ نکلا۔ اب کیا تھا خط وصول کرنے والے کی شامت آ گئی، اس سے دوگنا پیسہ وصول کیا گیا۔ اب ایسا ڈر لگنے لگا ہے کہ اگر آپ کو احباب کو خط لکھنا ہے اور انہیں بھیجنا بھی ہے تو یقیناً چاہتے ہوئے اور نہیں چاہتے ہوئے بھی شاید ایک ترازو خط کا وزن کرنے کے لیے ضرور لانا پڑے گی۔ گویا خط لکھنا اور اس کا بھیجنا ایک مصیبت بھرا کام ہوگا، کانٹے باٹ کے گم ہونے، کبھی ٹوٹنے کا ڈر، تولنے کی جھنجھٹ۔ لیکن یہ ساری مصیبتوں کا سامنا کرنے کے لیے میں تیار ہوں، یہ مصیبتیں میرے خط لکھنے کے شوق کو ختم نہیں کر سکتیں۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ یہ سلسلہ اور بڑھ جائے گا۔ حالانکہ آج محرم کی دس تاریخ ہے۔ یومِ عاشورہ ہے۔ کل اسٹامپ کے ٹکڑے یکجا کر کے خط پر لگا کر روانہ کر دوں گا، اندھیری کوٹھری کا تیر ہے یعنی دھول میں لٹھ والی بات کہ کام ہو گیا تو ٹھیک، نہیں ہوا تو ٹھیک۔

خود جانچنے کا سوال

۱۔ متن میں دیئے گئے غالبؔ کے دونوں خطوں میں سے کسی ایک خط کا خلاصہ لکھیے۔

12.6 اِکائی کا خلاصہ

اُردو ادب میں بہت کم ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے نثر و نظم دونوں کے دامن کو موتیوں سے بھرا ہے۔ اس اعتبار سے غالبؔ کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ جہاں اردو شاعری میں نئے چراغ روشن کرتے ہوئے ہر مضمون کو سورنگ سے باندھا ہے وہیں نثر میں بھی انہوں نے ایک انفرادی مقام رکھتے ہوئے اثر آفرینی کے ساتھ سحر آفریں اسلوب سے دل کی بات زبان سے ادا کی ہے۔ دوسروں کو متاثر کرنے کا خداداد ملکہ بھی انہیں نصیب ہے۔ ایجاز و اختصار سے نثر میں حسن پیدا کرتے ہیں، یہ تمام خوبیاں ان کے خطوط میں نظر آتی ہیں۔ بے تکلفی اور سادگی کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ یہ خطوط اُن کی نجی زندگی کا آئینہ ہیں اور اُن کی سادہ لیکن آزمائشی زندگی اُن کے خطوط کا آئینہ ہے، کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنی صدیوں پرانی تیموری تہذیب کو پامال ہوتے دیکھا، جب بھی انہوں نے رونے پیٹنے اور منہ بسورنے کے بجائے ظریفانہ لہجے میں شائستگی کے ساتھ اپنے خطوط کو تاریخی دستاویز بنا دیا۔ نیرنگیٔ زمانہ کو گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مزاح کے پردے میں پیش کرنے کی جسارت کی۔ اپنی ظریفانہ افتادِ طبع کے باعث انہوں نے دوسروں کو نہیں خود کو نشانہ بنایا، کیونکہ دوسروں پر ہنسنا بہت آسان ہے، اپنی ذات کو خود ہدف بنانا نہایت مشکل۔

اُن کے شاملِ نصاب دونوں خطوط میں جس حد درجہ کی تکلفی، سادگی اور اپنائیت کی جو بو باس آتی ہے، اس سے اُن کی عادت و اطوار اور دوسروں سے روابط کا پتہ چلتا ہے۔ ان خطوط میں زندگی کے نشیب و فراز کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ خوابیدہ روحوں کو جھنجھوڑنے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔ زندگی کے عمیق مشاہدے کے ساتھ ساتھ جدت پسندی، معاملہ فہمی، صلح کل، اور متانت و ذہانت اُن کی ایسی خصوصیات ہیں جو انہیں اُن کے معاصرین میں ممتاز کرتی ہیں۔ بلاشبہ غالبؔ کی دور بینی، حقیقت شناسی اور فکر و نظر کی بازیگری کا احاطہ ناممکن سی چیز ہے۔ یہ خطوط اس طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ وہ جملوں کی تراش خراش سے گریز کرتے ہوئے بیباکی اور بے ساختگی کے ساتھ زندگی کی ہنگامہ خیز کیفیتوں کو اپنے اندر جذب کر کے خطوط کو جِلا بخشتے ہیں۔ اُن کے خطوط تصنع اور تکلف ہی نہیں بلکہ دو اشخاص کے درمیان باہم گفتگو کا مرکز بھی تھے۔ انہوں نے ڈرامائی اور افسانوی انداز کے ساتھ ساتھ دلکشی اور دل آویزی کو برقرار رکھتے ہوئے ہجر میں وصال کے مزے لینے کی تلقین کی اور مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔ غالبؔ کے خطوط، قوموں کے مذاقِ سلیم اور عصری تقاضوں کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ غموں کے سہنے اور غموں پر ہنسنے کا ایسا حوصلہ پیدا کرتے ہیں کہ غم بھی بونے نظر آنے لگتے ہیں۔ اُن کے والہانہ انداز

نے اُن کے خطوط میں وہ شاعرانہ ادبیت پیدا کر دی ہے جس سے ایک مست و مخمور فضا پیدا ہوگئی ہے۔ اُن کے خطوط میں جو تنوع اور خونِ جگر دکھائی دیتا ہے، اُن خطوط کی بنیاد وارداتِ قلبی پر رکھی گئی ہے۔ اسی وجہ سے خطوط میں انسانی تعلق کا احترام و اخلاص یقیناً اُن کی شخصیت کے نقشِ جمیل ہیں۔ اُن کے خطوط میں اپنی رام کہانی نہیں بلکہ سارے جہاں کا درد پوشیدہ ہے۔ وہ فطرتِ انسانی کے بہت بڑے نباض تھے۔ غرض غالبؔ کا بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اردو نثر اور اردو کو خشکی اور بدمزگی کے الزام سے بچالیا۔ اُن کے خطوط میں جذبات کا جو بہاؤ ہے، اُس سے ایک ترنم پیدا ہوتا ہے جس کی مدھر لَے کانوں کو بھلی اور خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ غرض اُن کے خطوط عظمتِ ماضی کا ایسا تاریخی دستاویز ہیں جن میں وقت کی سیاست، سماجی اور معاشی حالات کی تصویر کشی، تہذیب و تمدن، لوگوں کے عادات و اطوار، روایات، رسوم و رواج، معاشی الجھنیں، آپسی تعلقات کی نوعیت، جنگِ آزادی کے واقعات و تباہ کاریاں، اس عہد کی علمی و ادبی شخصیات کا ذکر، مخاطب کے مراتب کے لحاظ سے مخصوص ترین القاب، شوخی و ظرافت کے خوش رنگ پھولوں کی مست و بے خود بنا دینے والی مہک غرض کہ سب کچھ غالبؔ کے خطوط میں ملتا ہے۔ جو اُس عہد کے نہیں آج کے معلوم ہوتے ہیں۔

12.7 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تیس (30) سطروں میں لکھئے۔

ا۔ غالبؔ کی نثری خدمات پر ایک مختصر مضمون لکھئے۔

۲۔ غالبؔ کے خطوط کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے کسی دوست، عزیز یا رشتہ دار کو بے تکلفانہ خط لکھئے۔

مندرجہ ذیل سوال کا جواب پندرہ (15) سطروں میں لکھیے۔

ا۔ غالبؔ کی حیات اور خطوط کے محاسن بیان کیجیے۔

12.8 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ارتقا	ترقی	شغل/مشغلہ	کام میں لگے رہنا، کام دھندا، پیشہ
طرزِ عمل	کام کرنے کا انداز، طریقہ	وصال	ملنا، ملاقات کرنا
توضیح و تشریح	کسی چیز کو تفصیل سے بیان کرنا	ابلاغ و ترسیل	خیالات کا پہنچانا
ردِ عمل	جوابی عمل، مخالف اثر	حرکات و سکنات	عادات و اطوار کا ظاہر کرنا
زیر و بم	اُتار چڑھاؤ	دسترس	اپنی پہنچ میں ہونا
قالب	سانچہ	مافی الضمیر	دل کی بات بیان کرنا
علامت	نشانی، آثار	تحقیق	حقیقت دریافت کرنا، تصدیق یا ثبوت تک پہنچنا
قرینِ قیاس	وہ بات جسے عقل قبول کرے	مراسلہ	خط
مکالمہ	گفتگو، ہمکلامی	محکمہ	ڈپارٹمینٹ، شعبہ
تاجرانہ	کاروباری	عاجزی و انکساری	منت سماجت، مجبوری

القاب وآداب	خط لکھنے میں چھوٹے بڑوں کو اُن کے مرتبے کے مطابق مخاطب کرنے کے الفاظ	اسلوب	طریقہ، طرز
طبع آزمائی	طبیعت کی جودت اور رسائی	منفرد	تنہا، اکیلا
گامزن	تیز قدم چلنا	منحصر	متعلق، وابستہ
عصری تقاضے	وقت کی ضرورت	بطن	پیٹ
سایہ سر سے اٹھنا	کسی کی سرپرستی سے محروم ہو جانا	سکونت	رہائش
آلام ومصائب	غم و مصیبتیں	موجد	ایجاد کرنے والا
قوتِ سماعت	سننے کی طاقت	خوشنودی :	خوشی، رضا جوئی
آخری آرام گاہ	قبر مراد ہے	اطراف وجوانب	آس پاس، چاروں طرف
ہرکارہ	ڈاکیہ	بیرنگ	وہ خط جسے وصول کرنے کے لیے پیسے ادا کرنے پڑتے ہیں
سرشتہ	دفتر، کچہری	ازروئے احتیاط	احتیاط کی بنیاد پر
خاطر جمع	دل کا سکون	محصول	ڈاک خرچ، ٹیکس
عالمگیر شہرت	جس کی شہرت دنیا میں ہو	تصنع	بناوٹ، دکھاوا
باور کرانا	بھروسہ دِلانا، یقین	شوخی وظرافت	چلبلا پن، شرارت
منہ کھلا صندوق	لیٹر بکس مراد ہے	یومِ عاشورہ	محرّم کی دس تاریخ
نشاندہی	سراغ بتانا، پتہ بتانا	نصف ملاقات	آدھی ملاقات، یعنی خط لکھنا
حماقت	نادانی، بیوقوفی	مروجہ	رواج کے مطابق
مدّعا	غرض، مقصد	عروج وزوال	اُتار چڑھاؤ
منسلکات	کسی درخواست یا خط کے ساتھ لگائے جانے والے دوسرے کاغذات کی فہرست		

12.9 سفارش کردہ کتابیں

۱۔	اربابِ نثر اردو	ڈاکٹر سید محمد
۲۔	اردو نثر کا فنی ارتقا	ڈاکٹر فرمان فتح پوری
۳۔	داستانِ تاریخِ اردو	پروفیسر حامد حسین قادری
۴۔	اردو ادب کی ایک صدی	ڈاکٹر عبداللہ
۵۔	غالبؔ کے خطوط (حصہ اول تا چہارم)	ڈاکٹر خلیق انجم

☆☆☆

اکائی 13

مولانا آزاد کے دو خطوط

اکائی کے اہم اجزا:

13.1 اغراض ومقاصد

13.2 تمہید

13.3 مولانا آزاد، بحیثیت مکتوب نگار

13.4 متن (مولانا آزاد کے دو خطوط)

پہلا خط (متن)

دوسرا خط (متن)

13.5 متن کی تشریح

پہلے خط کی تشریح

دوسرے خط کی تشریح

13.6 اکائی کا خلاصہ

13.7 نمونے کے امتحانی سوالات

13.8 فرہنگ

13.9 سفارش کردہ کتابیں

13.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ خطوط نگار کے مختصر تعارف سے بھی روشناس ہوسکیں گے۔

☆ مولانا آزاد کے دونوں خطوں کا خلاصہ اپنے لفظوں میں بیان کرسکیں گے۔

☆ خطوط نگاری کی صنف کے ساتھ ساتھ آزاد کے خطوط کا جائزہ بھی لے سکیں گے۔

13.2 تمہید

اس اکائی میں ہم ''خطوط نگاری'' یا ''مکتوب نگاری'' کا مختصر تعارف حاصل کریں گے، ساتھ ہی ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد کے دو خطوط کو اُن کے توضیحات وتشریحات کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

13.3 مولانا آزاد بحیثیت مکتوب نگار

محی الدین، مولانا ابوالکلام آزاد ایک قومی رہنما کے علاوہ کامیاب صحافی، جادو بیان مقرر، جیّد عالم اور زبردست انشا پرداز تھے۔ وہ اپنے عہد کی منفرد آواز تھے۔ انہوں نے ہندوستان کی جنگِ آزادی میں نہ صرف بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ اپنی خطابت میں وہ نہایت جذباتی اور انقلابی نظر آتے تھے۔ جب صحافت کے میدان میں قدم رکھا تو انقلاب برپا کر دیا۔ مشرق کی روحانی بصیرت اور مغرب کی روشن خیالی کے امتزاج نے ان کی ذات کو زندگی کی صالح اقدار کا ایک ایسا دل نواز اور دلکش مرقع بنا دیا تھا جو لازوال و بے مثال تھا۔ مولانا مشہور و معروف اسکالر اور قابلِ افتخار عالمِ دین تھے۔ آپ ایک بلند پایہ ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست سیاسی مفکر بھی تھے۔ حب الوطنی، قومی یکجہتی اور مساوات ان کی زندی کا نصب العین تھا۔ وہ تمام عمر قومی اتحاد کے حامی رہے۔ انہوں نے ہمیشہ فرقہ واریت، صوبائی عصبیت او رنسل پرستی کی کھل کر مخالفت کی۔ ہندوستان کی گم شدہ متحدہ قومیت کو دوبارہ زندگی دے کر مولانا ہندوستانی کلچر کے نمائندہ بن گئے۔ انہوں نے بڑی خوبصورتی سے اپنے فکر و نظریات کا نقش تعلیم و تربیت کے ہر پہلو پر مرتب کیا۔

مولانا آزاد نے انصاف و دیانتداری، جرأت و اصول پرستی اور حق گوئی کا بغیر احتیاط و مصلحت کے بیباکی سے اظہار کیا اور انسانی قدروں کو صحیح نقطۂ نظر سے دیکھا۔ انہوں نے بحیثیت وزیر تعلیم تعلیمِ بالغاں، تعلیمِ اطفال اور تعلیمِ نسواں کی وسعت کو فروغ بخشا۔ اسی دوران انہوں نے فنونِ لطیفہ اور ادبیات کی ترقی و ترویج کے لیے اکادمیوں کی بنیاد ڈالی جن کا اصل کام یہ تھا کہ ادبی اور فنی میلانات کو ملکی سطح پر فروغ دیا جائے۔ مولانا آزاد کا اندازِ تخاطب، ان کی تقریر کا انداز، لفظوں اور جملوں کا استعمال، تیر بہدف ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے جذبات، لمحات، خیالات اور حالات کا ایسا فنی امتزاج پیش کیا ہے کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے یقین و اعتماد کو مستحکم بنانے پر زور دیا اور اس بابت قلم سے ایسی موشگافیاں کیں کہ ان کے غور و فکر کی صلاحیت نے دوامی حیثیت حاصل کر لی۔ انہوں نے تمام مذاہب کا دل کی گہرائیوں سے احترام کیا، متحدہ قومیت کے لیے ہر قسم کی تنگ نظری سے اختلاف کیا، انہوں نے ہمیشہ قومی یکجہتی کے فروغ کی تلقین کی یہاں تک کہا کہ:

''آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بلندیوں سے اُتر آئے، اور دہلی کے قطب مینار پر کھڑا ہو کر یہ اعلان کرے کہ سوراج ۲۴ر گھنٹوں کے اندر مل سکتا ہے بشرطیکہ ہندوستان ہندو مسلم اتحاد سے دستبردار ہو جائے تو میں سوراج سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ اگر سوراج ملنے میں تاخیر ہوگی تو یہ ہندوستان کا نقصان ہوگا لیکن اگر ہمارا اتحاد جاتا رہا تو یہ عالمِ انسانیت کا نقصان ہوگا''۔

اس طرح مولانا آزاد نے تمام ہندوستانیوں کو نسل، مذہب، قومیت اور رنگ و تہذیب سے اٹھ کر جنگِ آزادی میں شانہ بہ شانہ ساتھ دینے کی ترغیب دی جو فیصلہ کن ثابت بھی ہوئی۔ اس طرح جبر و استبداد کے بجائے افہام و تفہیم سے تمام مسائل کا حل نکالا، کیونکہ قومی یکجہتی ان کے لیے مقدم و مقدس تھی۔ انہوں نے جرأت مندانہ قدم اُٹھاتے ہوئے بڑے حوصلے کے ساتھ فرمایا:

''میں یقین سے کہتا ہوں کہ ہمارے فرض کے ساتھ دو ہی راستے ہیں۔ برطانوی گورنمنٹ ناانصافی اور حق تلفی سے باز آجائے، اگر باز نہیں آسکتی تو مٹا دی جائے''۔

اس طرح کے خیالات ظاہر کر کے مولانا نے جتا دیا کہ ان کی انانیت اور انفرادی طبیعت وقت کو ان کے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ وقت کے ساتھ چلیں۔ ان کی قوتِ فیصلہ اور قوتِ مشاہدہ بہت مستحکم تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد ۱۱؍نومبر ۱۸۸۸ء کو مقدس شہر مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔ جغرافیائی اعتبار سے مکہ تمام دنیا کے مرکز یعنی درمیان میں واقع ہے۔ جب کہ مولانا کا میدانِ عمل سرزمینِ ہندوستان رہی جس کو ساری دنیا میں سب سے بڑی جمہوری حکومت ہونے کا فخر حاصل ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ مولانا آزاد کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

۲۔ مولانا ہندوستانی کلچر کے نمائندو کیسے بنے؟

13.4 متن (مولانا آزاد کے دو خطوط)

پہلا خط : (غبارِ خاطر سے)

قلعہ احمد نگر

۱۴؍جون ۱۹۴۳ء

صدیقِ مکرم

گذشتہ سال جب ہم یہاں لائے گئے تھے تو برسات کا موسم تھا۔ وہ دیکھتے دیکھتے گذر گیا اور جاڑے کی راتیں شروع ہوگئیں۔ پھر جاڑے نے بھی رختِ سفر باندھا اور گرمی اپنا ساز و سامان پھیلانے لگی۔ اب پھر موسم کی گردش اسی نقطہ پر پہنچ رہی ہے، جہاں سے چلی تھی۔ گرمی رخصت ہو رہی ہے اور بادلوں کے قافلے ہر طرف سے امنڈنے لگے ہیں۔ دنیا میں اتنی تبدیلیاں ہوچکیں، مگر اپنے دل کو دیکھتا ہوں تو ایک دوسرا ہی عالم دِکھائی دیتا ہے، جیسے اِس نگری میں موسم بدلتا ہی نہیں۔

یہاں احاطہ کے شمالی گوشہ میں نیم کا درخت ہے۔ کچھ دن ہوئے ایک وارڈن نے اس کی ایک ٹہنی کاٹ ڈالی اور جڑ کے پاس پھینک دی۔ اب بارش ہوئی تو تمام میدان سرسبز ہونے لگا۔ نیم کی شاخوں نے بھی زرد چیتھڑے اُتار کر بہار و شادابی کا نیا جوڑا پہن لیا۔ جس ٹہنی کو دیکھو، ہرے ہرے پتوں اور سفید سفید پھولوں سے لدرہی ہے۔ لیکن اس کٹی ہوئی ٹہنی کو دیکھئے تو گویا اِس کے لیے کوئی انقلابِ حال ہوا ہی نہیں۔ ویسی ہی سوکھی کی سوکھی پڑی ہے۔

یہ بھی اُس درخت کی ایک شاخ ہے، جسے برسات نے آتے ہی زندگی اور شادابی کا نیا جوڑا پہنا دیا۔ یہ بھی آج دوسری ٹہنیوں کی طرح بہار کا استقبال کرتی مگر اب اِسے دنیا اور دنیا کے موسمی انقلابوں سے کوئی سروکار نہ رہا۔ بہار و خزاں، گرمی و سردی، خشکی و طراوت سب اس کے لیے یکساں ہوگئے۔

کل دوپہر کو اس طرف سے گذر رہا تھا کہ یکا یک اُس شاخِ بریدہ سے پاؤں ٹھکرا گیا۔ میں رُک گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ میں سوچنے لگا کہ انسان کے دل کی سرزمین کا بھی یہی حال ہے۔ اس باغ میں بھی امید و طلب کے بے شمار درخت اُگتے ہیں اور بہار کی آمد آمد کی راہ تکتے رہتے ہیں لیکن جن ٹہنیوں کی جڑ کٹ گئی، ان کے لیے بہار و خزاں کی تبدیلیاں کوئی اثر نہیں رکھتیں، کوئی موسم بھی انہیں شادابی کا پیام نہیں پہنچا سکتا۔

موسمی پھولوں کے جو درخت یہاں اکتوبر میں لگائے گئے تھے، انہوں نے اپریل کے آخر تک دِن نکالے مگر پھر انہیں جگہ خالی کرنی

پڑی۔ مئی میں خیال ہوا کہ بارش کے موسم کی تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں چنانچہ نئے سرے سے تختوں کی درستگی ہوئی، نئے بیج منگوائے گئے اوراب نئے پودے لگ رہے ہیں۔ چند دنوں میں نئے پھولوں سے نیا چمن آراستہ ہو جائے گا۔ سب کچھ ہو رہا ہے، مگر میرے سامنے رہ رہ کر ایک دوسری ہی بات آ رہی ہے۔ سوچتا ہوں کہ دنیا کا باغ اپنی گل شگفتگیوں میں کتنا تنگ واقع ہوا ہے جب تک ایک موسم کے پھول مرجھا نہیں جاتے، دوسرے موسم کے پھول کھلتے نہیں گویا قدرت کو جتنا خزانہ لٹانا تھا لٹا چکی، اب اُسی میں اَدل بَدل ہوتا رہتا ہے، ایک جگہ کا سامان اُٹھایا دوسری جگہ سجا دیا، مگر نئی پونجی یہاں مل سکتی نہیں یہی وجہ ہے کہ قدسی کو پھولوں کا کھلنا پسند نہیں آیا تھا، اُسے اندیشہ ہوا تھا کہ اگر باغ کا پھول کھلے گا تو اس کے دل کی کلی بند رہ جائیگی۔

غور کیجئے تو یہاں کی ہر بناوٹ کسی نہ کسی بگاڑ کا ہی نتیجہ ہوتی ہے، یا یوں کہیے کہ یہاں کا ہر بگاڑ دراصل ایک نئی بناوٹ ہے۔

میدانوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں، مگر اینٹوں کا پژادہ بھر جاتا ہے۔ درختوں پر آریاں چلنے لگتی ہیں مگر جہاز بن کر تیار ہو جاتے ہیں۔ سونے کی کانیں خالی ہو گئیں، لیکن ملک کا خزانہ دیکھئے تو اشرفیوں سے بھرپور ہو رہا ہے۔ مزدور نے اپنا پسینہ سر سے پاؤں تک بہا دیا مگر سرمایہ دار کی راحت وعیش کا سروسامان درست ہو گیا۔ ہم مالن کی جھولی بھری دیکھ کر خوش ہونے لگتے ہیں مگر ہمیں یہ خیال نہیں آتا کہ کسی کے باغ کی کیاڑی اُجڑی ہو گی جبھی تو یہ جھولی معمور ہوئی۔

اکتوبر سے اپریل تک موسمی پھولوں کی کیاریاں ہماری دلچسپیوں کا مرکز رہیں۔ صبح وشام کئی کئی گھنٹے ان کی رکھوالی میں صرف کر دیتے تھے مگر موسم کا پلٹنا تھا کہ ان کی حالت نے بھی پلٹا کھایا اور پھر وہ وقت آ گیا کہ ان کی رکھوالی کرنا ایک طرف، کوئی اس کا بھی روادار نہ رہا کہ اُن اجل رسیدوں کو چند دن اور اُن کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ ایک ایک کر کے تمام کیاریاں اُکھاڑ ڈالی گئیں۔ وہی ہاتھ جو کبھی اونچے ہو ہو کر ان کے سر دسینہ پر پانی بہاتے تھے، اب بے رحمی کے ساتھ ایک ایک ٹہنی کو توڑ مروڑ کر پھینک رہے تھے۔ جن درختوں کے پھولوں کا ایک ایک ورق حسن کا مرقع اور رعنائی کا پیکر تھا، اب جھلسی ہوئی جھاڑیوں اور روندی ہوئی گھانس کی طرح میدان کے ایک کونے میں ڈھیر ہو رہا تھا اور صرف اِسی مصرف کا رہ گیا تھا کہ جس بے سروسامان کو جلانے کے لیے لکڑیاں میسر نہ آئیں، وہ انہیں کو چولہے میں جھونک کر اپنی ہانڈی گرم کر لے۔

زندگی اور وجود کے جس گوشے کو دیکھئے قدرت کی کرشمہ سازیوں کے ایسے ہی تماشے نظر آئیں گے۔ انسانی زندگی کا بھی بعینہٖ یہی حال ہوا، سعی وعمل کا جو درخت پھل پھول لاتا ہے، اس کی رکھوالی کی جاتی ہے، جو بیکار ہو جاتا ہے اسے چھانٹ دیا جاتا ہے۔

م۔ آزاد

م۔ک۔ آزاد

پہلا خط : مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کے نام (غبارِ خاطر سے)

قلعہ احمد نگر

۲۷/ اگست ۱۹۴۲ء

صدیق مکرم!

انسان اپنی زندگی کے اندر مختلف ہی زندگیاں بسر کرتا ہے۔ مجھے بھی اپنی زندگی کی دو قسمیں کر دینی پڑیں۔ ایک قید

خانے سے باہر کی، ایک اندر کی، دونوں زندگیوں کے مرقعوں کی الگ الگ رنگ و روغن سے نقش آرائی ہوئی ہے۔ آپ شاید ایک کو دیکھ کر دوسری کو پہچان نہ سکیں۔

قید سے باہر کی زندگی میں اپنی طبیعت کی افتاد بدل نہیں سکتا، خود رفتگی اور خود مشغولی مزاج پر چھائی رہتی ہے۔ دماغ اپنی فکروں سے باہر آنا نہیں چاہتا اور دل اپنی نقش آرائیوں کا گوشہ چھوڑنا نہیں چاہتا۔ بزم و انجمن کے لیے بارِ خاطر نہیں ہوتا لیکن بارِ شاطر بھی بہت کم بن سکتا ہوں۔

لیکن جونہی حالات کی رفتار قید و بند کا پیام لاتی ہے۔ میں کوشش کرنے لگتا ہوں کہ اپنے آپ کو یک قلم بدل دوں۔ میں اپنا پچھلا دماغ سر سے نکال دیتا ہوں اور ایک نئے دماغ سے اُس کی خالی جگہ بھرنا چاہتا ہوں۔ حریمِ دل کے طاقوں کو دیکھتا ہوں کہ خالی ہو گئے تو کوشش کرتا ہوں کہ نئے نئے نقش و نگار بناؤں اور انہیں پھر سے آراستہ کر دوں۔

اگر آپ مجھے اُس عالم میں دیکھیں تو خیال کریں، میری پچھلی زندگی مجھے قید خانے کے دوراہے تک پہنچا کر واپس چلی گئی اور اب ایک دوسری ہی زندگی سے سابقہ پڑا ہے جو زندگی کل تک اپنی حالتوں میں گُم، اور خوش کامیوں اور دل شگفتگیوں سے بہت کم آشنا تھی آج اچانک ایک ایسی زندگی کے قالب میں ڈھل گئی، جو شگفتہ مزاجیوں اور خندہ روئیوں کے سوا اور کسی بات سے آشنا ہی نہیں۔ ''ہر وقت خوش رہو اور ناگوار حالات کو خوشگوار بناؤ۔''

میں نے قید خانے کی زندگی کو دو متضاد فلسفوں سے ترکیب دی ہے۔ اس میں ایک جز رواقیہ کا ہے ایک لذتیہ کا۔ جہاں تک حالات کی ناگواریوں کا تعلق ہے، رواقیت سے اُن کے زخموں پر مرہم لگاتا ہوں اور ان کی چبھن بھول جانے کی کوشش کرتا ہوں جہاں تک زندگی کی خوشگواریوں کا تعلق ہے لذتیہ کا زاویۂ نگاہ کام میں لاتا ہوں اور خوش رہتا ہوں۔ جو نامراد قید خانے کی باہر کی آزادیوں میں بھی زندگی کی عیش کوشیوں سے تہی دست رہتے ہیں۔ انہیں قید و بند کی محروم زندگی میں عیش کا سروسامان کہاں میسر آ سکتا ہے؟ لیکن میں آپ کو یاد دِلاؤں گا کہ انسان کا اصلی عیش دماغ کا عیش ہے، جسم کا نہیں۔

اور غور کیجئے تو یہ بھی ہمارے وہم و خیال کا ایک فریب ہی ہے کہ سروسامانِ کار ہمیشہ اپنے سے باہر ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ اگر یہ پردۂ فریب ہٹا کر دیکھیں تو صاف نظر آ جائے گا کہ وہ ہم سے باہر نہیں ہے، خود ہمارے اندر ہی موجود ہے۔ عیش و مسرت کی جن گل شگفتگیوں کو ہم چاروں طرف ڈھونڈتے ہیں اور نہیں پاتے، وہ ہمارے نہال خانۂ دل کے چمن زاروں میں ہمیشہ کھلتے اور مرجھاتے رہتے ہیں، لیکن محرومی ساری یہ ہوئی کہ ہمیں چاروں طرف کی خبر ہے مگر خود اپنی خبر نہیں ؎

کہیں تجھ کو نہ پایا گرچہ ہم نے اِک جہاں ڈھونڈھا
پھر آخر دل ہی میں پایا بغل ہی میں سے تو نکلا

جنگل کے مور کو کبھی باغ و چمن کی جستجو نہ ہوئی، اُس کا چمن خود اس کی بغل میں موجود رہتا ہے جہاں کہیں اپنے پر کھول دے گا ایک چمنستانِ بوقلموں کھل جائے گا۔

قید خانے کی چہار دیواری کے اندر بھی سورج ہر روز چمکتا ہے اور چاندنی راتوں نے کبھی قیدی اور غیر قیدی میں امتیاز نہیں کیا۔ اندھیری راتوں میں جب آسمان کی قندیلیں روشن ہو جاتی ہیں تو وہ صرف قید خانے کے باہر ہی نہیں چمکتیں، اسیرانِ قید و محن کو بھی اپنی جلوہ

فروشیوں کا پیام بھیجتی رہتی ہیں۔صبح جب طبع شیر بکھیرتی ہوئی آئے گی اور شام جب شفق کی گلگوں چادریں پھیلانے لگے گی،تو صرف عشرت سراؤں کے دریچوں سے ہی اُن کا نظارہ نہیں کیا جائے گا،قید خانے کے روزنوں سے لگی ہوئی نگاہیں بھی انہیں دیکھ لیا کریں گی۔فطرت نے انسان کی طرح کبھی یہ نہیں کہا کہ کسی کو شاد کام رکھے کسی کو محروم کردے۔وہ جب کبھی اپنے چہرے سے نقاب الٹتی ہے تو سب کو یکساں طور پر نظارۂ حسن کی دعوت دیتی ہے۔یہ ہماری غفلت اندیشی ہے کہ نظر اُٹھا کر دیکھتے نہیں اور صرف اپنے گردوپیش میں ہی کھوئے رہتے ہیں۔

جس قید خانے میں صبح ہر روز مسکراتی ہو، جہاں شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو،جس کی راتیں کبھی ستاروں کی قندیلوں سے جگمگانے لگی ہوں،کبھی چاندنی کی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہوں، جہاں دوپہر ہر روز چمکے،شفق ہر روز نکھرے، پرند ہر صبح و شام چہکیں،اُسے قید خانے میں ہونے پر بھی عیش ومسرت کے سامانوں سے خالی کیوں سمجھ لیا جائے!یہاں سروسامانِ کار کی تو اتنی فراوانی ہوئی کہ کسی گوشے میں بھی گم نہیں ہوسکتا۔مصیبت ہماری یہ ہے کہ خود ہمارا دِل و دماغ ہی گم ہوجاتا ہے۔ہم اپنے سے باہر ساری چیزیں ڈھونڈتے ہی رہیں گے مگر اپنے کھوئے ہوئے دل کو کبھی نہیں ڈھونڈھیں گے، حالانکہ اگر اسے ڈھونڈھ نکالیں تو عشرت ومسرت کا سارا سامان اسی کوٹھری کے اندر سمٹا ہوا مل جائے!

اگر دنیا کی ساری مصنوعی خوشنمائیاں اوجھل ہوگئی ہیں تو ہوجائیں،صبح اب بھی ہر روز مسکرائے گی، چاندنی اب بھی ہمیشہ جلوہ فروشیاں کرے گی لیکن اگر دلِ زندہ پہلو میں نہ رہے تو خدارا بتلایئے اس کا بدل کہاں ڈھونڈھیں! میں آپ کو بتلاؤں اس راہ میں میری کامرانیوں کا راز کیا ہے؟ میں اپنے دل کو کبھی مرنے نہیں دیتا،کوئی حالت ہو،کوئی جگہ ہو،اس کی تڑپ دھیمی نہیں پڑے گی، میں جانتا ہوں کہ جہانِ زندگی کی ساری رونقیں اسی میکدۂ خلوت کے دم سے ہیں۔یہ اُجڑا،اور ساری دنیا اُجڑ گئی، باہر کے ساز وسامانِ عشرت مجھ سے چھن جائیں لیکن جب تک یہ نہیں چھنتا میرے عیش وطرب کی سرمستیاں کوئی نہیں چھین سکتا۔

لوگ ہمیشہ اس کھوج میں لگے رہتے ہیں کہ زندگی کو بڑے بڑے کاموں کے لیے کام میں لائیں،لیکن نہیں جانتے کہ یہاں ایک سب سے بڑا کام خود زندگی ہوئی،یعنی زندگی کو ہنسی خوشی کاٹ دینا۔یہاں اِس سے زیادہ سہل کام کوئی نہیں ہوا کہ مرجایئے۔اور اس سے زیادہ مشکل کوئی کام نہیں کہ زندہ رہیے۔جس نے یہ مشکل حل کرلی،اس نے زندگی کا سب سے بڑا کام انجام دے دیا۔

غالباً قدیم چینیوں نے زندگی کے مسئلے کو دوسری قوموں سے بہتر سمجھا تھا۔ایک پرانے چینی مقولے میں سوال کیا گیا ہے کہ ''سب سے زیادہ دانش مند آدمی کون ہے؟'' پھر جواب دیا ہے ''جو سب سے زیادہ خوش رہتا ہے''۔اس سے ہم چینی فلسفۂ زندگی کا زاویۂ نگاہ معلوم کرلے سکتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ بالکل سچ ہے۔اگر آپ نے یہاں ہر حال میں خوش رہنے کا ہنر سیکھ لیا ہے تو یقین کیجیے کہ زندگی کا سب سے بڑا کام سیکھ لیا۔خود بھی خوش رہیے اور دوسروں کو بھی کہتے رہیے کہ اپنے چہروں کو غمگین نہ بنائیں۔

ایک فرانسیسی اہلِ قلم کی ایک بات مجھے بہت پسند آئی کہ خوش رہنا محض ایک طبعی احتیاج نہیں ہے، بلکہ ایک اخلاقی ذمہ داری ہے اس لیے ہمارا اخلاقی فرض ہوا کہ خود افسردہ ہوکر دوسروں کو افسردہ خاطر نہ بنائیں۔

ہماری زندگی ایک آئینہ خانہ ہے۔یہاں ہر چہرے کا عکس بیک وقت سیکڑوں چہروں پر پڑنے لگتا ہے۔اگر ایک چہرے پر غبار آجائے گا تو سینکڑوں چہرے غبار آلود ہوجائیں گے۔ہماری کوئی خوش فہمی ہمیں خوش نہیں کرسکے گی،اگر ہمارے چاروں طرف غمناک چہرے اکٹھے ہوجائیں گے۔ہم خود خوش رہ کر دوسروں کو خوش کرتے ہیں اور دوسروں کو خوش دیکھ کر خود خوش ہونے لگتے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ مذہب، فلسفہ اور اخلاق تینوں نے زندگی کا مسئلہ حل کرنا چاہا اور تینوں میں خود زندگی کے خلاف رجحان پیدا ہوگیا۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ایک آدمی جتنا زیادہ بجھا دل اور سوکھا چہرہ لے کر پھرے گا، اُتنا ہی زیادہ فلسفی، مذہبی اور اخلاقی قسم کا ہوگا۔ گویا علم اور تقدس دونوں کے لیے یہاں ماتمی زندگی ضروری ہوئی۔ مذہب اور روحانیت کی دنیا میں تو زہد خشک اور طبعِ خنک کی اتنی گرم بازاری ہوئی کہ اب زہد مزاجی اور حق آگہی کے ساتھ کسی ہنستے ہوئے چہرے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

یہ سچ ہے کہ جن مسئلوں کو دنیا سینکڑوں برس کی کاوشوں سے بھی حل نہ کرسکی، آج ہم اپنی خوش طبعی کے چند لطیفوں سے انہیں حل نہیں کردے سکتے۔ تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ یہاں ایک حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک فلسفی، ایک زاہد، ایک سادھو کا خشک چہرہ بنا کر ہم اُسی مرقع میں کھپ نہیں سکتے جو نقاشِ فطرت کے موقلم نے یہاں کھینچ دیا ہے۔ جس مرقع میں سورج کی چمکتی ہوئی پیشانی، چاند کا ہنستا ہوا چہرہ، ستاروں کی چمک، درختوں کا رقص، پرندوں کا نغمہ، آبِ رواں کا ترنم اور پھولوں کی رنگین ادائیں اپنی اپنی جلوہ طرازیاں رکھتی ہوں، اُس میں ہم ایک بجھے ہوئے دل اور سوکھے ہوئے چہرے کے ساتھ جگہ پانے کے یقیناً مستحق نہیں ہوسکتے۔ فطرت کی اس بزمِ نشاط میں تو وہی زندگی سج سکتی ہے جو ایک دمکتا ہوا دِل پہلو میں اور چمکتی ہوئی پیشانی چہرے پر رکھتی ہو اور جو چاندنی میں بھی چاندنی کی طرح نکھر کر ستاروں کی چھانوں میں ستاروں کی طرح چمک کر پھولوں کی صف میں پھولوں کی طرح کھل کر اپنی جگہ نکال لے سکتی ہو۔

ابوالکلام آزاد

13.5 متن کی تشریح

متن کی تشریح (پہلا خط)

مولانا آزاد نے جنگ آزادی کے سلسلے میں ۱۹۴۲ء میں قلعہ احمد نگر کی اسیری کے دوران مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کے نام جو خطوط تحریر کئے تھے، وہ ''غبارِ خاطر'' کے نام سے شائع ہوئے ہیں، یہ خطوط اپنے مکتوب الیہ تک تو نہیں پہنچ سکے لیکن یہ خطوط مولانا کی انشاء پردازی اور اسلوب نگارش کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ زیرِ نظر خط میں مولانا آزاد نے جس انداز سے اپنے مخاطب سے بحث کی ہے اور جو اندازِ گفتگو استعمال کیا ہے وہ اِس بات کا شاہد ہے کہ مولانا کا مشاہدہ بہت وسیع تھا وہ معمولی سے معمولی موضوعات وعنوانات کو اپنی قوتِ بصیرت سے غیر معمولی بنا دیتے ہیں۔

ذیل کے اقتباس میں مولانا نے تعمیری نقطۂ نظر اپناتے ہوئے اس دلیل کو مضبوطی سے رکھا ہے کہ ہر بگاڑ ایک نئی بناوٹ کو جنم دیتا ہے یعنی تخریب میں تعمیر چھپی ہوتی ہے شرط یہ ہے کہ ہم اُسے دیکھ سکنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ اس خط کے ذریعے وہ یہی احساس کرانا چاہتے ہیں کہ انسانی وجود اور قدرت کی کارسازیاں اس دنیا روپی باغ میں ہماری آزمائش کرتی رہتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ برسات، سردی اور گرمی کے موسم قدرت کے قانون کے مطابق بدلتے رہتے ہیں لیکن اصل موسم تو انسان کے دل میں ہے جب تک یہ احساس قوی نہ ہوگا دنیا کی تمام تبدیلیاں بے معنیٰ ہیں، اس بات کی بھی تلقین کرتے ہیں کہ جو شے یا چیز اپنی اصل سے ناطہ توڑ لیتی ہے وہ اُس ٹہنی کی طرح سبز وشاداب نہیں ہوسکتی، سوکھی کی سوکھی ہی رہے گی جو درخت سے کٹ کر الگ ہوتی ہے۔ دنیا کی ہر چیز اس کے لیے بے معنیٰ ہوگئی ہے اس کے لیے اب خزاں بہار سب برابر ہیں، اب کوئی موسم بھی انہیں شاداب نہیں کرسکتا۔

انہوں نے اس بات کی بھی تشریح کرنا چاہی ہے کہ قدرت نے جو خزانے لٹانا تھے لٹا دیے، صرف کچھ بدلاؤ کے ساتھ وہی چیزیں

ہمارے سامنے دوبارہ آجاتی ہیں جو کچھ وقت پہلے کسی اور شکل میں موجود تھیں۔ ہر موسم کے پھولوں کا مزاج الگ ہوتا ہے موسم کے مطابق مُرجھا جاتے ہیں لیکن ان کا وجود کسی اور رنگ اور خوشبو اور بناوٹ میں بدل جاتا ہے زمین، آب وہوا، اور حرارت کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتی جس موسم میں بھی جو محنت کرے گا زمین اسی موسم کے مطابق پھول کھلا دیگی ہم محنت کش نہ بنیں اور زمین کو بانجھ کہ کر کوستے رہیں تو قدرت کے کارخانے پر کوئی فرق نہیں پرے گا، وہاں کا تو یہی نظام ہے کہ کوئی بناوٹ کسی بگاڑ کا نتیجہ بنتی ہے تو کوئی بگاڑ کسی نئی بناوٹ کا پیش خیمہ بن جاتا ہے اگر ایک بڑی مچھلی نے دریا میں چھوٹی مچھلی کا شکار کر کھالیا تو ایک کی جان گئی دوسری کی جان بچی ہمیں صرف اپنا نظریہ تعمیری اور مثبت رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً میدانوں کو اینٹوں سے ڈھک دیں تو میدان ختم، مکان بن جاتا ہے۔ پیڑ کاٹ لئے جائیں تو فرنیچر یا جہاز یا ناویں بن جاتی ہیں، وہ بھی ضروری ہیں۔ مزدور کا پسینہ کسی کے عیش وراحت کا سامان بن گیا۔ کل ملا کر یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ کچھ کرتے رہو گے تو دنیا تمہاری قدردان رہے گی، اپنی محنت، لگن، کوشش، عمل اور سعی مسلسل سے انسان دوسروں کے کام آتا رہے گا تو سر آنکھوں پہ بٹھایا جائے گا، پھولوں کی طرح عزت ہوگی اور بغیر کسی کارنامے کے وہ زمین پر بوجھ رہے گا اور زمین کوڑے کرکٹ کی طرح بنا کر ایسے لوگوں سے اپنا بوجھ اُتار دیتی ہے۔ انسانی زندگی کا بھی یہی اصول ہے یہ ہدایت کے لیے ہے، عبادت کے لیے ہے۔

متن کی تشریح (دوسرا خط)

مولانا ابوالکلام آزاد نے خود کو دماغی طور پر مصروف ومشغول رکھنے کے لیے جو غیر سیاسی خطوط لکھے ہیں اس میں اگر ان خطوط پر سے تاریخ، صدیق مکرم اور آخر کا ابوالکلام آزاد ہٹا دیا جائے تو نہایت اخلاقی وتہذیبی مضامین کے ساتھ علمی وادبی اور فلسفیانہ مباحث کا حسین ودلکش شاہ کار ہیں، حالانکہ یہ خطوط اپنے دور کے عالم وفاضل بے مثال کے نام ہیں مگر عبارت اور اسلوب صاف ستھرا اور اتنا پاک صاف ہے کہ عام آدمی بھی کچھ نہ کچھ حاصل کرے گا ہی۔ ''غبارِ خاطر'' کے موضوعات کائنات وحیات کے تاریخی حقائق کا ایک ایسا مجموعہ ہیں جس میں ماضی اور حال کے اکتسابات پر دیدہ ور کی نظر سے بحث کی گئی ہے۔ ''غبارِ خاطر'' کے ان بھیجے خطوط شاعرانہ انداز میں فلسفہ، نفسیات اور جمالیاتی فن کا بھی مرقع ہیں، اگر ایک طرف یہ خطوط آزاد کی ذہنی اور نفسیاتی کشمکش کی تصویر ہیں تو دوسری طرف یقیں محکم، عمل پیہم محبت فاتحِ عالم کی تشہیر بھی، اور آزادی کے دیرینہ خواب کی تعبیر بھی۔

ذیل کے خط میں مولانا نے شروع میں اس بات پر زور دیا کہ ہر انسان اپنے اپنے اندر زندگی کے مختلف شعبوں کی نمائندگی کرتا ہے کیونکہ میری زندگی کا ایک بڑا حصّہ قید وبند میں گذرا ہے اس لیے میں نے اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے ایک قید خانے کی زندگی اور دوسری قید خانے سے باہر کی زندگی، اور دونوں قسموں کی زندگی کے میں نے الگ الگ اصول وضوابط بنائے ہیں باہر کی زندگی میں خود رفتگی اور خود مشغولی مزاج پر چھائی رہتی ہے تو قید خانے میں اپنی پچھلی زندگی کو یکسر فراموش کر دیتا ہوں اور شگفتہ مزاجیوں اور خندہ روئیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور ہر آن اس فکر میں لگا دیتا ہوں کہ ناخوشگوار حالات کو کسی طرح خوش گوار بنایا جائے کیونکہ جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں اصلی عیش دماغ کا عیش ہے جسم کا نہیں۔

اسی لیے مولانا نے اپنی قید خانے کی زندگی کو بھی دو فلسفوں میں ڈھال لیا تھا ایک تو برداشت کرنا یعنی استقلال کی زندگی اور دوسری نفاست پسندی۔ یعنی عیش پسندی اسی لیے ناگوار حالات کو بھی صبر واستقلال سے برداشت کیا اور خوش گوار حالات کو سکون واطمینان سے گذارا۔ مولانا نے اس خط میں عیش وعشرت سے رہنے کا ایک نسخہ یہ بھی بتایا کہ ہم اپنے آپ کو پہچان لیں تو ہر خوشی ہمارے پہلو میں ہے لیکن

ہم بدقسمتی سے اسے چاروں طرف تلاش کرنے میں پریشان وسرگرداں رہتے ہیں کیونکہ جنگل میں رہنے والے مور کو کسی باغ کی تلاش نہیں رہتی وہ تو جہاں اپنے پر کھول کر ناچنا شروع کر دیتا ہے وہیں باغ بن جاتا ہے۔اس خط میں ایک بڑے پتہ کی بات یہ بتائی کہ قدرت نے کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی، چاہے انسان قید خانے میں ہو یا باہر سورج کی روشنی ہر جگہ پہنچتی ہے، رات کو جب آسمان کی قندیلیں چاند تاروں کی ذریعہ چمکتی ہیں تو وہ قیدی اور غیر قید میں فرق نہیں کرتیں۔ ہوا، بارش، موسم گویا قدرت نے ایسا نہیں کیا کہ کسی کو خوش اور کسی کو رنجیدہ کردے یہ ہماری نظر کا قصور ہے اُس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو مطلب یہ کہ انسان ان سب نعمتوں کو پا کر مولانا کہتے ہیں کہ ایسی جگہ قید خانہ ہو ہی نہیں سکتا صرف اپنا نظریہ مثبت رکھنا ہے۔ یہی اپنے دل کو، ضمیر کو مرنے نہیں دینا ہے زندہ دلی سے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے کیونکہ دل اُجڑا تو پھر مایوسی و ناکامی ہمارا مقدر ہو جائیگی جب تک ضمیر کی لو زندہ ہے دنیا کے عیش و کامرانیاں ہم سے چھینی نہیں جاسکتیں۔ کیونکہ زندہ رہنا ہی دنیا میں سب سے مشکل کام ہے۔زندگی امتحان ہے آزمائش ہے، مرجانا تو آسان ہے، چین کے باشندوں کی طرح ہمیں زندگی میں ہر حال میں خوش رہنے کا ہنر سیکھنا ہے حالات ہمارے مخالف ہوں یا موافق کیونکہ ہر حال میں خوش رہنا ہی زندگی سب سے بڑا ہنر ہے، کیونکہ ہمارا شیوہ یہ نہیں ہے کہ خود افسردہ رہ کر دوسروں کو افسردہ خاطر بنائیں، ہمیں اس رجحان سے بھی بچنا ہے کہ علم و تقدس حاصل کرنے کے لیے بناوٹی ہی سہی چہرے پہ اداسی رکھنی ہے۔ ماتمی چہرے سے تعلیم کا تقدیس کا کیا واسطہ؟ اگر ایسا رواج ہو جائے تو ہنستے ہوئے چہرے فنا ہو جائیں گے۔ کیونکہ ایک بجھے ہو دل اور سوکھے ہوئے چہرے سے فطرت کو خوش نہیں رکھا جاسکتا، وہاں تو دمکتا ہوا دل اور چمکتی پیشانی ہی کامیابی و کامرانی کی دلیل ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ مولانا آزاد نے پہلا خط کب لکھا؟

۲۔ مولانا آزاد کی زندگی کی دو قسمیں بتائیے۔

13.6 اکائی کا خلاصہ

مولانا آزاد کے دونوں خطوں کا تعلق غیر افسانوی نثر سے ہے۔خطوط نگاری اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کا نام ہے۔ یہ صنف نہایت لچکدار اور دو اشخاص کے درمیان ترسیل و ابلاغ کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

اردو میں اس صنف کو پروان چڑھانے میں غالبؔ، شبلیؔ، عبدالحقؔ، رجب علی بیگ سرورؔ، واجد علی شاہ، جوہرؔ، اقبالؔ اور مولانا آزادؔ کا اہم کردار رہا ہے۔مولانا آزاد کے وہ خطوط جو قلعہ احمد نگر کی نظر بندی کے دوران لکھے ضرور گئے لیکن مکتوب الیہ تک نہیں پہنچے ''غبار خاطر'' کے نام سے شائع ہوئے اور مقبول ہوئے۔آزاد سے پہلے خطوط کی روایات ضرور تھی لیکن آزاد نے مکتوبات کو خطبات بنا کر پیش کیا جو صرف انہیں کا کارنامہ ہے۔مولانا کی افتادِ طبع، علم، ذہانت و لطافت و خطابت، اہلیت و صلاحیت، حکیمانہ نظر، دانشوری، عصری مسائل پر گہری نظر تھی، وہ نہایت پرسکون ماحول میں ٹھنڈے منطقی دماغ سے مسائل کا تجزیہ کرتے، ان کی تحریروں کی شوخی، بے باکی، دلیری، معاملات کی سنجیدگی، اور جمالیاتی ذوق کی تسکین لاجواب بے مثال ہے۔

مولانا نے ہمیشہ زندگی کے مثبت رویہ کو ترجیح دی اور جہاں تک ہو سکا اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے تخریب میں بھی تعمیر کے پہلو ڈھونڈ نکالے اور اپنی خطیبانہ فکر کو خطوط نویسی کی حیثیت عطا کر دی۔

اپنے پہلے خط میں انہوں نے جہاں اس بات پر زور دیا ہے کہ انسان کا احساسِ دل قوی ہونا چاہیے، باہری موسم چاہے کوئی بھی ہو جب تک دل میں امنگ نہیں، دل سرد پڑا ہے تو باہری موسم بے معنی ہے۔ انہوں نے اس خط میں جو مرکزی نقطہ رکھا ہے وہ یہ کہ کائنات میں جو بھی بگاڑ ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی بناوٹ کا پیغام لاتا ہے وقتی طور پر ہمیں نظر نہیں آتا لیکن مستقبل قریب میں اس کا احساس ہو جاتا ہے اس لیے ہمیں ماضی سے اصلاح لے کر حال کو نظر میں رکھتے ہوئے مستقبل کو سنوارنا ضروری ہے۔ وقت کی گردش ایک آزمائش ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے اور جو اصل سے رشتہ توڑتے ہیں یعنی وہ شاخیں جو جڑوں سے جدا ہو جاتی ہیں، اپنا وجود کھو دیتی ہیں۔ یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ دانہ خاک میں مل کر ہی گل وگلزار ہوتا ہے، اگر ہم زمین پر محنت کریں گے تو زمین سب کچھ اُگل دے گی ورنہ بنجر کہلائے گی۔ ہر بگاڑ کسی نئے وجود کو جنم دیتا ہے۔ غرض اپنی مضمون نویسی جیسی خطوط نویسی کے ذریعہ آزاد نے بڑے اہم اقتباسات پیش کیے ہیں اور ان کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ نقطۂ نظر ہمیشہ مثبت اور تعمیری رکھنا چاہیے۔ اسی وجہ سے ان کے خطوط میں ایک دل نشینی اور تاثیر پائی جاتی ہے۔ مولانا آزاد ایک متحرک اور فعال شخصیت کے مالک تھے، انہوں نے بیک وقت سیاست، صحافت، خطابت اور ادیب کی خدمات انجام دیں۔ علمی اور مذہبی مسائل پر بھی تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا اور سیاسی وملکی معاملات پر بھی اپنے روشن ضمیر کردار کی چھاپ چھوڑی۔

جب کہ دوسرے خط میں مولانا نے جس قول کو پیش کیا، یقیناً وہ قولِ زرّیں ہے، قولِ فیصل ہے یعنی سنہرے حروف سے لکھنے لائق ہے جس میں فلسفیانہ فکر بھی تو نفسیاتی تسکین بھی، جس میں مذہبی تقدس ہے تو سماجی استقلال بھی، دنیا اور آخرت کے لیے نسخۂ کیمیا ہے تو صبر وقناعت کے منزل کے ساتھ فکر کی ادائیگی بھی اور وہ قولِ زریں ہے۔

''بہر حال خوش رہنا زندگی کا سب سے بڑا ہنر ہے جس نے ہر حال میں خوش رہنا سیکھ لیا اس نے زندگی کا سب سے بڑا ہنر سیکھ لیا۔'' اس خط میں یہ بات بتائی کہ قدرت نے سب کے ساتھ انصاف کیا ہے، کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں اس کی پرکھ ہو اور یہ بھی بتایا ہے کہ تن کا سکھ کچھ نہیں اصل عیش دماغ کا عیش ہے۔

13.7 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب تیس (۳۰) سطروں میں دیجئے۔

۱۔ مولانا آزاد کی نثری خدمات پر ایک مختصر مضمون لکھئے۔

۲۔ آپ کے کسی پسندیدہ موضوع پر تیس سطروں میں اپنے کسی دوست یا عزیز کو بے تکلف خط لکھیے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی حیات اور علمی وادبی خدمات کا تعارف دیجئے۔

۲۔ مولانا آزاد کی خطوط نگاری کی خوبیاں بیان کیجئے۔

13.8 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
رہنما	راستہ دکھانے والا	صحافی	اخباروں سے متعلق کام کرنے والا
جید	خوب، زبردست	منفرد	تنہا
خطابت	تقریر، خطبہ دینا	بصیرت	عقلمندی، یقین
امتزاج	ملاجلا ہونا	قابلِ افتخار	فخر کرنے کے قابل
صالح اقدار	نیک قدریں	مفکر	فکر کرنے والا
مساوات	برابری کا درجہ	نصب العین	مقصد
قومی اتحاد	ملکی ملاپ، مل جل کر رہنا	حامی	حمایت کرنے والا
فرقہ واریت	گروہی تعصّب	صوبائی عصبیت	صوبے کی طرفداری
متحدہ قومیت	تمام قوموں کا مل جل کر رہنا	کلچر	تہذیب، تمدّن
تربیت	اصلاح، پرورش	ترویج	ترقی
اندازِ تخاطب	بات کرنے کا طریقہ	تیر بہدف	نشانے پر تیر لگنا
اعتماد	بھروسہ، یقین	مستحکم	مضبوط
بابت	واسطے، لیے	موشگافی	بال کی کھال نکالنا
دوامی	ہمیشہ	مذاہب	مذہب کی جمع
تنگ نظری	خودغرضی	فروغ	ترقی
تلقین	سمجھانا	دست بردار	ہاتھ کھینچ لینا، الگ ہوجانا
شانہ بہ شانہ	کندھے سے کندھا ملا کر	ترغیب	رغبت دِلانا
فیصلہ کن	انصاف کا مقام	جبر واستبداد	ظلم وزیادتی
افہام وتفہیم	سمجھنا، سمجھانا	حق تلفی	حق مارنا
انانیت	خودستائی، خودی	اسیری	قید
شائع ہونا	چَھپ کر آنا	انشاپردازی	مضمون لکھنے کا فن
اسلوبِ نگارش	لکھنے کا طریقہ	قوی	مصبوط
حرارت	گرمی	محنت کش	محنت کرنے والا
پیش خیمہ	شروع ہونے سے پہلے کی کوئی بات	مثبت	کام ہونا پایا جائے

قدردان	عزت کرنے والا	سعیٔ عمل	کام کی دوڑ دھوپ، کوشش
حال	موجودہ زمانہ	دیدہ ور	صاحبِ نظر، ہوش مند
نفسیات	تحت اشعور اور لاشعوری علم	فلسفہ	حکمت اور دلیلوں کا علم
جمالیات	فنونِ لطیفہ کا علم، حسن شناسی	یقینِ محکم	مضبوط، کمال اطمینان
عمل پیہم	لگا تار عمل	فاتح عالم	دنیا کو جیتنے والا
تشہیر	شہرت	دیرینہ	پُرانا
شگفتہ مزاجی	خوش مزاجی	خندوروئی	ہنس مکھ، مسکراتے ہوئے
رنجیدہ	غمگین، اُداس، ناخوش	باشندے	رہنے والے
غیر افسانوی	جس میں کہانی پن نہ ہو	مافی الضمیر	دل کی بات، نیت
ترسیل وابلاغ	بھیجنا، روانہ کرنا	مکتوبات	خطوط، مکتوب کی جمع
افتادِ طبع	طبیعت کی گرانی	مسائل کا تجزیہ	مسئلوں کے حل کی ترکیب
ترجیح	فضیلت، فوقیت	دل نشینی	دل میں بیٹھنا
تاثیر	اثر	متحرک	حرکت میں رہنا
قولِ زرّیں	سنہرے بول	اقسام	قسمیں
نظریہ	دیکھنے کا انداز	شخصی	نجی، ذاتی
مخفی	پوشیدہ	تبادلۂ خیال	خیالات کی ادلا بدلی
عام فہم	سب کے سمجھ میں آنے والا	عموم	زیادہ تر، اکثر
خصوصاً	خاص طور سے	وسائل	وسیلے، راستے
ورثہ	ترکہ، میت کا چھوڑا ہوا مال	منطقی استدلال	علمی دلیلیں
جدّت	نیا پن	مروّجہ	رواج میں
تکلفات	ظاہر داری، تکلیف اٹھا کر کام کرنا	بود و باش	رہنے کی جگہ
مفر	فرار کی راہ	مفسر	تفسیر بیان کرنے والا
دارالعمل	کام کی جگہ، دنیا	ہمہ گیر	ہر طرف سے پکڑنا
تکمیل	مکمل، ختم	مؤثر	اثر کرنے والا

تبلیغ	پھیلانا	قائدانہ	رہبرانہ کردار
پایۂ استقلال	مضبوطی	سرخ رو	کامیاب
جہدِ مسلسل	مستقل کوشش	تگ ودو	کوشش میں لگے رہنا

13.9 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ مولانا آزاد کی نایاب تحریریں — پروفیسر شاہد

۲۔ ابوالکلام آزاد، ایک ہمہ گیر شخصیت — رشیدالدین خاں

۳۔ غبارِ خاطر — ابوالکلام آزاد

۴۔ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی — عبدالرزاق ملیح آبادی

۵۔ کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں — مالک رام

☆☆☆

اکائی 14

صحافت : فن اور نظریات

اکائی کے اہم اجزا :

14.1 اغراض ومقاصد

14.2 تمہید

14.3 صحافت کیا ہے

14.4 صحافت کے مقاصد

14.5 صحافت کی اہمیت

14.6 صحافت کی اقسام

14.6.1 مطبوعہ صحافت

14.6.2 برقیاتی صحافت

14.7 صحافت کے نظریات

14.7.1 مقتدارانہ یا آمرانہ نظریہ

14.7.2 حریت پسند یا آزاد صحافت کا نظریہ

14.7.3 سماجی ذمّہ داری کا نظریہ

14.7.4 اشتراکی نظریۂ صحافت

14.7.5 متفرق نظریات

14.8 اکائی کا خلاصہ

14.9 نمونے کے امتحانی سوالات

14.10 فرہنگ

14.11 سفارش کردہ کتابیں

14.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- ☆ صحافت کی تعریف بیان کر سکیں۔
- ☆ صحافت کے مقاصد پر روشنی ڈال سکیں۔
- ☆ صحافت کی اہمیت واضح کر سکیں۔
- ☆ صحافت صحافت کی مختلف اقسام کا تعارف کرا سکیں۔
- ☆ صحافت کے مختلف نظریات کی وضاحت کر سکیں۔

14.2 تمہید

کھوج اور تجسس کا مادہ روز اول ہی سے انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم سے لے کر آج تک انسان کے اندر تلاش و جستجو کا جذبہ نہ صرف برقرار ہے بلکہ اس میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ انسان نہ صرف اپنے معاشرے اور اردگرد کے ماحول سے باخبر رہنا چاہتا ہے بلکہ اس کرہ ارض اور ساری کائنات کے بارے میں بھی زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے وہ دنیا میں رونما ہونے والے تازہ ترین واقعات اور تبدیلیوں سے واقف ہونا چاہتا ہے۔ ان چیزوں کے بارے میں دوسروں سے معلومات حاصل کر کے اور اپنی معلومات دوسروں کو فراہم کر کے وہ خوشی محسوس کرتا ہے۔ قدیم زمانے ہی سے انسان معلومات، خبر یا اطلاعات کی کسی نہ کسی طریقے سے ترسیل کرتا آرہا ہے۔ تہذیب میں ترقی کے ساتھ جب تجارتی قافلوں کے سفر کا آغاز ہوا تو انسان کے جذبہ تحقیق اور تجسس میں مزید اضافہ ہوا۔ جب زمینی فاصلے اور سمندری حدود سکڑنے لگے تو اخبار نویسی نے جنم لیا۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی نے ابلاغ عامہ کے موثر اور تیز رفتار ترین ذرائع ایجاد کیے جو پلک جھپکتے میں کسی خبر کو دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پھیلا دیتے ہیں۔ معلومات و خیالات اور خبر و اطلاع کی ترسیل و اشاعت کا یہ نظام صحافت کہلاتا ہے۔

14.3 صحافت کیا ہے؟

صحافت کی جامع تعریف بیان کرنا مشکل ہے۔ کچھ صحافیوں اور اساتذہ نے صحافت کی تعریف بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مختلف انسائیکلو پیڈیا میں بھی صحافت کی تعریف یا مفہوم درج ہے۔ اردو انسائیکلو پیڈیا (جلد سوم) میں صحافت کا مفہوم یوں درج ہے:

''اخبار و رسائل اور خبر رساں اداروں کے لیے خبروں اور خبروں پر تبصروں وغیرہ کی تیاری کو صحافت کا نام دیا جاتا ہے یوں تو صحافت کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ انسانی تاریخ، لیکن جدید دور کی مطبوعہ صحافت کے فن نے پچھلے تین سو سال میں مختلف منزلوں سے گزر کر موجودہ شکل اختیار کی ہے۔۔۔''

اردو میں استعمال ہونے والا لفظ ''صحافت'' عربی زبان کے لفظ ''صحف'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ صحیفہ کے لغوی معنی وہ چیز ہے جس پر لکھا جا سکے۔ جدید عربی میں اخبار اور جریدے کو بھی صحیفہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ صحیفہ کے معنی خط یا مکتوب، حکم نامہ یا فرمان، آسمانی کتابوں اور احکام و ہدایات کے بھی ہیں۔ صحیفہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو مختلف معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اس سے مراد کتاب ''رسالہ لکھا ہوا'' اخبار اور کتابچہ بھی ہے۔ پروفیسر عبدالسلام خورشید اپنی تصنیف ''فن صحافت'' میں لکھتے ہیں:

''صحیفے سے مراد ایسا مطبوعہ مواد جو مقررہ وقفوں کے بعد شائع ہوتا ہے۔ چنانچہ تمام اخبارات و رسائل صحیفے ہیں اور جو لوگ اس کی ترتیب و تحسین اور تحریر سے وابستہ ہیں انھیں صحافی کہا جاتا ہے اور ان کے پیشے کو صحافت کا نام دیا گیا ہے''

انگریزی میں صحافت کو جرنلزم (Journalism) کہا جاتا ہے اس کا ماخذ فرانسیسی لفظ Journal ہے۔ فرانسیسی لفظ Journal کی اصل لاطینی لفظ Diurnalis (روزانہ) ہے۔ 751 قبل مسیح میں رومن حکومت میں روزانہ ایک قلمی اخبار نکلتا تھا جس کی کتابت پر سرکاری کاتب مقرر کیے گئے تھے۔ ہاتھ سے لکھے جانے والے اس اخبار کو Acta Diurna کہا جاتا ہے۔ لاطینی زبان میں Acta کے معنی کارروائی اور Diurna کے معنی روزانہ کے ہیں۔ اس طرح ایکٹا ڈیورنا کا مطلب روزانہ کارروائی تھا۔ گویا اس اخبار میں حکومت کی روزانہ کارروائیوں کی اطلاعات اور سرکاری خبریں درج کی جاتی تھیں۔ جرنل، جرنلسٹ اور جرنلزم کا رشتہ اسی Diurna یا Diurnalis سے جا ملتا ہے۔

مشہور انگریزی رسالے ٹائم کے ایرک ہوجنز کے مطابق ''صحافت معلومات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ دیانت' بصیرت اور رسائی سے ایسے انداز میں پہنچانے کا نام ہے جس میں سچ کی بالادستی ہو۔''

جرنلزم کا مطلب ہے اخبارات اور رسائل کے لیے لکھنا۔ یہ اخبارات و جرائد میں لکھنے اور اطلاعات کی ترسیل کا عمل ہے۔ لوگوں کے اندر فطرتاً نئی یا تازہ بہ تازہ باتوں کو جاننے کی تڑپ ہوتی ہے۔ تازہ ترین واقعات اور خبروں کی تحریر کے ذریعہ جرنلسٹ لوگوں کی اس تشنگی کو سیر آب کرتے ہیں۔

Websters Third International Dictionary میں جرنلزم (صحافت) کو عوامی رسائل کے اجرا یا ان میں لکھنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دور حاضر میں صحافت ایک مخصوص فن لطیف بن گئی ہے۔ یعنی یہ وہ فن ہے جس کے تحت خبروں اور اطلاعات کو جمع کیا جاتا ہے۔ انھیں ضبط تحریر میں لایا جاتا ہے اور نیوز میگزین کی شکل میں طبع کر کے شائع کیا جاتا ہے۔

صحافی بنیادی طور پر دو کام انجام دیتا ہے ایک تو یہ کہ وہ خبریں پہنچاتا ہے دوسرے یہ کہ وہ خبروں پر مبنی تشریحات اور تبصرے پیش کرتا ہے۔ اس طرح صحافت ایک ایسا سماجی عمل ہے جس کا سروکار سماج سے متعلق خبروں (NEWS) اور آرا (VIEWS) کی اشاعت سے ہے۔

ڈیوڈ وین رائٹ (David Wainwright) کہتا ہے:

صحافت ترسیل ہے۔ یہ دن بھر کے واقعات ہیں جو ترسیل کے ماہرین کے ذریعہ چند الفاظ' آوازوں یا تصاویر میں جلوہ نما ہوتے ہیں دنیا بھر کے انسانوں کی اس پیاس کو بجھائیں جو ہمیشہ نئی باتوں کو جاننے کی خواہش مند ہوتی ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کی پانچویں جلد میں جرنلزم کی تعریف ان لفظوں میں کی گئی ہے:

"The profession of gathering, writing and editing the news. As observers, reports and commentators on the rest of the society, journalist enjoy a unique status that amply justifies their occasional designation as the fourth state".

صحافت ایک مقدس پیشہ ہے' ایک ذمہ داری ہے۔ خبروں کی ترتیب و تہذیب کے علاوہ عوام کی رہنمائی اور رہبری کے لیے صحافت سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اسی لیے صحافی کو اقلیم کا چوتھا طبقہ کہا جاتا ہے۔ اکسپلورنگ جرنلزم (Exploring Journalism) کے مصنفین ای اولز لے اور کیمپ بیل نے صحافت کی تعریف نہایت اختصار کے ساتھ یوں بیان کی ہے۔

''صحافت جدید وسائل ابلاغ کے ذریعہ عوامی معلومات' رائے عامہ اور عوامی تفریحات کی باضابطہ اور مستند اشاعت کا فریضہ ادا کرتی ہے۔''

صحافت ایک ہنر ہے ایک فن ہے یہ ایسا فن ہے جس میں تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال ہوتا ہے۔ عموماً لوگ صحافت کو ادب کے دائرے سے باہر رکھتے ہیں لیکن یہ ادب کا ہی ایک حصہ ہے۔ ادب اور صحافت کے درمیان ایک واضح خط ہوتے ہوئے بھی کئی ایک امور میں دونوں مشترک ہیں۔ دونوں کا بنیادی مقصد ابلاغ ہے۔ اس لیے برنارڈ شاہ کہتا ہے:

"All great literature is journalism"

اعلیٰ ادب دراصل صحافت ہے۔

میتھیو آرنالڈ نے صحافت سے متعلق اس طرح رائے دی ہے۔

"Journalism is literature but in a hurry"

صحافت ادب ہے لیکن یہ عجلت میں لکھا گیا ادب ہے۔صحافت کے ابتدائی دور میں ادب اور صحافت ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے۔ادبی شہ پاروں کے ذریعہ صحافت کا کام لیا جاتا تھا۔

صحافت میں وہ تمام اوزار اور تکنیک وسائل اور ذرائع شامل ہیں جو صارفین کی ایک بڑی تعداد کو اطلاع اور تفریح فراہم کرنے میں ذریعے یا واسطے کا کام انجام دیتے ہیں۔یہ بڑے پیمانے پر اطلاعات سازی اور متعلقہ پیامات کی تقسیم کے اوزار یا ہتھیار ہیں۔

صحافت میں مطبوعہ صحافت (Print Media) اور برقی صحافت (Electronic Media) دونوں شامل ہیں۔مطبوعہ صحافت کے دائرے میں اخبارات' رسائل' کتابیں' پمفلٹ' کتابچے' ورقیے' دیواری اخبار اور پوسٹرز وغیرہ شامل ہیں۔برقی صحافت میں سنیما' ریڈیو' ٹیلی ویژن اور کیبل وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔دور حاضر میں سائنسی ایجادات نے برقی صحافت کو سیل فون' کمپیوٹر' سٹیلائٹ' انٹرنیٹ' ای میل' ویڈیو اور فیکس جیسی سہولتوں کے ذریعہ ناقابل قیاس تیز رفتاری اثر انگیزی اور وسعت عطا کی ہے۔ان وسائل کو آجکل سماجی میڈیا (Social Media) کہا جارہا ہے۔

ایک صنعت' فن' پیشے' تجارت اور کاروبار کی حیثیت سے صحافت کا سفر تقریباً تین صدیوں کا احاطہ کرتا ہے۔فن صحافت کی نشو ونما میں ٹکنالوجی کی ہمہ اقسام کی ترقی اور متعدد سیاسی' سماجی اور معاشی تبدیلیوں نے اہم حصہ لیا۔ٹکنالوجی کے اعتبار سے چھاپہ خانے (Press) کی ایجاد نے اخبارات کو وسیع پیمانے پر طبع کرنے اور ریلوے کی ایجاد نے ان اخبارات کو دور دراز کے علاقوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔آج کے زمانے میں وہ شخص صحافی (جرنلسٹ) کہلاتا ہے جو پریس' ریڈیو' فلم' ٹیلی ویژن' کیبل اور انٹرنیٹ کے لیے خبروں اور حالات حاضرہ کی جمع آوری' انتخاب اور ان کی نشر واشاعت کے کام میں کسی نہ کسی طور پر کوئی حصہ لیتا ہو۔اور صحافت (جرنلزم) وہ پیشہ ہے جس سے وہ متعلق یا وابستہ ہے۔اسی طرح مدیر (Editor) اخبار کا نمائندہ (Correspondant) معاون مدیر (Assistant Editor)' نامہ نگار (Reportor) مصحح (Proof Reader) کارٹونسٹ' فوٹو گرافر (فوٹو جرنلسٹ) یہ سب صحافی ہیں۔ان کے علاوہ کیمرے کا عملہ (Camera Crew) آڈیو' ویڈیو ایڈیٹر' خبرخواں (News Reader)' پروڈیوسر' ڈائرکٹر اور مینجنگ ڈائرکٹر بھی صحافی ہیں۔اسٹرنگروں (Stringers) کو جز وقتی (پارٹ ٹائم) صحافی کہا جاتا ہے۔فری لانس جرنلسٹ وہ ہوتے ہیں جو موقع بہ موقع حصہ لیتے ہیں۔

14.4 صحافت کے مقاصد

صحافت خواہ کسی بھی قسم کی کیوں نہ ہو' وہ بنیادی طور پر فن ابلاغ ہے۔صحافت' ابلاغ کا وہ مستند ذریعہ ہے جو عوام کو حالات اور واقعات کا شعور بخشتا ہے۔موجودہ دور ابلاغیات کا دور ہے اسی لیے مختلف نظام' نظریات اور اقوام ابلاغیات کے محاذوں پر ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہیں۔اب نہ صرف یہ ضروری ہے کہ ہر ملک کے پاس ابلاغیات کا ایک مضبوط اور وسیع نظام ہو بلکہ یہ بھی لازمی ہے کہ اس نظام سے وابستہ تمام افراد فن ابلاغ کے ماہر ہوں اور اس فن پر عبور حاصل کرنے کے لیے علم اور مہارت دونوں درکار ہوتے ہیں۔

صحافت کا اہم مقصد دنیا کے واقعات اور حالات کی تازہ ترین صورت حال سے عوام کو واقف کروانا اور ان واقعات کی پیش کش میں معروضیت' صداقت اور راست بازی سے کام لینا ہے واقعات میں اپنے رائے شامل کرنا یا خبر کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا' صحافت جیسے معزز پیشے کو داغ دار بنانا ہے۔ بعض خبریں یا واقعات ان کے پس منظر کا تقاضہ کرتی ہیں اس لیے صحافی کو چاہیے کہ وہ خبروں اور واقعات کا پس منظر بھی دے لیکن پوری ایمانداری کے ساتھ پس منظر تحریر کرتے ہوئے اپنی پسند و ناپسند کو بالائے طاق رکھے۔

رائے عامہ کو ہموار کرنا' صحافت کا ایک اور اہم مقصد ہے کیونکہ جب تک عوام میں شعور نہیں آتا اس وقت تک رائے عامہ کی تشکیل کرنا ممکن نہیں ہے۔ عوام میں غور و فکر کی صلاحیت پیدا کرنا' ان کے دلوں میں اخبار کی عزت و عظمت قائم کرنا اور ان کے خیالات و احساسات کی ترجمانی کرنا اور ان کے مسائل کو حل کرنے میں قوم کو متحد کرنا' صحافت کے فرائض میں شامل ہیں۔

صحافت ایک سماجی خدمت ہے اور اخبار ایک سماجی ادارہ ہوتا ہے۔ سماج کو آئینہ دکھانے کا کام صحافت کا ہے۔ سماج کی اچھائیاں اور برائیاں صحافت کے ذریعے ہی سامنے آتی ہیں۔ عوام میں سماجی اور سیاسی شعور بیدار کرنا' صحت مند ذہن اور نیک رجحانات کو پروان چڑھانا' صالح معاشرے کی تشکیل کرنا' حریت اور آزادی کے جذبے کو فروغ دینا' مختلف اقوام میں دوستی کے جذبے کو بڑھانا' جذبہ ہمدردی' رواداری' الفت و محبت کو فروغ دینے کا کام صحافت کا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر کنور محمد دلشاد لکھتے ہیں:

''ہر ملک کی صحافت وہاں کے باشندوں کے جذبات اور احساسات کا آئینہ ہوتی ہے' اگر قوم ترقی یافتہ اور آزاد خیال ہے تو صحافت بھی ترقی یافتہ اور آزاد ہوگی اور اگر قوم تباہ حال اور محکوم ہے تو صحافت بھی اسی طرح ہوگی لیکن اسکے باوجود صحافت ہی سے غلامی اور محکومیت کی زنجیریں کاٹی جاسکتی ہیں جس قوم کی صحافت کا نصب العین حریت اور آزادی ہو اس قوم کا ستارہ بلند ہو کر رہے گا۔''

صحافت کے فرائض بیان کرتے ہوئے مشہور صحافی اے جے بلیر لکھتے ہیں:

''صحافت کا فرض لوگوں کو اس طرح واقعات اور حالات سے واقف کرانا ہے کہ دنیا میں زمان و مکان اور ماحول کا فرق باقی نہ رہے جن کے بغیر ان میں وسیع النظری پیدا نہیں ہوسکتی۔ ایک روزانہ اخبار پڑھنے والا بڑی حد تک دنیا کے اہم واقعات سے واقف رہتا ہے جو نہ صرف خود اس کے ملک میں بلکہ ساری دنیا میں واقع ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ غیر ارادی طور پر وہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا میں باوجود نسلی' جغرافیائی' سیاسی' سماجی' مذہبی اختلافات کے انسانی مقاصد میں کتنی یکسانیت پائی جاتی ہے جو لوگ اخبار نہیں پڑھتے ان میں وسیع النظری پیدا نہیں ہوسکتی نہ ان کی نظریں اپنے ماحول سے آگے جاسکتی ہیں۔ اخبار پڑھنے سے انسان کے خیالات میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور اقوام عالم میں یک جہتی اور بھائی چارہ پیدا کرنے میں یہ بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں۔''

صحافت کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں:

''اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو تازہ ترین خبروں سے آگاہ کیا جائے' عصر حاضر کے واقعات کی تشریح کی جائے اور ان کا پس منظر واضح کیا جائے تاکہ رائے عامہ کی تشکیل کا راستہ صاف ہو۔ صحافت رائے عامہ کی ترجمان اور عکاس بھی ہوتی ہے اور رائے عامہ کی رہنمائی کے فرائض بھی سرانجام دیتی ہے۔ عوام کی خدمت اس کا مقدس فریضہ ہے۔ اس لیے صحافت معاشرے کے ایک اہم ادارے کی حیثیت رکھتی ہے۔''

ڈاکٹر مسکین علی حجازی کے نزدیک صحافت اور صحافی کے اصل مقاصد یہ ہیں:

''صحافت اور صحافی کا بنیادی مقصد لوگوں کو معلومات فراہم کرنا' ان کو تعلیم دینا اور ان کی رہنمائی کرنا اور ان کو تفریح فراہم کرنا ہے۔''

موجودہ دور میں صحافت ترسیل کے میدان کا ایک مسرت خیز اور دلچسپ پیشہ بن گئی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ خبروں کی اشاعت کے ذریعہ عوام کی خدمت کا ایک معزز پیشہ ہے۔ اس کا ہدف سماجی' سیاسی اور معاشی خرابیوں کو منظر عام پر لانا ہی نہیں بلکہ عوام کو باخبر کرنا' انہیں رہنمائی فراہم کرنا اور اس کے ذریعہ انہیں آگاہی بخشنا بھی ہے۔ رائے عامہ کی تشکیل میں صحافت کا اہم حصہ ہوتا ہے۔

صحافت کا ایک مقصد قارئین کو بہترین تفریح مہیا کرنا ہے اور اس تفریح کے ذریعہ ان کی ذہنی تربیت کرنا ہے۔ تفریح کے معاملے میں کچھ اخبار شرم وحیا کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اور فیشن کے نام پر نیم برہنہ اور بے ہودہ تصاویر شائع کرتے ہیں۔ چوں کہ اخبار گھر کے سبھی افراد مطالعہ کرتے ہیں اس لیے اخلاقی اقدار کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے۔ غرض صحافت نہ صرف ایک فرد کی ذہنی' قلبی' جسمانی اور روحانی تربیت کا بیڑہ اٹھاتی ہے بلکہ ایک بہتر سماج کی تشکیل وتعمیر میں بے حد اہم کردار ادا کرتی ہے۔

14.5 صحافت کی اہمیت

صحافت کی قوت دراصل عوام کی قوت ہے اس قوت کے پیچھے نہ حکومت کی مشنری ہے اور نہ قانون وعدالت کا ڈر ہے اس کے باوجود اقتدار صحافت کا یہ عالم ہے کہ حکومتیں اور عوامی ادارے اس کے احترام پر مجبور ہیں۔ مغلوں کے عہد میں بھی اخبار نویس یا واقعہ نگار کی جان ومال عزت وآبرو کی حفاظت کا بادشاہ وقت کو جس حد تک خیال رہتا تھا اس کا اندازہ جہانگیر کے زمانے کے ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گجرات کے ایک صوبہ دار نے احمد آباد کے واقعہ نگار کے ساتھ بدسلوکی کی۔ واقعہ نگار نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عرضداشت بھیجی کہ ''عبداللہ خاں صوبیدار نے سچی روداد لکھنے کے جرم میں خانہ زاد کو اس کے گھر سے پاپیادہ بلوایا اور اس کی بے حد توہین کی۔'' بادشاہ نے صوبہ دار کو معزول کرتے ہوئے حکم دیا کہ اسے پاپیادہ گھر سے شہر کے باہر تک لائے اور پھر گھوڑے پر سوار کر کے یہاں لائے۔ بادشاہ کے ایلچی کے احمد آباد پہنچنے سے پہلے ہی صوبہ دار کو اس کی حکم کی اطلاع ہوگئی اور اس پر قدر ہیبت طاری ہوگئی کہ وہ شہر سے پاپیادہ چل کھڑا ہوا اور منزلیں طے کرتا رہا۔ راستے میں بادشاہ کے آدمی نے اسے زبردستی گھوڑے پر سوار کر کے بادشاہ کے حضور پیش کیا اور بادشاہ نے صوبہ دار کو اس کے عہدے سے محروم کر کے اپنے حضور میں اس کی باریابی بند کردی۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صحافت کے ابتدائی دور میں ہی صحافت کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ تھی۔ ہندوستانی بادشاہوں نے خبر رسانی کی اہمیت کو اس حد تک محسوس کرلیا تھا کہ ہر ضلع میں ایک اخبار نویس ضرور مقرر کیا جاتا تھا جسکا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے علاقے کے حالات کی بادشاہ اور اس کے وزیروں کو بے کم وکاست اطلاع دیا کرے اگر اخبار نویس اپنے فرائض کی انجام دہی میں سہواً ارادتاً کوتاہی کرتا اور بادشاہ کو اس کی اطلاع ہوجاتی تو اخبار نویس کو جرم کی نوعیت کے مطابق برخاست کردینے سے لیکر پھانسی تک کی سزا دی جاتی۔

آج کا دور تو ابلاغیات کا دور ہے۔ خبروں اور تبصروں کی ترسیل کا آج جو نظام ہے اس سے صحافت کی بے پناہ قوت اور اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ صداقت اور راست بازی صحافت کی وہ بنیادی خصوصیات ہیں جو معاشرے میں اس کی اہمیت کی غماز ہیں۔ صحافت انسانی اقدار کے تحفظ کی ضامن ہوتی ہے مظلوم' مجبور اور کمزور عوام کے جذبات اور احساسات کی پیامبر ہوتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے

کہ جب کبھی سماج میں ظلم وستم نے سر ابھارا تو صحافی کے نوک قلم نے ظالم کا سر قلم کر کے رکھ دیا۔ جارج ہشتم نے صحافت کی بے پناہ قوت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا تھا کہ:

''اخبار ٹائمز (لندن) دریائے ٹیمز سے زیادہ خطرناک ہے۔''

نپولین بوناپارٹ کا قول تھا کہ:

''میں تین اخباروں سے ڈرتا ہوں ایک لاکھ سنگینوں سے نہیں۔''

عام طور پر صحافت کو چوتھی مملکت Fourth State of Realm کہا جاتا ہے۔ کسی بھی جمہوری حکومت میں تین ادارے پارلیمنٹ، انتظامیہ اور عدلیہ بے حد ضروری ہوتے ہیں اور ان تینوں کی بقاء اور سلامتی کے لیے صحافت کا وجود ناگزیر ہے۔ صحافت کے بغیر ان تینوں اداروں کا جمہوریت پسند ہونا شک وشبہ کی گنجائش پیدا کرتا ہے تبھی تو تھامس جیفرسن نے کہا تھا:

''اگر مجھ سے یہ تصفیہ کرنے کے لیے کہا جائے کہ آیا حکومت کے بغیر اخبارات یا اخبارات کے بغیر حکومت تو میں بلا تامل مواخرالذکر کو ترجیح دوں گا۔''

صحافت کی اہمیت، افادیت اور ان کے مثبت ومنفی پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے کنور محمد دلشاد اپنی تصنیف ''ابلاغ عامہ'' میں لکھتے ہیں:

''صحافت ایک جادو ہے جس کے بول میں خیر وشر کی بجلیاں روپوش ہیں ایک معمولی سی خبر، ایک افواہ یا ایک غلط بیانی کے وہ دور رس نتائج مرتب ہوتے ہیں جن پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ کسی شخص کو بام شہرت پر پہنچانا ہو یا قعر مذلت (ذلت کے گڑھے) میں ڈھکیلنا ہو، کسی جماعت یا تحریک کو قبولیت کی سند عطا کرنا ہو یا لوگوں کو اس سے متنفر کرنا ہو حکومت کی کسی پالیسی کو کامیاب بنانا یا ناکام کرنا ہو یا مختلف اقوام میں جذبات نفرت یا دوستی پیدا کرنا ہو تو یہ صحافت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔''

ایک اچھا، ذی اثر، حق گو اور بے باک اخبار خود بہ خود معاشرے میں اپنی دھاک بٹھاتا ہے۔ اخباروں کی بدولت ہی حکومتیں بنتی بھی ہیں اور ٹوٹتی بھی ہیں۔ صحافت کی بے پناہ قوت وافادیت کا احساس کرتے ہوئے اکبر الہ آبادی کہتے ہیں:

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو

جب توپ مقابل ہے تو اخبار نکالو

14.6 صحافت کی اقسام

ذرائع کے اعتبار سے صحافت کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ مطبوعہ صحافت اور برقیاتی صحافت۔ ہم ان پر تفصیل سے نظر ڈالیں گے۔

14.6.1 مطبوعہ صحافت

ایسے اخبار و رسائل جو طبع اور شائع ہوتے ہیں مطبوعہ صحافت کے زمرے میں آتے ہیں۔ روزنامے، سہ روزہ اور ہفت روزہ اخبارات کے علاوہ پندرہ روزہ، ماہنامے، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ مجلّے، ہاوز جرنل، پیشہ ورانہ رسائل غرض وہ تمام صحافتی مواد جو طبع کیا جاتا ہے مطبوعہ صحافت کے دائرے میں آتا ہے۔

اخبار :

''اخبار'' عربی زبان کا لفظ ہے جو ''خبر'' کی جمع ہے۔ ابتداء میں یہ لفظ قلمی خبرناموں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جو ظہور اسلام سے

قبل ایران کے شہنشاہوں کے دور میں رائج تھے۔ اخبار کے تحت روزنامے، سہ روزہ، ہفت روزہ کا شمار ہوتا ہے۔ کچھ لوگ پندرہ روزہ کو بھی اخبار کہتے ہیں۔ روزنامے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہفتہ میں کم از کم پانچ شمارے جاری ہوں۔ روزناموں میں قارئین کو مقامی، قومی اور بین الاقوامی واقعات اور حالات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اداریوں میں اہم واقعات اور مسائل کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور ایسی معلومات فراہم کی جاتی ہیں جو زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ معاشرہ میں روزناموں کا خاصہ اثر رہتا ہے۔

سہ روزہ اخباروں کا چلن اب نہیں رہا۔ بہت کم سہ روزہ شائع ہو رہے ہیں۔ دہلی کا سہ روزہ دعوت مشہور ہے جو آج بھی پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ ہفت روزہ میں دلچسپی کا سامان ہوتا ہے۔ یہ اخبار اس نقطہ نگاہ سے مرتب کیے جاتے ہیں کہ ایسے قارئین جو روزانہ اخبار کا مطالعہ تفصیل سے نہیں کر پاتے وہ اہم خبروں کی تفاصیل کو ہفتہ میں ایک بار ضرور پڑھیں۔ یہ ہفتہ وار اپنے قارئین کو ذوق کی آسودی کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن قارئین ہفتہ وار اخبار میں شائع ہونے والے مواد کو ذہنی تفریح اور وقت گزاری کے لیے پڑھتے ہیں کیونکہ یہ اخبار اکثر معمولی واقعات کو مرچ مسالہ لگا کر پیش کرتے ہیں۔

رسائل :

رسالہ عربی کے مادہ ''رسل'' سے بنا ہے جس کے معنی پہنچانے کے ہیں۔ یہ عوام میں ترسیل کا بہترین وسیلہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی تفسیر بھی کرتے ہیں۔ ان کے ذریعہ تاریخ کے تسلسل کو سمجھنا آسان ہوتا ہے۔ ادبی ذوق کی تہذیب و ترتیب میں بھی رسائل کا بڑا حصہ ہے رسائل کے ذریعے افراد کے رجحان اور پورے معاشرے کی سمت و رفتار کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ رسائل کئی طرح کے ہوتے ہیں ادبی، علمی، فنی، طبی، قانونی، فلمی، خالص تفریحی اور پیشہ وارانہ وغیرہ ۔ میقاتی اعتبار سے یہ پندرہ روزہ ماہنامے، سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ ہوتے ہیں۔

ماہنامے مجلّے یا ڈائجسٹ جن میں وقتی دلچسپی کا مواد بہت کم ہوتا ہے۔ ڈائجسٹوں میں نیم ادبی، نیم معلوماتی اور تفریحی مواد اور مضامین مختلف اخبارات و رسائل سے ڈائجسٹ کیے جاتے ہیں۔ ان کی اشاعت ادبی مجلوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ جب کہ ادبی رسالوں کا حلقہ بہت محدود ہوتا ہے مگر انتہائی تعلیم یافتہ طبقے میں پڑھے جاتے ہیں۔ ان ادبی مجلوں میں نہ صرف ادبی، تحقیقی اور تنقیدی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ بلکہ ان سے ادب کے مختلف رجحانات اور تحریکات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

پیشہ وارانہ رسائل میں وہ تمام رسائل شامل ہیں جو کسی نہ کسی پیشہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مثلاً طبی، تجارتی، کمپیوٹر یا کسی خاص ہنر سے تعلق رکھنے والے رسالے ان کے علاوہ مختلف کمپنیوں یا اداروں کے ہاوز جرنل بھی مطبوعہ صحافت کے دائرے میں آتے ہیں۔

14.6.2 برقیاتی صحافت

برقیاتی صحافت میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، نیوز ریل، فلم، انٹرنیٹ اخبار اور رسالے شامل ہیں۔ پتہ نہیں مستقبل میں سائنس اور ٹکنالوجی کوئی اور جادوئی چیز ایجاد کرے اور وہ بھی ذرائع ابلاغ کی اہم کڑی ثابت ہو جائے۔

ریڈیو :

لاسلکی کی پہلی ترسیل مارکونی نے 1899ء میں انگلستان سے کی بیسویں صدی کے دوسرے دہے میں لاسلکی نظام سارے یورپ میں باقاعدہ نشریات کا مستند ذریعہ بن گیا۔ 23 فروری 1922ء کو مارکونی کمپنی نے انگلستان میں پہلا ریڈیو پروگرام نشر کیا۔ یکم جنوری 1927

ءکو یہ کمپنی برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن میں تبدیل ہوگئی پھر ذرائع ابلاغ کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوگیا۔

آج ریڈیو خبروں کی ترسیل کا مستند ذریعہ ہے جو نہ صرف خبریں نشر کرتا ہے بلکہ خبروں پر تبصرے، تہذیبی وثقافتی پروگرام اور موسیقی کے دلچسپ پروگرام بھی نشر کرتا ہے۔ ریڈیو کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ناخواندہ لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں۔ جب کہ اخبار صرف پڑھے لکھے لوگ ہی استعمال کرتے ہیں۔ اکثر ملکوں میں نشریات کی غرض وغایت تفریح کے علاوہ معلومات اور تعلیم کی اشاعت ہے۔ ہندوستان میں ان سے معلومات اور تعلیم کے علاوہ علاقائی کلچر وادب کی ترقی، قومی یک جہتی، تہذیبی قدروں اور سائنٹفک نقطہ نظر کی ترویج اور ترقیاتی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ دنیا کے بے شمار ملکوں میں ریڈیائی صحافت کروڑوں سامعین کی خبری ضروریات کو پورا کررہی ہیں۔ اشتراکیت، جمہوریت، فسطائیت اور سرمایہ داری کی جو جنگ چھڑی ہے۔ اس سے ریڈیائی صحافت کا دائرہ اور بھی وسیع ہوا۔ دوسری عالمی جنگ، ملک کی جدوجہد آزادی، ہندو پاک جنگ کے دوران ریڈیو نفسیاتی جنگ کا اہم حربہ بن گیا۔ کھیل کود جیسے کرکٹ، ہاکی اور فٹبال کی کومنٹری نے ریڈیو کی اہمیت میں مزید اضافہ کردیا ہے۔ یہ جادو کچھ کم ہے کہ ریڈیو کے ایک نشریے سے بیک وقت کروڑوں باشندے مستفید ہوتے ہیں۔ ریڈیو برقیاتی صحافت کا اہم وسیلہ بن گیا ہے اس کے باوجود یہ اخبار کا نعم البدل نہیں بن سکا۔

ریڈیائی صحافت کی مشکل یہ ہے کہ وہ صرف اہم خبروں اور اس کی مختصر تفصیل کو ہی نشر کرسکتا ہے۔ ریڈیائی خبرنامہ پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ اس مختصر سے وقت میں دنیا بھر کی اہم خبروں کا انتخاب اور ان کی تلخیص کو ہی پیش کیا جاسکتا ہے۔ سیاسی اختلافات، سیاسی بحران اور جرائم کی خبریں پیش کرنے سے وہ قاصر ہے۔ چونکہ ریڈیو کے سامعین میں ناخواندہ افراد بھی شامل ہیں۔ اس لیے زبان کی سادگی اور سلاست لازم ہے۔ تکرار لفظی، پیچیدہ انداز بیان اور مشکل تراکیب کا استعمال ریڈیائی صحافت کے حسن کو ضائع کردیتا ہے

ٹیلی ویژن :

بیسویں صدی کو سائنسی ایجادات کی صدی کہا جاتا ہے اور اس سلسلے کی اہم کڑی ٹیلی ویژن ہے۔ ابتدائی دنوں میں جسے ''جادوئی پٹارہ'' بھی کہا جاتا تھا۔ ٹیلی ویژن یونانی اور لاطینی لفظوں کا مرکب ہے۔ یونانی لفظ ''ٹیلی'' کے معنی ''فاصلے پر'' ہیں ''ویژن'' لاطینی لفظ ہے جس کے معنی ''میں دیکھتا ہوں'' کے ہیں۔ اردو میں ٹیلی ویژن کا ترجمہ مختلف لوگوں نے اپنے اپنے ڈھنگ سے کیا لیکن ٹیلی ویژن کی اصطلاح ہی مروج ہوگئی البتہ ہندی میں ٹیلی ویژن کا بدل ''دوردرشن'' ہے جو رائج ہے۔

ٹیلی ویژن کا موجد جان ایل بیرڈ (John. L. Biard) ہے ٹیلی ویژن 1922ء سے مختلف تجربات کے بعد 1927ء میں منظر عام پر آیا۔ ریڈیو کا تعلق صرف کان سے ہے جب کہ ٹیلی ویژن کا تعلق کان اور آنکھ دونوں سے ہے۔ دیدوشنید کی یکجائی نے ٹیلی ویژن صحافت کو تکنیکی طور پر ریڈیو صحافت سے کہیں زیادہ مشکل لیکن بہت زیادہ مقبول بنادیا۔ موجودہ زمانے میں خبریں صرف پڑھی یا سنی نہیں جاتیں بلکہ دیکھی جاتی ہیں۔ چونکہ دیکھی ہوئے شئے زیادہ متاثر کرتی ہے اس لیے آج ہر ایک کے دل ودماغ پر ٹیلی ویژن صحافت چھائی ہوئی ہے۔ ڈیجیٹل کیمروں نے واقعات کو چوری چھپے ریکارڈ کرنے کی سہولت بخشی جس کی بدولت ٹیلی ویژن پر جرائم کی خبروں کو نہایت تفصیل سے دیکھنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ موجودہ دور میں سیکڑوں چیانل دکھائے جاتے ہیں۔ آپسی مسابقت کی وجہ سے ناظرین کو بہتر سے بہتر پروگرام دیکھنے اور محظوظ ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اشتہاروں کی بھرمار سے نہ صرف ٹیلی ویژن صحافت کی آمدنی میں اضافہ ہوا بلکہ لوگوں کی خواہشِ خرید میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ایسے کئی چینل ہیں جو صرف اور صرف خبروں اور تبصروں کے لیے مخصوص ہیں اور یہ چوبیس

گھنٹے ناظرین کو گھر بیٹھے دنیا کے اہم واقعات کو دکھاتے ہیں۔موسیقی، فلمی، سائنسی، مذہبی کئی ایک چینل ٹیلی کاسٹ ہوتے ہیں لیکن یہ بھی ایک کرشمہ ہے کہ لوگ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو استعمال کرتے ہوئے بھی صبح صبح اخبار پڑھنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں گویا ریڈیو اور ٹیلی ویژن اخبار کا بدل نہیں ہیں۔

نیوز ریل اور فلم :

نیوز ریل اور فلم معلومات کی ترسیل کا اہم ذریعہ ہیں۔ یہ اکثر حکومت کے ترقیاتی پروگرام، سائنس وٹکنالوجی، تعلیم اور سماجی موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں فلم تھیٹروں میں بھی ڈاکیومنٹری فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔

انٹرنیٹ :

کمپیوٹر کی ایجاد نے ساری دنیا کو ایک عالمی گاؤں میں تبدیل کر دیا ہے۔زندگی کے ہر شعبے میں کمپیوٹر کا عمل دخل ہے کمپیوٹر معلومات کی ترسیل میں ایک اہم ذریعہ بن گیا ہے۔مختلف مطبوعہ اخبار و رسائل اپنا انٹرنیٹ ایڈیشن بھی رکھتے ہیں جو مخصوص ویب سائٹ پر دیکھے اور پڑھے جاسکتے ہیں۔انٹرنیٹ اخبار کا استعمال گو کہ پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ طبقے تک محدود ہے لیکن اس کے موثر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ انٹرنیٹ اخبار ''تہلکہ ڈاٹ کام'' اس کا بین ثبوت ہے۔انٹرنیٹ پر ادبی رسالے بھی پیش کیے جارہے ہیں جن سے ادبی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوگیا ہے۔ بہت سے ادارے اور کتب خانے اپنے اپنے ویب سائٹ پر نہ صرف کتابیں بلکہ مخطوطات بھی پیش کرتے ہیں۔جس سے انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہورہا ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ صحافت کی تعریف بیان کیجیے۔

۲۔ ذرایع کے لحاظ سے صحافت کی اقسام بتایے۔

14.7 صحافت کے نظریات

ذرائع ابلاغ یا صحافت کے مغربی نظریات فریڈ سائی برٹ (Fred Siebert) تھیوڈور پیٹرسن (Theodore Peterson) اور ولبر شرام (Wilbur Schramm) نے اپنی کتاب Four Theories of the Press میں پہلی مرتبہ پیش کیے۔

اب ان نظریات کو مثالی یا معیار بند ان معنوں میں کہا جاتا ہے کہ یہ نظریات بنیادی طور پر یہ بتاتے ہیں کہ موجودہ صورت حاصل اور مروجہ اقدار کے تحت میڈیا (صحافت) کو کیسا ہونا چاہیے یا یہ کہ اس سے کس طرح کے کام کی توقع کی جاسکتی ہے۔اس لیے یہ نظریات سے زیادہ مفروضات کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ان نظریات کو سب سے پہلے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اس وقت پیش کیا گیا جب کہ کمیونزم اور روس کے خلاف سرد جنگ عروج پر تھی۔اس طرح یہ امریکی پروپیگنڈے کا ایک حصہ تھے میڈیا (صحافت) کی حقیقی عمل آوری سے ان کا مضبوط تعلق نہیں تھا۔ وہ امریکہ کے طریقہ کار کو مثالی قرار دیتے ہیں اور اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں جو ان کے نزدیک جمہوری اور سماجی ذمہ داری پر مبنی ہے اس کے برخلاف وہ سوویت روس اور کمیونسٹ طریقہ کار کا مضحکہ اڑاتے ہیں جو ان کے نزدیک آمرانہ اور حاکمانہ ہوتا ہے۔ وہ مطبوعہ اور الکٹرانک میڈیا کے عوامی خدمت کے اس نمونے پر نظر نہیں کرتے جو مغربی یورپ میں عام طور پر قبول کیا گیا ہے۔اور ایشیا اور افریقہ کے متعدد ممالک میں بھی عمل پذیر ہے۔

صحافت / میڈیا کے اصل چار نظریات یہ ہیں۔(1) مقتدرانہ یا آمرانہ نظریہ (Authoritarian Theory) ‘(2) حریت پسند یا حامی آزادی نظریہ (Liberatarian Theory) (3) سماجی ذمہ داری کا نظریہ (Social Responsiblity Theory) اور (4) سوویت نظریہ صحافت (Soviet Media Theory)۔

ہر ایک نظریہ مخصوص سیاسی اور معاشی حالات کے لیے موزونیت رکھتا ہے۔ان نظریات میں صحافت اور قارئین کے رشتے پر اتنی توجہ نہیں دی گئی ہے جتنی توجہ صحافت اور حکومت کے درمیان رشتے کو دی گئی ہے۔ان نظریات کا اصل سروکار ملکیت یا کنٹرول سے ہے صحافت کے دیگر امکانات یا عوام کے حق معلومات سے ان کی زیادہ دلچسپی نہیں۔

14.7.1 آمرانہ یا مقتدرانہ نظریہ (Authoritarian Theory)

روایتی یا قدامت پسند معاشرے میں ابلاغ پر حکمراں طبقے کا قبضہ ہوتا ہے اور یہاں مقتدرانہ نظریہ صحافت کارفرما ہوتا ہے یہ مقتدرانہ نظریہ افلاطون، ہابس، میکاولی اور دوسرے سماجی اور سیاسی مفکرین کی تحریروں میں ملتا ہے۔سولہویں اور سترہویں صدی میں انگلستان میں اسپین، روم اور فرانس کے حکمرانوں نے اس نظریہ کے تحت اپنا تسلط برقرار رکھا۔اس نظریہ کے تحت ذرائع ابلاغ پر اس لیے کنٹرول کرنا ضروری ہے کہ ریاست کے قومی مقاصد کے حصول کی جدوجہد میں پریس کی مداخلت کم سے کم کی جاسکے۔اس کا مقصد حکمرانوں کو اپنے اقتدار کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا تھا اور اس نظریہ کے تحت قومی مقاصد دراصل ان حکمرانوں کے مفادات تھے۔

اس نظریہ میں پریس مملکت کا ایک اہم پرزہ ہوتا ہے اور پریس کا کام ریاست کی جانب سے متعین کردہ مقاصد کا تعینیا ان پر اعتراض کرنا نہیں بلکہ ان کی حمایت و تائید کرنا ہے۔ریاست کو مضبوط بنانے کے لیے حکومت کے وضع کردہ پروگرام کی حمایت اور تشریح اور ان پروگراموں کو مقبول بنانا پریس کی اہم ذمہ داری ہوتی ہے۔اطلاعات حکمراں طبقے سے ریاست کے عوام تک گویا اوپر سے نیچے کی جانب آتی ہے۔پریس کو حکومت کی پالیسی کے خلاف کسی قسم کا مواد شائع کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔پریس کا کام توہین و رہتک عزت کی روک تھام تھا اور اسے حکمران کا تابعدار بنانا تھا۔اس کا مقصد اخبارات کی اشاعت اونچے طبقے تک محدود کرنا اور اخبارات کو حکمراں طبقے کا محتاج بنا دینا ہے تاکہ سچائی کی پردہ پوشی کی جاسکے۔

پریس کا یہ متقدرانہ نظریہ مختلف ادوار میں جرمنی، زاروں کے روس، جاپان اور دوسرے افروایشیائی ملکوں میں رائج رہا۔مطلق العنان آمروں نے اس نظریہ سے ہمیشہ فائدہ اٹھایا۔مثلاً اس نظریہ کے تحت پریس کا کام حکومت کی حمایت اور قومی لیڈرشپ کی حمایت کرنا ہے۔ ایسا پریس سسٹم جو ’’حکومتی پروپیگنڈہ‘‘ کے طور پر ایک آدمی کے زیر اثر کام کرے اور یہ آدمی جو حکمراں ہوتا ہے وہ پریس کو خصوصی اختیار دیتا ہے کہ وہ اس کی مرضی و منشا کے مطابق معلومات لوگوں کو فراہم کرے۔اس نظریہ کے تحت پریس کو اتنی ہی آزادی حاصل ہوتی ہے جتنی حکمران طبقہ یا حکمران آمر اس کو دینا چاہیے۔اس نظریہ کے تحت پریس پر حکمراں طبقے کی اجارہ داری ہوتی ہے اور معلومات فراہم کرنے کا مقصد اس حکمران طبقے کی ہدایات پر لازماً عمل کرنا ہوتا ہے۔سولہویں صدی عیسوی میں انگلستان میں اس نظریہ پر سختی سے عمل کیا گیا جس کا مقصد منتخب افراد کے اقتدار اور اجارہ داری کو مضبوط کرنا تھا جو اپنے مفادات اقتدار سے وابستہ کیے ہوئے تھے۔سولہویں صدی اور سترہویں صدی میں بیشتر حکومتوں نے پیغام کی ترسیل پر کنٹرول حاصل کیا۔سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں کو اخبارات کے ذریعے مقبول بنانے کی کوشش کی گئی اور سرکاری پالیسیوں کے سلسلے میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے پریس کو اہم ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا

۔اخبارات کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کے لیے مختلف قسم کی پابندیاں عائد کی گئیں۔بعض آمرانہ اور نیم جمہوری ملکوں میں پریس کی آزادی کے ساتھ ساتھ تقریر پر بھی پابندی رہی۔

دراصل مقتدرانہ نظریہ مطلق العنانیت کی پیداوار تھا اور ریاست کو فرد سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔عوام ریاست کے ماتحت ہوا کرتے تھے اور ریاست کا کاروبار ایک مخصوص طبقے کے ہاتھ میں تھا۔ایسے حالات میں یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا کہ سچائی تک عام آدمی کی رسائی رہے حقیقت سے واقفیت چیدہ چیدہ افراد کے لیے ضروری تھی اور اس بات کا حق صرف حکمراں طبقے کو تھا کہ وہ کون سی معلومات عوام کو دیں اور کون سی معلومات عوام سے مخفی رکھیں۔پیغام رسانی میں یہ بات ملحوظ خاطر رکھی جاتی ہے کہ لوگوں تک ایسی معلومات نہ پہنچائی جائیں جس سے اختلاف رائے پیدا ہونے کی گنجائش ہو۔اختلاف رائے کی کم سے کم گنجائش پیدا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ایسی خبریں دینے سے گریز کیا جائے جس سے حکمراں طبقے کے مفادات پر ضرب پڑتی ہو گویا معلومات پر مکمل کنٹرول کا اختیار حکمرانوں کو ہے۔

اس نظریہ کو فروغ دینے میں بادشاہت سے تعلق رکھنے والے فلسفیوں کا ہاتھ ہے جن کا کہنا تھا کہ حکومت کو ہر قسم کے اختیارات حاصل ہونے چاہئیں تاکہ ابلاغ عام سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے۔جان ملٹن' افلاطون' مکیاولی' ہابس' آپس کے اختلافات کے باوجود اس چیز پر متفق ہیں کہ حکومت کو زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔ان کا کہنا ہے کہ حکومت اس نظام کے تحت انفرادی آزادی بھی دے مگر یہ فیصلہ بھی کرے کہ کس حد تک آزادی ملنی چاہیے۔لوگوں پر اس وقت پابندی لگا دی جاتی ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ ذرائع ابلاغ حکومت کے مقاصد میں رکاوٹ کھڑی کر رہے ہیں۔

14.7.2 آزادی پسند یا حریت پسندی کا نظریہ (Liberation or Free Press Theory)

سترہویں صدی عیسوی کے آخر میں حریت پسندی کو فروغ ملا اور یورپی ممالک میں خیال پیدا ہوا کہ صحافت کو آزاد کیا جائے۔ اٹھارہویں صدی میں انگلستان میں اس کو ترقی دی گئی۔لیکن مکمل ترقی اٹھارویں صدی کے آخر میں یورپی ممالک اور امریکہ میں ہوئی۔ان لوگوں نے جن میں جان لاک' ملٹن' جیکسن اور دوسرے فلاسفر شامل تھے جنہوں نے حریت پسندی کو معاشرتی ترقی میں شامل کرنے میں فروغ دیا۔دراصل سائنسی اور جغرافیائی دریافتوں کے نتیجے میں عقلیت کے تصورات ابھرنے لگے اور مسائل کے عقلی دلائل اور تجزیے نے وسعت شعور پیدا کیا جس کی وجہ سے آمرانہ سوچ اور نظریہ پر زد پڑی۔حکمران طبقے کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور متوسط طبقے میں اتنا شعور آتا گیا کہ وہ مختلف مسائل اور امور مملکت میں اپنے طور پر سوچ سکیں۔ملٹن' جیفرسن' ڈیکاریٹس اور دوسرے مفکرین نے اپنی تحریروں کے ذریعے آزادانہ سوچ پیدا کرنے اور روشن خیالی کے تصورات میں اضافہ کیا۔

حریت پسندانہ نظریہ ابلاغ اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ ذرائع ابلاغ ''حقائق کی غیر محدود اور معروضی'' تلاش کے لیے سرگرم عمل ہیں ۔آزاد پریس لوگوں کو واقعات کی اصل صورت بتاتی ہے اور واقعات کو جوں کا توں بیان کر دیا جاتا ہے۔ذرائع ابلاغ کے نزدیک سچائی کیا ہے؟ سچائی کا مطلب لامتناہی تلاش' غور و فکر' اور دریافت کے ذریعہ معروضی سچائی کو عوام کی ملکیت بنانا ہے۔ذرائع ابلاغ اور ان کے سامعین 'ناظرین اور قارئین کے درمیان ایک دوطرفہ تعلق ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔یہ باہمی تعلق ذرائع ابلاغ کے محل وقوع اور زمانے کی نسبت قائم رہتا ہے۔کسی اخبار کو ایسے صحافی کی ضرورت نہیں ہوتی جو مقررہ وقت میں معلومات فراہم نہ کر سکے۔

آزادانہ نظریہ کے تحت ذرائع ابلاغ سے متعلق افراد اپنے آپ کو سچائی کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی نشر کردہ سچائی کی بنیادی ساکھ ہوتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ صداقت اور قبولیت میں تضاد نہیں ہونا چاہیے۔ آزادانہ نظریہ کے تحت ذرائع ابلاغ اور ان کی کارگزاری کی حقیت زیادہ روشن ہونے لگتی ہے کیونکہ اس طرح ذرائع ابلاغ کی ساکھ میں اضافہ ہوتا ہے اور اسے تکنیکی اور پیشہ ورانہ مہارت کے اعلیٰ درجے پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ ابلاغ سچائی کا صرف خوش آئند اور قابل قبول رخ ہی پیش کر سکتے ہیں۔ محض سچائی کی تلاش بھی مشکل ہوتا ہے بلکہ کوشش یہ کی جاتی ہے کہ غیر جانبداری کو ترک کیے بغیر حقائق کو جوں کا توں بیان کیا جائے تاکہ پیغام دینے والے اور پیغام وصول کرنے والوں کے درمیان ہم آہنگی اور مطابقت پیدا ہو سکے اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک دونوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ ہو۔ آزادانہ نظریہ کی بنیاد منطق اور علم کی وسعت پر ہے۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ ہر اطلاع کو اپنی منطق اور اصولوں کے مطابق پرکھے اور دلائل سے اپنا نقطہ نظر دوسروں تک پہنچائے اور انہیں اپنے نقطہ نظر سے قریب لانے کی کوشش کرے۔ معاشرے میں آزاد نظریات وخیالات کے لیے فضا پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ اور کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے بلکہ ذرائع ابلاغ خود رضا کارانہ طور پر پابندیاں عائد کرنے کی حیثیت میں ہوں۔

ذرائع ابلاغ ایک آزاد ادارے کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی ملکیت پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی۔ جس شخص کے پاس ذریعہ ابلاغ شروع کرنے کے لیے سرمایہ اور وسائل ہوں' وہ بغیر روک ٹوک اس جانب قدم اٹھا سکتا ہے۔ اگر کسی کو اخبار یا رسالہ شروع کرنے کی خواہش ہو یا اپنے سرمائے سے کوئی شخص ریڈیو اسٹیشن' فلم اسٹوڈیو یا ٹیلی ویژن اسٹیشن بنانا چاہتا ہو اس پر بھی کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ بطور ایک صنعت کے ان اداروں کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ شہری ان ذرائع ابلاغ پر کتنا اعتماد رکھتے ہیں اور ان ذرائع سے فراہم کردہ معلومات میں کتنی سچائی ہے۔ اگر عوام کو اعتماد نہیں ہے تو ان کی فراہم کردہ اطلاعات پر وہ یقین نہ کریں گے اور وہ ذریعہ ابلاغ زیادہ عرصے تک جاری نہ رہ سکے گا۔

ذرائع ابلاغ شہریوں کو حقائق از خود چننے اور پرکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ لوگوں پر مسلسل جبر' تلقین وترغیب کی یورش ہوتی رہتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کی مدد سے پیہم معلومات ملتی ہیں۔ خبریں مکمل اور مقبول صورت میں خوش آئند خول میں ہر گھڑی' ہر گھنٹے لوگوں کے حلق سے اتاری جاتی ہیں۔ ذرائع ابلاغ لوگوں کو خبروں کا عادی بنا دیتے ہیں جنھیں اپنے اعصاب کی تسکین کے لیے وہ حاصل کے بغیر نہیں رہ سکتے لوگ موصولہ خبر کو اپنے طرز پر پرکھنے کے لیے بنیادی شہادت طلب نہیں کرتے بلکہ انھیں ساری خبریں پہنچا دی جاتی ہیں۔ واقعات کے عین مطابق منصفانہ اور معروضی معلومات' واقعات کی فراہمی اور انتخاب کا پورا عمل ''ادارتی عملہ'' سرانجام دیتا ہے جنھیں تمام اطلاعات کا سرچشمہ کہنا چاہیے۔

14.7.3 سماجی ذمہ داری کا نظریہ (Social Responsiblity Theory)

جب ذرائع ابلاغ نے ترقی کی تو ان کا کام دوطرفہ ہوگیا یعنی ایک طرف انھوں نے خبروں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا اور دوسری طرف اپنی رائے سے حکومت کے لیے چیلنج بن گئے انھوں نے ان لوگوں کو سیاسی پلیٹ فارم مہیا کیا جو سیاسی' سماجی' معاشی اور مذہبی آزادی کے سلسلے میں جدوجہد میں مصروف تھے۔ ان کے لیے پمفلٹ اور اخبارات کا استعمال کیا گیا۔ آزادی پسندی کے نظریہ کے ارتقا اور اس کے فروغ کے سلسلے میں عوام پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آیا ذرائع ابلاغ میں ہر شہری کو آزادی سے سنا جائے؟ اس طرح اس کشمکش

سے ایک اور نظریہ سامنے آیا جس کو سماجی ذمہ داری کے نظریہ کا نام دیا گیا یعنی سیاسی اور سماجی نظریات اور خیالات اس طرح پیش کیے جائیں کہ عوام بجا طور پر خود ہی کوئی فیصلہ کر سکیں۔ دراصل یہ نظریہ روشن خیالی کے عالمی تصور کی پیداوار ہے جو بیسویں صدی میں نئی برقیاتی ترقی اور ڈارون اور آئن اسٹائن کی فکری اور تعلیمی سوچ کے نتیجے میں وجود پذیر ہوا۔ اس نظریہ کے مطابق آزادی ایک بنیادی تصور ہے لیکن اس کا تعلق ذمہ داری اور فرض شناسی سے بھی ہے یعنی ذرائع ابلاغ معاشرے میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے معاشرے کے سامنے جواب دہ بھی ہیں' اگر ذرائع اپنے فرائض کی انجام دہی میں تساہل کا شکار ہو جائیں تو کسی اور ادارے کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کس طرح انھیں اپنے فرائض پورے کرنے چاہئیں۔ حریت پسندانہ اقدام کے خلاف کئی تنقیدیں کی گئیں جس کی وجہ سے یہ نظریہ عمل میں آیا۔

ذرائع ابلاغ پر جن لوگوں کا کنٹرول ہوتا ہے یا جن لوگوں کے ہاتھ میں معلومات کی فراہمی کا کام ہے وہ اپنے ذاتی مقاصد کی تکمیل کے لیے ان ذرائع کو استعمال کرتے ہیں' خصوصاً وہ افراد یا ادارے جو ذرائع ابلاغ کو اشتہارات فراہم کرتے ہیں وہ بالواسطہ ذرائع ابلاغ کو اپنے مقاصد کے لیے بروئے کار لاتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کی آزادی پر یہ بھی تنقید کی جاتی ہے کہ معاشرے میں غیر اخلاقی چیزوں کو فروغ دینے میں منفی کردار ادا کرتے ہیں۔

پریس کے ذمہ داری کے نظریہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ جب ذرائع ابلاغ ایک مخصوص طبقہ یا گروہ کے قبضے میں ہوتے ہیں جو اپنی طاقت اور وسائل کو اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ نئے عناصر کو اس شعبے میں داخل نہیں ہونے دیتے اور اگر وہ داخل ہو جائیں تو انھیں پنپنے نہیں دیا جاتا۔ ان حالات میں انھیں آزادی پسند نظریہ کے ساتھ سماجی نظریہ کے تحت ذمہ داری اور احساس فرض بھی یاد دلایا جائے اور ذرائع ابلاغ کسی ادارے کے سامنے جوابدہ ہوں جو دیکھے کہ اگر ذرائع ابلاغ اپنا کردار صحیح طور پر انجام نہیں دے رہے تو ان کو کس طرح بہتر بنیادوں پر استوار کیا جا سکتا ہے اور ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے کس طرح صحیح سمت کی طرف متعین کیا جا سکتا ہے۔

پریس کا نظریہ ذمہ داری معاشرتی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے قومی یکجہتی' ترقی اور خود اعتمادی کی بحالی میں موثر کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اخبارات کے مالکان اور ایڈیٹروں پر یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ ملک کی ضروریات کے پیش نظر ایسا مواد فراہم کریں جو عوام کی توقعات کے مطابق ہو اور ان کے مفادات کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرے۔

حریت پسندانہ نظریہ پر کئی تنقیدیں کی گئیں جس کے نتیجے میں سماجی ذمہ داری کا نظریہ وجود میں آیا۔ ان تنقیدوں میں کہا گیا کہ اخبارات اپنے خیالات یا تصور کو زیادہ فروغ دیتے ہیں اور مخالف کو کم جگہ دی جاتی ہے۔ آمدنی کا بڑا ذریعہ اشتہار ہیں اس لیے پریس سے زیادہ اختیارات اشتہار والوں کے پاس ہوتے ہیں اور وہی اخبار کی ادارتی پالیسی کو کنٹرول کرتے ہیں۔ کسی بھی طرح کی معاشرتی تبدیلی کو ذرائع ابلاغ آسانی سے قبول نہیں کرتے۔ ذرائع ابلاغ ان چیزوں کو زیادہ جگہ دیتے ہیں جو غیر اہم ہو لیکن سنسنی خیز ہو اور حالات حاضرہ کو کم جگہ دی جاتی ہے۔ عوام کے اخلاقیات پر ذرائع ابلاغ نے آزادانہ اشاعت سے بڑا اثر ڈالا ہے۔

ذرائع ابلاغ کا بنیادی مقصد اطلاعات کی فراہمی ہے۔ لیکن عوام صرف اطلاعات فراہم کرنا کافی نہیں بلکہ حق وصداقت کے ساتھ فراہم کرنا ضروری ہے جس میں ذمہ داری کا عنصر نمایاں ہے۔

14.7.4 اشتراکی نظریہ صحافت (Soviet Media Theory)

ذرائع ابلاغ کا روسی نظریہ لینن اور اسٹالن کے خیال کے مطابق مارکس کے نظریہ سے پیدا ہوا ہے۔ اس نظریہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ روس کے آئین میں آزادی تقریر اور آزادی صحافت ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ مزدور طبقے کے حق میں جاتی ہو۔ اشتراکی معاشرے میں ذرائع ابلاغ ریاست کا ایک قطعی اور لازمی حصہ ہیں۔ ذرائع ابلاغ کا کام سوویت پارٹی کے پروگرام کی تشہیر کرنا ہے۔ لینن پریس کو اشتراکیت کے پروپیگنڈے کے لیے ایک اجتماعی اہم محرک قرار دیتا ہے اور پریس کو ایک مشترکہ جدوجہد اور سماجی تبدیلی اور سماجی انضباط کا منچ سمجھا جاتا ہے۔ لینن نے بعض آزادیوں کا ذکر کیا ہے جس میں سچ بولنے کی آزادی شامل ہے۔ جس کے مطابق حکومت کے خلاف کوئی چیز نہ لکھی جائے لیکن اس کے اندر رہ کر اس کے معاملات پر تنقید کی جاسکتی ہے۔ گویا ذرائع ابلاغ کمیونسٹ حکمراں پارٹی کے منشور کے مطابق کام کرنے کے پابند ہوتے ہیں اور انہیں پارٹی کے پروگرام کو فروغ دینے میں ایسا کردار ادا کرنا ہوتا ہے جس سے پروگرام کی نفی نہ ہوتی ہو' البتہ پروگرام پر تنقید کی جاسکتی ہے۔ روسی ذرائع ابلاغ تحریکی کارکنوں اور پارٹی کے رہنماؤں اور صنعتی کارکنوں کو' پارٹی اصولوں سے باخبر رکھنے کے پابند ہوتے ہیں اور ان کی مدد سے جو پیغام دیا جاتا ہے اس پیغام کا مقصد کمیونسٹ معاشرے کا قیام ہوتا ہے۔ اس پیغام کا پارٹی کے اثر ورسوخ اور ریاست کی قوت سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔

روسی ذرائع ابلاغ' پارٹی کے پروگرام' پارٹی سوچ اور نئے رجحانات سے کارکنوں کو باخبر رکھنے اور اشتراکی عقیدے سے روشناس کرانے اور اس عقیدے پر عمل پیرا کروانے کی ذمہ داری انجام دیتے ہیں۔ ایسے معاشرے کے تمام ادارے' ذرائع ابلاغ سے موصول ہونے والے پیغامات کو درسی کتاب کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کا مقصد محنت کش طبقہ' نوکر شاہی اور حکمران روسی پارٹی کے درمیان ایسا رابطہ پیدا کرنا ہے جس سے ان میں اتحاد پیدا ہو۔ گویا پروپیگنڈہ اور ایسا پروپیگنڈہ جو اشتراکی پروگرام کی ترویج کا باعث ہو' ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری ہے۔ روس کے علاوہ مشرقی یورپ اور دوسرے تمام کمیونسٹ ممالک میں جہاں ذرائع ابلاغ حکومت کے کنٹرول میں ہوتے ہیں' ایسا ہی نظام پایا جاتا ہے جس میں بڑی اشاعت کے اخبارات اور دوسرے ذرائع' پروپیگنڈہ اور اشتراکیت کی تعلیم کے لیے کام کرتے ہیں۔ پارٹی کی طرف سے احکامات ملتے ہیں کہ کس طرح کا مواد شائع کیا جائے کیونکہ تمام اختیارات پارٹی کے پاس ہوتے ہیں اور پارٹی کے احکامات پر عمل ذرائع ابلاغ کو لازمی طور پر کرنا ہوتا ہے۔

روسی دستور میں تقریر و تحریر' اجتماعات اور مظاہروں کی آزادی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ شرط عائد ہے کہ یہ آزادی اشتراکیت کے پروگرام کو بڑھانے اور اشتراکی معاشرہ کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لیے استعمال کی جائے اور اس آزادی کو محنت کش طبقہ کے مفاد میں استعمال کیا جائے۔ گویا اشتراکی نظریہ ذرائع ابلاغ کو ایسی آزادی نہیں دیتا جو نظریہ اشتراکیت کی نفی کرتی ہو۔ بنیادی طور پر پریس کا مقصد 1925ء کے روسی قوانین کے مطابق ''سوشلسٹ نظام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔'' ذرائع ابلاغ کا مقصد یہ ہے کہ کارکنوں میں سیاسی اور ثقافتی اقدار پیدا کی جائیں ان کا مقصد کارکنوں کو سوشلسٹ نظام کی کامیابی کی خبریں دینا ہے۔

لہذا ریاست کے مفاد کے خلاف کوئی نظریہ پیش نہیں کیا جاسکتا اور ذرائع ابلاغ کو پارٹی کے لیے بطور ایک ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے جس کا مقصد اشتراکیت کی تعلیم دینا ہے۔

روسی معاشرے میں پارٹی کی خبریں زیادہ فراہم کی جاتی ہیں۔ایسے احکامات جو پارٹی کی جانب سے دیے گئے ہیں ان کو اخبارات میں زیادہ جگہ دی جاتی ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلم کو محنت کش طبقے اور کمیونسٹ پارٹی کے حق میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ذرائع ابلاغ نجی اداروں میں شامل نہیں ہیں بلکہ سب کچھ حکومت کے کنٹرول میں ہے اور حکومت کے آلہ کار کے طور پر سب کام کرتے ہیں۔

ذرائع ابلاغ کو کمیونسٹ پارٹی کی ہدایات کے مطابق عمل کرنے کا پابند کیا جاتا ہے۔ روسی حکومت کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے عوام تک ایسی اطلاعات کی رسائی نہ ہونے دے۔ جنہیں وہ پسند نہیں کرتی۔ حکومت اس سلسلے میں بہت محتاط ہوتی ہے اور اس سلسلے میں اپنے معیار مقرر کیے ہوئے ہے کہ وہ کس مواد کو روسی عوام کے لیے ضروری اور غیر ضروری سمجھتی ہے، روسی حکومت ذرائع ابلاغ پر پابندی عائد کرتی ہے۔ وہ اپنے اقدامات کو یہ کہہ کر حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ اس نے یہ اقدامات روسی عوام کی بہتری کے لیے کیے ہیں۔ اس سلسلہ میں حکومت کے خلاف کسی نکتہ چینی یا اقدام کو ریاست کے خلاف گردانا جاتا ہے۔ ذرائع ابلاغ حکومت کا ایک جزو ہیں۔ کوئی محبّ وطن شہری حکومت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ پارٹی کی جانب سے ذرائع ابلاغ پر پابندی بہتر تنظیم کے لیے کی جاتی ہے۔ اطلاعات اور ذرائع ابلاغ کی بہتر تنظیم کی ساتھ یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ پارٹی کے اقدامات مزید خرابیاں پیدا نہ کر دیں۔ ان اطلاعات کی فراہمی کے لیے کمیونسٹ پارٹی مقامی طور پر اور پروپیگنڈہ کے مرکزی دفاتر کی جانب سے، نگرانی اور کنٹرول کرتی ہے۔ پارٹی، ایڈیٹروں کے لیے ہدایات جاری کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ کیا چیز شائع کرنا ہے اور کسی طرح سے شائع کرنا ہے۔

کمیونسٹ ذرائع ابلاغ، ریاست کی ملکیت ہوتے ہیں اور کمیونسٹ پارٹی کی ہدایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اس طرح اشتراکی نظریہ، آمرانہ نظریہ کے قریب ہوجاتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ آمرانہ نظریہ کے تحت ذرائع ابلاغ نجی اداروں کی ملکیت ہوسکتے ہیں۔ ایک دوسرا نمایاں فرق جو ان دونوں نظریات میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ کمیونسٹ نظریہ میں حکومت کا کنٹرول مسلسل ہوتا ہے اور ایک منظّم طریقے سے بروقت پارٹی احکامات کی تعمیل کرنا ہوتی ہے جب کہ آمرانہ نظریہ میں آمر کی مرضی کے مطابق ذرائع ابلاغ کو کام کرنا ہوتا ہے اور جس طرح اس کے رویہ میں تبدیلی ہوتی ہے ذرائع ابلاغ کے رویے میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے۔

14.7.5 متفرق نظریات

مغربی مفکروں نے میڈیا یا صحافت کے جو چار نظریات پیش کیے ہیں ان کے علاوہ کچھ اور نظریات بھی پائے جاتے ہیں جو خاص طور پر تیسری دنیا ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ترقی پذیر ممالک کے حالات کے لحاظ سے پیش کیے گئے ہیں۔ انھیں ترقیاتی یا متبادل نظریات کہا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے:

ترقیاتی نظریہ (Development Theory)

صحافت کے مذکورہ بالا چار نظریات کا اطلاق ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ کے ناوابستہ ممالک کے حالات پر نہیں کیا جاسکتا۔ ایشیا اور افریقہ کے بیشتر ممالک میں حکومت میڈیا کی مالک ہوتی ہے اور وہی اسے چلاتی ہے جب کہ لاطینی امریکہ کے ممالک میں ابلاغ عامہ کے سارے ذرائع تجارتی ملکیت میں ہیں۔ ناوابستہ ملکوں میں سے بہت سے ممالک کے تجربے کا مشترک پہلو یہ ہے کہ سب ہارڈ ویر اور سافٹ ویر کے لیے صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک پر انحصار کرتے ہیں۔ ایک اور مشترک عنصر یہ ہے کہ یہ ممالک اپنی شرائط پر سماجی اور معاشی ترقی سے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ صحافت کو ترقی اور قومی تعمیر کے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے وسیع تر قومی مفاد

اورعوام کی بھلائی زبردست اہمیت رکھتی ہے۔لہذا بعض مفادات جیسے قومی یکجہتی' اور معاشی وسماجی ترقی کے لیے چند آزادیوں کو دبانا ضروری ہوجاتا ہے' ترقیاتی صحافت کے نظریہ سازوں کے مطابق صحافیوں کی ذمہ داری ہے کہ ناخواندگی کے خاتمے خاندانی منصوبہ بندی کے فروغ قومی یکجہتی کی نشوونما پیداوار اور روزگار میں اضافہ کی کوششوں میں قومی حکومت کی حمایت کریں۔اس نظریے کی کمزوری یہ ہے کہ اس میں اکثر ترقی اور حکومت کا پروپیگنڈہ ایک ہوجاتے ہیں۔

جمہوریانے کا نظریہ (Democratization Theory)

کمرشیل میڈیا (تجارت زدہ صحافت) کے ناقدین نے جن کا تعلق لاطینی امریکہ سے ہے' موجودہ زمانے کے ابلاغ عامہ کے مخصوص تجزیاتی انداز یک رخے پن اور غیر شراکتی کردار کی سخت مخالفت کی۔ترقیاتی صحافت کے نظریہ سازوں کی طرح انھوں نے بھی صحافت کے مثبت استعمال پر زور دیا تاکہ رسائی اور حق ترسیل کے تقاضوں کی تکمیل ہوسکے۔انہوں نے میڈیا اور خبر نگاری میں مقامی اور سماجی شراکت پر اصرار کیا۔ان کا کہنا ہے کہ پیشہ ور صحافیوں اور نامہ نگاروں کے بجائے عوام کو اپنے لیے خود کہنا چاہیے۔

اس کے علاوہ میڈیا پر تجارتی' سیاسی یا افسر شاہی کنٹرول کی بھی شدید مخالفت کی گئی۔کیونکہ میڈیا کا وجود عوام کی خدمت کے لیے ہے نہ کہ حکومت یا تجارتی اداروں کے مفادات کی خدمت کے لیے۔اس نظریے کی رو سے صحافت (میڈیا) کا (Demassification) اتنا ہی ضروری اور اہم ہے جتنا صحافت کو جمہوری بنانا ہے۔اس کا آخری مقصد یہ ہے کہ صحافت کو سماجی گروہوں کے ہاتھ میں دیا جائے۔تاکہ وہ ایمانداری اور راست بازی کے اصولوں کے مطابق اپنی نجات پاسکیں۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ صحافت کے اصل نظریات پر روشنی ڈالیے۔

۲۔ صحافت کو ترقّی اور قومی تعمیر کے لیے کیسے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

14.8 اکائی کا خلاصہ

صحافت ایسا مطبوعہ مواد ہے جو مقررہ وقفوں کے بعد شائع ہوتا ہے اسے انگریزی میں Journalism کہتے ہیں۔صحافت سے وابستہ اشخاص کو صحافی یا Journalist کہا جاتا ہے۔صحافت کی جامع تعریف بیان کرنا مشکل ہے اس کے باوجود کچھ صحافیوں اور اساتذہ نے صحافت کی تعریف کرنے کی کوشش کی ہے۔

صحافت ایک ہنر ہے ایک فن ہے جس میں تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال ہوتا ہے۔برنارڈ شا نے کہا ہے کہ اعلیٰ ادب دراصل صحافت ہے جب کہ میتھیو آرنلڈ کے مطابق عجلت میں لکھا گیا ادب صحافت ہے۔

موجودہ دور ابلاغیات کا دور ہے' صحافت ابلاغ کا وہ مستند ذریعہ ہے جو عوام کو حالات اور واقعات کا شعور بخشتا ہے۔صحافت کا مقصد عوام کو دنیا کی تازہ ترین صورت حال سے واقف کرنا' رائے عامہ کو ہموار کرنا' بہتر معاشرے کی تشکیل کرنا' صحت مند ذہن اور نیک رجحانات کو پروان چڑھانا اور مختلف اقوام کے درمیان دوستی' اخوت اور رواداری کے جذبوں کو فروغ دینا ہے۔

صحافت کی قوت دراصل عوام کی قوت ہے اسی لیے صحافت کو چوتھی مملکت کہا جاتا ہے۔صحافت خواہ کسی بھی قسم کی ہو وہ بنیادی طور پر فن ابلاغ ہے۔ذرائع کے اعتبار سے صحافت کو دو حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔مطبوعہ صحافت اور برقیاتی صحافت۔

مطبوعہ صحافت کے تحت روزنامے، سہ روزہ، ہفت روزہ، اخبارات کے علاوہ پندرہ روزہ ماہنامے، ششماہی، سہ ماہی رسالے، ہاوز جنرل، پیشہ وارانہ رسالے شامل ہیں۔ برقیاتی صحافت، میں ریڈیو ٹیلی ویژن، نیوز ریل فلم اور انٹرنٹ اخبار ورسالے شامل ہیں۔لیکن یہ بات طئے ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے باوجود آج کا انسان صبح اٹھتے ہی اخبار طلب کرتا ہے اس لیے مطبوعہ صحافت کو برقیاتی صحافت پر فوقیت حاصل ہے۔

موجودہ دور میں مختلف صحافتی یا ابلاغی نظام موجود ہیں۔کسی بھی ملک میں ابلاغی نظام کا جو نظریہ ہوگا وہاں کے اخبارات اسی نظریے کے آئینہ دار ہوں گے۔مجموعی طور پر ہم ساری دنیا کے صحافت کو چار بڑے نظریات کے تحت تقسیم کر سکتے ہیں جن میں آمرانہ یا مقتدارنہ صحافت کا نظریہ، آزادی پسند کا نظریہ، سماجی ذمہ داری کا نظریہ اور کمیونسٹ نظریہ ابلاغ قابل ذکر ہیں۔ان کے علاوہ دیگر نظریات میں ترقیاتی نظریہ اور جمہوریانے کا نظریہ اہم ہیں۔

14.9 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالوالوں کے جوابات تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ صحافت کے مقاصد اور فرائض پر روشنی ڈالیے۔

۲۔ مطبوعہ صحافت اور برقیاتی صحافت کسے کہتے ہیں مفصل لکھیے۔

مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے۔

۱۔ صحافت کسے کہتے ہیں۔انسائیکلو پیڈیا میں صحافت کی تعریف کس طرح بیان کی گئی ہے؟

۲۔ آزادی پسند نظریہ ابلاغ کے اہم نکات بیان کیجیے۔

14.10 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اطلاعات	اطلاع کی جمع، خبریں	تجزیاتی	جائزہ لیا ہوا
ابلاغ	خیالات پہنچانا	عجلت	جلدی
اشتراکیت	سوشلزم	مظاہروں، مظاہرہ کی جمع	کسی خاص معاملے کے اظہار کے لیے جمع ہونا
باریابی	حاضری، بارگاہ کا داخلہ	نفی	کسی چیز کے وجود سے انکار کرنا، ناں کرنا
تصفیہ	فیصلہ، صلح صفائی	تساہل	سستی، غفلت کرنا
فسطایکت	تشدّد پسندانہ آفریت، فاشزم	یورش	حملہ، بلوہ
مطلق العنایت	خودسری، خودمختاری	وضع کردہ	بنا ہوا
مفادات	مفاد کی جمع، فائدہ	احاطہ	گھیرنا

ترویج	رواج، شہرت	بیّن	کھلا ہوا، ظاہر
آمرانہ	تاناشاہی	متنفر کرنا	نفرت پیدا کرنا
راست بازی	ایمان داری، سچائی	دھاک بٹھانا	رعب بٹھانا، بیقرار کرنا
بےکم وکاست	پورا، ٹھیک		

14.11 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ رہبر اخبار نویسی	از: سید اقبال قادری
۲۔ فن صحافت	از: ڈاکٹر عبدالسلام خورشید
۳۔ فن ادارت	از: ڈاکٹر مسکین علی حجازی
۴۔ اردو صحافت	مرتب: انور علی دہلوی
۵۔ صحافتی ذمہ داریاں	از: احسن اختر ناز

☆☆☆

اکائی 15

خبر : تعریف اور خبر بندی کے لوازم

اکائی کے اہم اجزا :

15.1 اغراض ومقاصد

15.2 تمہید

15.3 خبر کی تعریف

15.4 خبر کے اجزا اور اس کی اقسام

15.5 خبروں کے ذرائع : بنیادی ذرائع، ثانوی ذرائع

15.6 خبر بندی

15.7 خلاصہ

15.8 نمونے کے امتحانی سوالات

15.9 فرہنگ

15.10 سفارش کردہ کتابیں

15.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ

☆ خبر کی تعریف بیان کرسکیں۔

☆ خبر کے اجزا اور اس کی اقسام سے واقف ہوسکیں۔

☆ خبروں کے ذرائع سے روشناس ہوسکیں۔

☆ خبر بندی اور خبر لکھنے کے طریقے جان سکیں۔

15.2 تمہید

دنیا نے آج بہت ترقی کر لی ہے۔ انسان خلا پر پہنچ گیا ہے۔ انسانی کلون تک تیار کر لیے گئے ہیں۔ ہزاروں کلومیٹر کی دوری منٹوں اور سکنڈوں میں سمٹ گئی ہے۔ پل کے پل میں ہم دنیا کے ہر کونے تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس برق رفتار میں جن عوامل کا ہاتھ ہے ان میں ماس کمیونی کیشن ایک طاقتور ذریعہ بن کر اُبھرا ہے۔

ماس کمیونی کیشن آج دنیا کا تیز رفتاری سے ترقی کرنے والا اہم شعبہ ہے۔ ایک ایسا شعبہ جس نے ہماری زندگی کو متاثر کیا ہے۔ جو ہماری روزمرہ کی ضرورت بن گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج ترقی یافتہ ممالک اسی کے دم پر، اپنی ترقیات میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔

ماس کمیونیکیشن کی پوری عمارت کی بنیاد خبر ہے۔خبر ہی وہ بنیادی عنصر ہے،جس کے دم پر پورا ماس کمیونیکیشن کا شعبہ ایستادہ ہے۔خبر بنیاد کے پہلے پتھر کے مصداق ہے۔

15.3 خبر کی تعریف

لفظ''خبر'' کیا ہے؟ ''خبر''اور''اِطّلاع''میں فرق کیا ہے؟

خبر کیا ہے؟ یہ بہت ہی اہم اور بنیادی سوال ہے۔عام طور پر ہم کسی بھی اطلاع کو خبر سمجھ لیتے ہیں جبکہ ہر اطلاع خبر نہیں ہوتی۔اطلاع اور خبر میں فرق ہے۔فرق کو ہم بعد میں سمجھیں گے پہلے خبر پر ایک نظر ڈال لیں۔

کسی حادثے،واقعے یا معاملے کے بارے میں جانکاری کو خبر کہا جاسکتا ہے لیکن اس جانکاری میں حقائق،عوام کی دلچسپی اور نیا پن موجود ہو۔ویسے خبر کی تعریف ماہرین نے الگ الگ طور پر کی ہے۔مثلاً ڈین ایم لائل اسپنسر M.L. Spencer کے مطابق:

''کسی ایسے واقعہ یا خیال کو خبر قرار دیا جاسکتا ہے جو قارئین کی کثیر تعداد کی دلچسپی کا باعث ہو۔''

ایری سی ہاپ وڈ کے مطابق:

''کسی بھی اہم واقعے کی پہلی اطلاع خبر کہلاتی ہے جس سے اخبار پڑھنے والوں کو دلچسپی ہو۔''

صحافت کے باوا آدم کہے جانے والے لارڈ ناتھ کلف خبر کی تعریف کرتے ہوئے مثال بھی دیتے ہیں:

''کوئی غیر معمولی واقعہ خبر ہے،عام واقعہ خبر نہیں۔''مثلاً ''اگر کتا انسان کو کاٹے تو وہ خبر نہیں،البتہ انسان کتے کو کاٹے تو خبر ہے۔''

کلف کی یہ مثال خبر پڑھتے اور پڑھاتے ہوئے اکثر دی جاتی ہے لیکن اس مثال کا پہلا حصہ بھی خبر بن سکتا ہے یعنی کتّا انسان کو کاٹے،شرط یہ ہے کہ کتّا کسی اہم ترین شخصیت وزیر،وزیر اعلیٰ،گورنر،صدر یا وزیر اعظم کو کاٹ لے تو خبر بن جائے گی۔دراصل خبر کا تعلق دائرہ خبر NewsArea سے ہے یعنی کوئی خبر کتنے بڑے دائرے میں اپنے اثرات قائم کرتی ہے۔مثلاً وزیر اعلیٰ کی کوئی خبر پورے صوبے کے لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہوتی ہے جبکہ وزیر اعظم کی کوئی خبر پورے ملک کے لوگوں کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہے۔شہر یا گاؤں کے کسی شخص کی خبر اس گاؤں کے لوگوں تک محدود ہوگی جب تک کہ اس میں حیرت،حقائق اور نیا پن اتنے زیادہ ہوں کہ وہ ہر شخص کے لیے دلچسپی کا سامان بن جائے مثلاً کسی گاؤں میں ایک ہی خاندان کے سبھی افراد کا خودکشی کر لینا،یا ڈکیتی میں مار دیا جانا وغیرہ۔یہ ایسے واقعات ہیں جن میں عوام کی دلچسپی شامل ہوتی ہے۔

خبر کی ایک اور تعریف احمد نسیم سندیلوی نے اس طرح کی ہے کہ وہ تمام تعریفوں کو سمیٹ لیتے ہیں:

''خبر کسی ایسے واقعے کا بیان ہے۔جو نیا ہو،عمومی دلچسپی کا باعث ہو،تازہ ہو،پہلے سے کسی کو معلوم نہ ہو،جو متحیر کرے،جس میں کاملیت ہو،پڑھنے والا تشنہ نہ رہے۔اس کے بیان میں عصبیت نہ ہو جو اخبار یا جریدے میں شائع کرنے کے قابل ہو اور جس کی اشاعت سے کسی کی تضحیک یا تذلیل نہ ہوتی ہو۔''

احمد نسیم سندیلوی نے خبر کی جو تعریف بیان کی ہے وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے۔اس میں خبر کے ہر پہلو کو سمیٹ لیا گیا ہے مثلاً

کسی ایسے واقعہ کا بیان، جو دلچسپ ہو، جس میں نیا پن ہو، جس کا دائرہ کار وسیع ہو، جو مکمل ہو، بیان میں تعصب نہ ہو، جو اخبار یا رسالے میں شائع ہونے لائق ہو۔

لفظ خبر کیا ہے؟

خبر کو انگریزی میں News کہتے ہیں۔ جسے دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے۔ایک تو News در اصل New کا جمع ہے اور New کے معنی نیا کے ہیں یعنی خبر کے اندر نیا پن ہو، ایسی بات جو کسی کو پہلے سے پتہ نہ ہو۔ نیا پن یعنی اس میں چونکانے کا مادہ ہو۔اس طرح News سے مراد ہم کسی ایسے واقعے کی اطلاع یا جانکاری سے بھی لیتے ہیں جس میں نیا پن ہو، حیرت ہو، اور جو سب کی دلچسپی یا زیادہ سے زیادہ لوگوں کی دلچسپی کا باعث ہو۔

بعض ماہرین صحافت کا ماننا ہے کہ در اصل News لفظ چار سمتوں یعنی North شمال، East مشرق، West مغرب اور South جنوب کے پہلے حروف کو یکجا کرنے سے بنا ہے جس کے معنی چاروں سمتوں کی اطلاع سے ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ اس طرح ہم کسی ایسے واقعے کی اطلاع کو ہی خبر نہ سمجھ لیں جو بین الاقوامی ہو۔ یہاں چاروں سمتوں سے مراد اس کا پھیلاؤ ہے، دائرہ ہے۔یعنی خبر چاروں سمتوں سے جنم لیتی ہے اور چاروں سمتوں کو متاثر کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ سمتیں ایک گاؤں یا شہر کی بھی ہوسکتی ہیں اور کسی صوبے یا ملک یا پھر دنیا کی بھی۔ اردو میں لفظ خبر عربی سے آیا ہے جس کے معنی نیا، اطلاع اور جانکاری کے ہیں۔

خبر اور اطلاع میں فرق:

اطلاع کسی واقعے کا خالص بیان ہوتا ہے۔ جس میں حیرت، دلچسپی یا نیا پن جیسے عناصر نہیں ہوتے۔ صرف بیان ہوتا ہے۔ واقعہ کا ذکر ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ہر خبر اطلاع بھی ہوتی ہے لیکن ہر اطلاع خبر نہیں ہوتی۔ مثلاً کوئی چپراسی اپنے مالک یا باس کو یہ کہے کہ ''سر باہر سڑک پر ایک سائیکل والا گرا پڑا ہے۔'' تو یہ اطلاع ہوئی یا پھر وہ یہ کہے کہ ''سر پرنسپل/منیجر صاحب آرہے ہیں۔'' یہ بھی اطلاع ہوئی۔لیکن اگر چپراسی یہ کہے کہ ''باہر سڑک پر ایک ٹرک نے اسکوٹر میں ٹکر ماردی۔ دو لوگ مر گئے'' یا پرنسپل/منیجر صاحب کے ساتھ وزیر صاحب تشریف لا رہے ہیں'' یہ دونوں اطلاع ہوتے ہوئے بھی خبر کے درجے میں شامل ہوسکتی ہیں۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ لفظ ''خبر'' کی وضاحت کیجیے۔

۲۔ خبر کی تعریف بیان کیجیے۔

15.4 خبر کے اجزا اور اس کی اقسام

خبر کے اجزا :

کسی واقعہ کی خبر لکھتے وقت ایک خبر نویس کو پانچ W اور ایک H کا خیال رکھنا چاہیے۔ مثلاً کوئی حادثہ یا واقعہ ہو تو خبر نویس کو What یعنی کیا ہوا؟ Where یعنی کہاں ہوا؟، جگہ کا نام When یعنی کب ہوا، وقت کیا تھا۔ دن کا واقعہ ہے یا رات کا اور صحیح وقت کیا تھا، Who یعنی کون کون لوگ اس معاملے میں ملوث تھے۔ کس کس نے مل کر کام انجام دیا Why یعنی یہ معاملہ یا واقعہ کیوں وقوع پذیر ہوا یعنی واقعہ کی اصل وجہ کیا تھی؟ اور ان پانچوں Ws کی تحقیق کے بعد How یعنی واقعہ کیسے

ہوا؟ کس طرح اسے انجام دیا گیا۔ اردو میں انہیں ''چھ کاف'' بھی کہا جاتا ہے۔ کسی بھی نمائندے کے لیے ان اجزا کا جاننا ضروری ہے اور ان کے صحیح جوابات کو قلم بند کرنا ہی خبر نویسی ہے۔

خبروں کی اقسام :

خبروں کی اقسام بہت سی ہوتی ہیں۔ جیسے جیسے دنیا ترقی کر رہی ہے خبروں کا جال بھی پھیلتا جا رہا ہے۔ روز روز نئے طریقے ایجاد ہو رہے ہیں۔ خبروں کی اقسام بھی بڑھ رہی ہیں۔ خبروں کے تمام زمروں کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

سخت خبر Hard News :

کوئی بھی ایسی خبر جو بے حد اہم ہو، ایسا واقعہ جس کا دائرہ خبر News Area بہت بڑا ہو، مثلاً حکومت کا کوئی تازہ اور بڑا فیصلہ جس سے ملک کے عوام متاثر ہوں، عالمی سطح پر کوئی بڑی تبدیلی جس کے اثرات پوری دنیا پر قائم ہوں، یا کوئی ایسا واقعہ یا معاملہ جس سے عام انسانی زندگی متاثر ہو سخت خبر کہلاتی ہے سرکار کا کوئی اہم فیصلہ، کسی علاقے میں فرقہ وارانہ فساد، یو این او کا کوئی اہم اقدام وغیرہ سے متعلق خبریں سخت خبروں کے زمرے میں آتی ہیں۔

گزشتہ دنوں کی کچھ سخت خبریں :

۱۔ نٹھاری (نوئیڈا) کے بچوں کا اغوا اور قتل

۲۔ ریزرویشن کے لیے گوجر برادری کی تحریک

۳۔ بقرعید کے موقع پر صدام حسین کو پھانسی

نرم خبر Soft News :

عام زندگی کی ایسی خبریں جو اطلاع دیتی ہیں لیکن عام انسانوں کی زندگی کو متاثر نہیں کرتیں، ایسی خبریں نرم خبر Soft News کہلاتی ہیں۔ نرم خبر سے مراد ایسی خبروں سے ہے جس کے پڑھنے نا پڑھنے، سننے نا سننے سے عام لوگوں کی زندگی میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ مثلاً کسی اسکول کے ریزلٹ کا بہت خراب یا اچھا ہونا، شہر میں کسی ہیرو یا ہیروئن کی آمد، کسی نئی فلم کی شروعات، وغیرہ نرم خبریں کہلاتی ہیں۔

خبروں کو ان کے الگ الگ شعبوں کے اعتبار سے بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سیاسی خبریں، ۲۔ کھیل کی خبریں، ۳۔ جرائم کی خبریں، ۴۔ عالمی خبریں، ۵۔ ادبی خبریں، ۶۔ تہذیب و ثقافت کی خبریں، ۷۔ فلمی خبریں، ۸۔ خلائی خبریں، ۹۔ تحقیقاتی خبریں، ۱۰۔ توضیحی خبریں، ۱۱۔ موسم کی خبریں

ٹی وی کی دنیا میں اب دو قسم کی خبریں اور آ گئی ہیں۔

۱۔ بریکنگ نیوز Breaking News۔ تازہ ترین حادثے یا واقعے کی خبر کو بریکنگ نیوز کے تحت نشر کیا جاتا ہے۔ یہ اپنے ناظرین کی توجہ مبذول کرنے کا ایک نیا طریقہ ہے یا اسے خبروں کی پیش کش کا نیا انداز بھی کہہ سکتے ہیں

۲۔ ٹاپ اسٹوری Top story: دن بھر کی خبروں میں سے کسی خاص خبر کو اس زمرے کے تحت نشر کیا جاتا ہے جس میں خبر کی

تفصیل بھی شامل ہوتی ہے۔ یہ بھی خبروں کو دلچسپ بنا کر پیش کش کا نیا انداز ہے۔ کچھ چینلوں نے اپنے اپنے انداز سے خبروں کے بلیٹن تیار کیے ہیں مثلاً NewsT20، یعنی 20 منٹ میں 20 خبریں، فٹافٹ خبریں.....اس طرح خبروں کو مختصر کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

کسی واقعہ کی خبر لکھتے وقت ایک خبر نویس کو پانچ W اور ایک H کا خیال رکھنا چاہیے۔ مثلاً کوئی حادثہ یا واقعہ ہو تو خبر نویس کو What یعنی کیا ہوا؟ Where یعنی کہاں ہوا؟، جگہ کا نام When یعنی کب ہوا، وقت کیا تھا۔ دن کا واقعہ ہے یا رات کا اور صحیح وقت کیا تھا، Who یعنی کون کون لوگ اس معاملے میں ملوث تھے۔ کس کس نے مل کر کام انجام دیا Why یعنی یہ معاملہ یا واقعہ کیوں وقوع پذیر ہوا یعنی واقعہ کی اصل وجہ کیا تھی؟ اور ان پانچوں Ws کی تحقیق کے بعد How یعنی واقعہ کیسے ہوا؟ کس طرح اسے انجام دیا گیا۔ اردو میں انہیں ''چھ کاف'' بھی کہا جاتا ہے۔ کسی بھی نمائندے کے لیے ان اجزا کا جاننا ضروری ہے اور ان کے صحیح جوابات کو قلم بند کرنا ہی خبر نویسی ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ خبر کے اجزا بیان کیجیے۔

۲۔ سخت خبر کسے کہتے ہیں؟

15.5 خبروں کے ذرائع Sources of News

خبروں کے ذرائع کے معنی خبریں جن ذریعوں سے ہم تک پہنچتی ہیں۔ کن کن طریقوں سے اور کہاں کہاں سے خبریں جمع کی جاتی ہیں وہ سب خبروں کے ذرائع کہلاتے ہیں۔ دراصل خبر جس طرح ماس کمیونیکیشن کا بنیادی عنصر ہے اسی طرح خبر میں، خبر کے ذرائع کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ پہلے یہ دیکھیں خبریں کون جمع کرتا ہے۔ عام زبان میں ہم خبر لانے لے جانے والے شخص کو مخبر Reporter کہتے ہیں لیکن صحافتی زبان میں خبریں جمع کرنے والے کو، جو کسی اخبار ٹی وی یا ریڈیو کے لیے خبریں جمع کرنے کا کام کرتا ہے، نمائندہ Correspondence کہتے ہیں۔ کچھ اور نام بھی ہیں جن سے اسے پکارا جاتا ہے نامہ نگار، خبر نویس، خبر نگار، رپورٹر۔ آسانی کے لیے خبروں کے ذرائع کو دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ بنیادی ذرائع۔ ثانوی ذرائع۔

بنیادی ذرائع Primary Sources :

خبر اخبار کے لیے ہو، ریڈیو یا پھر کسی ٹی وی چینل کے لیے، اس کے ذرائع میں بنیادی اہمیت نمائندہ Reporter کو ہی حاصل ہے۔ ہر بڑا اخبار، ریڈیو اور ٹی وی چینل تقریباً ہر شہر میں اپنے نمائندے بحال کرتا ہے۔ یہ نمائندے ہی سب سے اہم ذرائع Important Source ہوتے ہیں۔ اخبار کے ان نمائندوں کے علاقے بھی مخصوص ہوتے ہیں مثلاً بڑے اخبارات اور بڑے میڈیا ہاؤس کھیل کی خبروں، تعلیم کی خبروں، سیاسی و سماجی خبروں اور جرائم کی خبروں کے لیے الگ الگ نمائندے رکھتے ہیں۔ ان نمائندوں کی ذمہ داری اپنے اپنے مخصوص شعبوں سے متعلق خبریں جمع کرنا اور انہیں مربوط شکل میں اپنے دفتروں کو ارسال کرنا ہوتی ہے۔

چونکہ ان نمائندوں پر خبروں کا اصل دارومدار ہوتا ہے اس لیے زیادہ تر میڈیا ہاؤسز نمائندہ رکھتے وقت کسی بھی شخص میں زبان کی اہلیت، صحافت کا تجربہ اور لکھنے یا پیش کرنے کی صلاحیت کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد ہی اُسے نمائندہ بناتے ہیں۔

ایک نمائندہ سماج میں یوں تو ہر جگہ سے خبریں حاصل کرتا ہے لیکن کچھ مقامات خبروں کے نقطہء نظر سے بہت اہم ہوتے ہیں۔ جہاں ہر وقت خبریں ملتی رہتی ہیں۔

پولس اسٹیشن :

ہر شہر میں متعدد تھانے ہوتے ہیں اور ایک PCR پولس کنٹرول روم ہوتا ہے۔ان سب میں ہر روز متعدد خبریں ہوتی ہیں۔شہر کے سارے نمائندے ان تھانوں اور PCR سے خبریں حاصل کر کے اپنے دفاتر کو ارسال کرتے ہیں۔

عوامی جلسے جلوس :

آج کل ہر چھوٹے بڑے شہر میں متعدد جلسے اور جلوس کا منعقد ہونا عام سی بات ہے ان سے بھی خبریں ملتی ہیں۔زیادہ تر نمائندوں کو ان جلسے جلوس کے بارے میں اطلاع ہوتی ہے یا پھر وہ تلاش کر کے ان کی خبریں حاصل کرتے ہیں۔آج کل اخبارات ''شہر میں آج'' میں ایسے جلسے جلوسوں کی اطلاعی خبر شائع کرتے ہیں۔

یونیورسٹی کالجز :

پہلے یونیورسٹی کالجز میں صرف پڑھائی ہوا کرتی تھی۔ پڑھائی کی باتیں پڑھائی سے متعلق باتیں، یا زیادہ سے زیادہ کھیل کود اور ثقافتی پروگراموں کا انعقاد۔لیکن بدلتے زمانے اور جمہوریت کے بے جا استعمال نے آج کل یونیورسٹی اور کالجز کو مختلف سرگرمیوں کا ٹھکانہ بنا دیا ہے۔اس لیے ان سے ہر وقت خبریں نکلتی رہتی ہیں۔کسی خاص موضوع پر تحقیق، امتحان میں پرچہ صحیح نہ ہونا، بھوک ہڑتال، مار پیٹ، یونین انتخاب ہنگامے وغیرہ ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں اور یہ اخبار کے تعلق سے اچھی خبریں ہوتی ہیں۔

سرکاری دفاتر :

سرکاری دفاتر بھی خبروں کے تعلق سے اہم ذریعہ ہوتے ہیں۔ یہاں سے عوامی فلاح و بہبود کے تعلق سے آئے دن اہم اطلاعات اور اعلانات جاری ہوتے رہتے ہیں۔خصوصاً نگر نگم، اسمبلی، وزارتیں، پارلیامنٹ، وغیرہ سے ہمیشہ خبریں ملتی رہتی ہیں۔

عدالتیں:

آج کل عدالتیں بھی خبروں کا منبع و مخرج بن گئی ہیں۔آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ لڑائی جھگڑے اور مقدمات کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے، اسی سبب عدالتوں میں بھیڑ بھاڑ بھی بڑھ گئی ہے اور عدالتوں میں ہر روز نئے نئے مقدمات، ان کی سماعت اور فیصلے ہوتے ہیں اور خبروں کا حصہ بنتے ہیں۔

پریس کانفرنس :

پریس کانفرنس کا آج کل رواج بڑھتا جا رہا ہے، کسی بڑی اور نئی بات کے انکشاف کے لیے لوگ پریس کانفرنس منعقد کر کے پریس کے نمائندوں کے سامنے اپنی بات رکھتے ہیں۔سرکاری اعلانات و اطلاعات، بڑی کمپنیاں اپنا پروڈکٹ لانچ کرنے کے لیے، نئی کتاب، مجرم کی گرفتاری، چوری کا پردہ فاش، وغیرہ جیسے کاموں کے لیے پریس کانفرنس منعقد ہوتی ہیں۔جن سے نمائندے خبر بنا کر دفاتر کو ارسال کرتے ہیں۔

ثانوی ذرائع Secodary Sources :

خبروں کے ذرائع میں آج کل ثانوی ذرائع خاص اہمیت کے حامل ہوگئے ہیں۔ یہ وہ ذرائع ہیں جو زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ وجود میں آئے ہیں۔ ابتدا میں ان ذرائع کا نام بھی نہیں تھا۔

خبر رساں ادارے News Agencees

آج کل خبر رساں اداروں کا پورے ملک اور پوری دنیا میں جال سا پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان کے مشہور خبر رساں ادارے ہیں۔

PTI پی ٹی آئی (Press Trust of India)

یہ ہندوستان کی مشہور ایجنسی ہے جو ہندی اور انگریزی میں خبروں کی سپلائی کا کام کرتی ہیں۔اس کے نمائندے ہر شہر میں موجود ہیں۔ادارے کی خبریں بڑی (Authantic) مانی جاتی ہیں۔

UNI۔ یو این آئی (United News India)

ہندوستان کی واحد خبر ایجنسی ہے جو ہندی، انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی خبریں بھیجنے کا کام کرتی ہے۔اس کے نمائندے بھی پورے ملک میں پھیلے ہیں۔شروع میں ایجنسی اردو کی خبروں کے لیے صرف ترجمہ پر منحصر رہتی تھی لیکن اب اس کے نمائندے اردو میں بھی موجود ہیں۔ ہندوستان کے زیادہ تر اردو روز ناموں میں اس کی سروس موجود ہے۔

AP۔ اے۔پی۔(Associated Press)

یہ بھی ہندوستان کی ایک بڑی ایجنسی ہے۔ یہ صرف انگریزی میں خبریں نشر کرتی ہے۔اس ایجنسی کی خوبی یہ بھی ہے کہ یہ تصاویر ارسال کرنے کا کام بھی کرتی ہے۔

ANI۔ اے۔این۔آئی۔(Associated News India)

یہ ایجنسی الکٹرونک میڈیا میں خبریں ارسال کرنے کا کام کرتی ہے۔اس کے نمائندے تقریباً سبھی بڑے شہروں میں ہوتے ہیں۔

دنیا کی بڑی ایجنسیوں میں رائٹر، سی این این، کا شمار ہوتا ہے۔اس کے علاوہ زیادہ تر بڑے اخبارات اور ریڈیو، ٹی وی چینلوں کی اپنی بھی ایجنسی ہیں مثلاً ٹائمس نیوز سروس، HT نیوز سروس، سہارا نیوز بیورو، بی بی سی نیوز سروس، وائس آف امریکا، وائس آف جرمنی وغیرہ خبروں کی ایجنسی کے علاوہ کچھ ایجنسی ایسی بھی ہیں جو مضامین فیچر اور نیوز Story ارسال کرنے کا کام کرتی ہیں ہندی میں ہندوستانی فیچر، اردو میں میڈیا اسٹار ایسی ہی ایجنسی ہیں۔

پریس ریلیز

آج کل پریس ریلیز کی بہت اہمیت ہوگئی ہے۔زیادہ تر سیاسی، فلمی اور ادبی شخصیات، سیاسی اور کاروباری ادارے، یونیورسٹی کالجز وغیرہ اپنے اپنے پروگرام، نئی سرگرمی وغیرہ سے متعلق پریس ریلیز کے ذریعہ اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی میں خبریں ارسال کرتے ہیں۔ ویسے پریس ریلیز کی خبروں پر لوگ زیادہ یقین نہیں کرتے اسی لیے اخبارات والے یا تو انہیں نظر ثانی کر کے شائع کرتے ہیں یا پھر ان کے ذرائع پر ''پریس ریلیز'' لکھ دیتے ہیں۔

دعوت نامے

دعوت نامے بھی خبر کی بنیاد بنتے جا رہے ہیں۔ زیادہ تر جلسے، جلوس، پروگرام کے دعوت نامے سبھی اخباری دفاتر میں آتے ہیں۔ ان کے ذریعہ بھی خبریں وجود میں آتی ہیں۔ ثانوی ذرائع میں آج کل انٹرنیٹ بھی شامل ہو گیا ہے۔ انٹرنیٹ پر بھی ہر وقت خبریں موجود رہتی ہیں۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ خبروں کے بنیادی ذرائع بیان کیجیے۔

۲۔ PTI کیا ہے؟

15.6 خبر بندی News Writing

خبر لکھنا کوئی بہت مشکل کام نہیں ہے۔ ہاں احتیاط لازمی ہے۔ خبر لکھنے سے قبل نمائندہ یا رپورٹر کو واقعے یا حادثے کے متعلق ساری معلومات ''چھ کاف'' کے تحت جمع کر لینی چاہئے۔ اب آپ کی زبان پر بات آتی ہے۔ خبر لکھتے وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ آپ کی زبان عام فہم ہو تا کہ ترسیل Communication میں اضافہ ہو سکے۔ آپ کی بات عام لوگوں تک پہنچ سکے۔ اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے لیے زبان کا الگ الگ استعمال ہوگا۔ عام فہم زبان کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ خبر کی زبان، قواعد اور گرامر کے اصولوں کو نہ اپنائے۔ کسی بھی حال میں زبان قواعد کے مطابق ہی ہونی چاہئے۔ ہاں یہاں بہت زیادہ ادبی اور ثقیل زبان کی ضرورت نہیں۔

خبر کی ابتدا میں خبر کا نچوڑ پیش کرتے ہیں اور ابتدائی پیرا گراف، جو کہ مختصر ہی ہونا چاہئے، کے بعد خبر تفصیل سے تحریر کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ خبر دیکھیں:

رقم پانچ گنا کرنے کے نام پر لاکھوں کی ٹھگی

ملزم سادھو سمیت 2 گرفتار، ایک پولس کی گرفت سے باہر

جے پور: شہر کے مختلف تھانہ علاقوں میں ایک جادوٹونا کرنے والے سادھو نے اپنے دو شاگردوں کے ساتھ مل کر تین نوجوانوں کو پانچ گنا رقم کرنے کے بہانے 10 لاکھ روپے ہڑپ لیے۔ آمیر تھانہ پولس نے اس معاملے میں دو افراد کو گرفتار کیا ہے۔

پولس کے مطابق سبھاش چوک تھانہ علاقہ میں ستیہ نارائن ولد رامیشور کی 25 ستمبر 2009 کو پرہلاد ٹونک روڈ پر رہنے والے سے ملاقات ہوگئی۔ پرہلاد نے اپنے جادوٹونا کرنے والے بابا کے متعلق بتایا اور کہا کہ وہ رقم کو دوگنی کر دیتا ہے۔ یہ شخص اس کے جھانسہ میں آ گیا اور بابا سے ملنے کی بات کہی۔ کچھ دنوں بعد بابا ہریانہ کے مولوی عبدالحلیم اور دو ساتھیوں کو لے کر آیا۔ یہ ستیہ نارائن کے گھر پہنچے اور پوجا پاٹھ کروا کر چوکی پر 2 لاکھ روپے رکھنے کی بات کہی۔ ستیہ نارائن نے روپے چوکی پر رکھ دیے۔ بابا نے سب سے کمرے سے باہر نکل جانے کو کہا۔ بابا نے پھر اس کے بعد پیسے اپنے بیگ میں ڈال لیے اور کمرے کو تالا لگا کر بیگ ساتھ لے کر یہ کہا کہ وہ دوسہ کے مزار پر چادر چڑھائے گا اور پھر رو

پے پانچ گنا ہو جائیں گے۔5دن بعد ستیہ نارائن نے کمرہ کھولا تو روپے غائب تھے۔ یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا اور اس کے بعد اس نے پرہلاد سے کہا تو وہ بھی اسے چکمہ دیتا رہا۔اس کے بعد ستیہ نارائن نے سبھاش چوک تھانہ میں معاملہ درج کروادیا۔ پتہ چلا ہے کہ دھوکہ باز پرہلاد نے چھوٹواڑ تھانہ علاقہ میں 3لاکھ، آمیر تھانہ علاقہ میں اجے گوپال سے 5لاکھ کی بھی دھوکہ دہی کی تھی۔ پولس نے اس معاملہ میں پرہلاد اور بابا کو گرفتار کرلیا ہے۔عبدالحلیم کو گرفتار کرنے کے لیے پولس ٹیم ہریانہ روانہ ہوگئی ہے۔

خبر لکھنے کے طریقے Ways of News Writing

ا- الٹا اہرام کا طریقہ: جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ اہرام △ مثلث نما ہوتا ہے، ایسا مثلث جس کی بنیاد نیچے کی سمت ہے، اِسے الٹا کرنے پر کچھ ایسی تصویر بنے گی ▽ یعنی ایسا مثلث جس کی بنیاد، اس کا ایک زاویہ ہو یا ایک کونا... خبر لکھنے کے اس طریقہ کا بہتر استعمال جلسے، جلوس اور بڑے فنکشن کی رپورٹنگ میں ہوتا ہے۔یعنی محفل یا جلسے کا جو سب سے اہم حصہ ہوتا ہے یا سب سے اہم شخصیت کا بیان، جو کہ جلسے میں آخر میں ہوتا ہے خبر لکھتے وقت شروع میں ہوگا اور پھر آہستہ آہستہ کم اہم کی طرف خبر بندی کا رُخ ہوگا۔

عام طریقہ :

اس طریقے میں کسی خاص بات کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ خبر میں اہم نکات کو پیش کیا جاتا ہے۔ پہلے اور بعد کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ہاں خبر کے تمام لوازم کا خیال ضرور رکھا جاتا ہے۔

خبر میں انٹرویو کا استعمال :

پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا لیکن الیکٹرونک میڈیا سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ اب پرنٹ میڈیا میں بھی استعمال ہونے لگا ہے۔اس طریقہ میں خبر سے متعلق افراد سے گفتگو بھی کی جاتی ہے اور گفتگو کو اختصار کے ساتھ خبر میں پیش کیا جاتا ہے۔الیکٹرانک میڈیا میں ایسے افراد کو خبر کے ساتھ دکھایا بھی جاتا ہے۔الکٹرانک میڈیا میں خبر کے لیے Clippings کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ٹی وی کے لیے تصاویر، مناظر وغیرہ اور ریڈیو کے لیے آواز کی Clippings کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔اس کے بغیر الکٹرانک میڈیا کی خبریں بے اثر ہوتی ہیں۔

خبر کہانی News Story :

News Story کی اصطلاح بھی اب پرانی ہو چکی ہے۔اس کے تحت کسی واقعے یا حادثے کی خبر کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔اس میں خبر کے ہر پہلو کو اجاگر کیا جاتا ہے اور متعلقہ افراد کی تفصیل، ان کی گفتگو وغیرہ کو بہتر طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

خود جانچنے کے سوال

ا۔ خبر بندی کسے کہتے ہیں؟

۲۔ خبر لکھنے کا عام طریقہ بیان کیجیے۔

15.7 خلاصہ

آج کا عہد ماس کمیونیکیشن کا ہے۔ پوری دنیا اس کی گرفت میں ہے۔یہی سبب ہے کہ آج پوری دنیا گاؤں کی مانند ہوگئی ہے۔اس ترقی یافتہ زمانے میں کمیونی کیشن نے ہی اطلاعات اور معلومات Explosion of knowledge &

communication کا دھما کہ سا کر رکھا ہے۔غور سے دیکھا جائے تو اس کی بنیاد خبر ہے۔یعنی خبر ہی وہ ذریعہ ہے جس کے دوش پہ سوار آج کمیونی کیشن دنیا کا اہم ترین شعبہ بن گیا ہے۔

خبر کی جب بات کی جاتی ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ کسی واقعے یا حادثے کی ایسی اطلاع جس میں نیا پن ہو،عوام کی دلچسپی ہو اور حیرت ہو تو وہ خبر ہوتی ہے۔انگریزی میں خبر کے لیے News لکھتے ہیں جو New کی جمع ہے جس کے معنی نیا کے ہیں دوسری طرف NEWS کے چاروں حرف چاروں سمتوں یعنی شمال،مشرق،مغرب اور جنوب کے انگریزی ترجمہ کے پہلے حروف کی ایک خاص ترکیب ہے جس کے معنی چاروں طرف یعنی ہر سمت کی بات اور خبر سے ہے۔

خبر کی یوں تو بہت سی اقسام ہوتی ہیں لیکن خاص کر ہم انہیں دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

سخت خبر :

کوئی بھی ایسی خبر جو بے حد اہم ہو،ایسا واقعہ جس کا دائرہ خبر News Area بہت بڑا ہو،مثلاً حکومت کا کوئی تازہ اور بڑا فیصلہ جس سے ملک کے عوام متاثر ہوں،عالمی سطح پر کوئی بڑی تبدیلی جس کے اثرات پوری دنیا پر قائم ہوں،یا کوئی ایسا واقعہ یا معاملہ جس سے عام انسانی زندگی متاثر ہو سخت خبر کہلاتی ہے سرکار کا کوئی اہم فیصلہ،کسی علاقے میں فرقہ وارانہ فساد،یو این او کا کوئی اہم اقدام وغیرہ سے متعلق خبریں سخت خبروں کے زمرے میں آتی ہیں۔

نرم خبر:

عام زندگی کی ایسی خبریں جو اطلاع دیتی ہیں لیکن عام انسانوں کی زندگی کو متاثر نہیں کرتیں،ایسی خبریں نرم خبر Soft News کہلاتی ہیں۔نرم خبر سے مراد ایسی خبروں سے ہے جس کے پڑھنے نا پڑھنے،سننے نا سننے سے عام لوگوں کی زندگی میں کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔مثلاً کسی اسکول کا ریزلٹ بہت خراب یا اچھا ہونا،شہر میں کسی ہیرو یا ہیروئن کی آمد،کسی نئی فلم کی شروعات،وغیرہ نرم خبریں کہلاتی ہیں۔

عام طور پر خبروں کو ان کے شعبوں کے اعتبار سے بھی تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔سیاسی خبریں ۲۔کھیل کی خبریں ۳۔ جرائم کی خبریں ۴۔ عالمی خبریں ۵۔ادبی خبریں ۶۔تہذیب و ثقافت کی خبریں ۷۔فلمی خبریں ۸۔خلائی خبریں ۹۔تحقیقاتی خبریں ۱۰۔توضیحی خبریں ۱۱۔موسم کی خبریں۔

خبروں کو جمع کرنے والے کو نمائندہ ،رپورٹر یا خبر نویس کہتے ہیں۔خبر نویس کو کسی واقعے یا حادثے کی خبر جمع کرتے وقت انگریزی کے پانچ W اور ایک H کا خاص خیال رکھنا چاہیے جسے اردو میں ''چھ کاف'' کہتے ہیں۔یہ کیا،کیوں،کب،کہاں،کون،اور کیسے ہیں۔یعنی انہیں بنیادی چھ کاف کے جوابات سے خبر مکمل ہو جاتی ہے۔

خبروں کے ذرائع کو بھی ہم آسانی کے لیے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

بنیادی ذرائع :

خبر اخبار کے لیے ہو،ریڈیو یا پھر کسی ٹی وی چینل کے لیے،اس کے ذرائع میں بنیادی اہمیت نمائندہ Reporter کو ہی حاصل

ہے۔ ہر بڑا اخبار، ریڈیو اور ٹی وی چینل تقریباً ہر شہر میں اپنے نمائندے بحال کرتا ہے۔ یہ نمائندے Correspondent اپنے اپنے علاقے کی خبریں روزانہ جمع کر کے شام کے وقت (اخبار کے نمائندے) یا پھر فوراً اپنے اپنے آفسوں، میں ٹیلی فون، فیکس، انٹرنیٹ یا Vset سے بھیجتے ہیں۔ کسی بھی میڈیا ہاؤس کے لیے یہ نمائندے ہی سب سے اہم ذرائع Importent Source ہوتے ہیں۔ یہ نمائندے پولس اسٹیشن عوامی جلسے جلوس، یونورسٹی کالجز وغیرہ سے خبریں حاصل کر کے اپنے دفتر کو ارسال کرتے ہیں۔

ثانوی ذرائع :

خبروں کے ذرائع میں آج کل ثانوی ذرائع خاص اہمیت کے حامل ہو گئے ہیں۔ یہ وہ ذرائع ہیں جو زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ وجود میں آئے ہیں۔ ابتدا میں ان ذرائع کا نام بھی نہیں تھا۔

خبر رساں ادارے :

آج کل خبر رساں اداروں کا پورے ملک اور پوری دنیا میں جال سا پھیلا ہوا ہے۔ یہ ادارے پورے ملک اور دنیا میں اپنے نمائندے رکھتے ہیں۔ ان نمائندوں کے ذریعہ خبریں جمع کر کے اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کو ارسال کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور خبر رساں ادارے پی ٹی آئی (PTI) یو این آئی UNI اور اے پی AP ہیں اس زمرے میں پریس ریلیز اور دعوت نامے بھی شامل ہوتے ہیں۔

خبر لکھنے کے طریقے :

خبر لکھنے کے الٹا اہرام طریقہ کا بہتر استعمال جلسے، جلوس اور بڑے فنکشن کی رپورٹنگ میں ہوتا ہے۔ یعنی محفل یا جلسے کا جو سب سے اہم حصہ ہوتا ہے یا سب سے اہم شخصیت کا بیان، جو کہ جلسے میں آخر میں ہوتا ہے خبر لکھتے وقت شروع میں ہوگا اور پھر آہستہ آہستہ کم اہم کی طرف خبر بندی کا رُخ ہوگا۔

عام طریقہ :

اس طریقہ میں خبر سے متعلق افراد سے گفتگو بھی کی جاتی ہے اور گفتگو کو اختصار کے ساتھ خبر میں پیش کیا جاتا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا میں ایسے افراد کو خبر کے ساتھ دکھایا بھی جاتا ہے۔

اس طریقے میں کسی خاص بات کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ خبر میں اہم نکات کو پیش کیا جاتا ہے۔ پہلے اور بعد کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ہاں خبر کے تمام لوازم کا خیال ضرور رکھا جاتا ہے۔

خبر کہانی :

News Story کی اصطلاح بھی اب پرانی ہو چکی ہے۔ اس کے تحت کسی واقعے یا حادثے کی خبر کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں خبر کے ہر پہلو کو اجاگر کیا جاتا ہے اور متعلقہ افراد کی تفصیل، ان کی گفتگو وغیرہ کو بہتر طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

15.8 نمونے کے امتحانی سوالات

درجِ ذیل سوالات کے جوابات تیس (۳۰) سطروں میں لکھیے:

۱۔ خبروں کے ذرائع (Sourses of News) کو تفصیل سے سمجھائیں۔

۲۔ News Agencies کے بارے میں مختصراً لکھیں

۳۔ خبر کی زبان، کیسی ہونی چاہئے؟

۴۔ خبر لکھنے کے طریقے بیان کریں۔

۵۔ اچھے نمائندے میں کون کون سی خوبیاں ہونی چاہیے؟

درجِ ذیل سوالات کے جوابات پندرہ (۱۵) سطروں میں لکھیے:

۱۔ خبر سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

۲۔ خبر کی مکمل تعریف لکھیے۔

۳۔ خبر اور اطلاع میں کیا فرق ہے؟

۴۔ سخت خبر (Hard News) سے کیا مراد ہے؟

15.9 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
عوامل	عامل کی جمع، وجوہات	برق رفتار	انتہائی تیز رفتار
ایستادہ	کھڑا ہُو، قائم	خلا	فضا، Space
متحیّر کرنا	تعجّب میں ڈالنا	تشنہ	پیاسا
عصبیت	طرف داری	تضحیک	ہنسی اُڑانا
تذلیل	رُسوا کرنا	دفاتر	دفتر کی جمع، آفس
منبع	سرچشمہ، نکلنے کی جگہ	مخزن	نکلنے کی جگہ
ترسیل	مفہوم تک رسائی ہونا	مثلّث	سہ گوشہ، تِکون
اختصار	مطلب کو تھوڑے لفظوں میں بیان کرنا	جریدہ	میگزین

15.9 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ رہبر اخبار نویسی — اقبال قادری

۲۔ ابلاغیات — ڈاکٹر محمد شاہد حسین

۳۔ اردو صحافت — انور علی دہلوی

☆☆☆

اکائی 16

اداریہ نگاری

اکائی کے اہم اجزا :

16.1 اغراض ومقاصد

16.2 تمہید

16.3 اداریے کی تعریف

16.4 اداریے کی اہمیت

16.5 اداریے کے مقاصد

16.6 اداریہ نگاری کے اُصول

16.7 اداریے کے اجزائے ترکیبی

16.8 اداریے کی اقسام

16.8.1 اداریے کی اسلوبی اقسام

16.8.2 اداریے کی موضوعاتی اقسام

16.9 اداریہ نویس کے اوصاف

16.10 اکائی کا خلاصہ

16.11 نمونے کے امتحانی سوالات

16.12 فرہنگ

16.13 سفارش کردہ کتابیں

16.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کو مکمل کرنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

☆ اداریے کی تعریف بیان کرسکیں۔

☆ اداریے کی اہمیت اور مقاصد کی وضاحت کرسکیں۔

☆ اداریہ نگاری کے اُصولوں پر روشنی ڈال سکیں۔

☆ اداریے کے اجزائے ترکیبی اور اداریے کی اقسام بیان کرسکیں۔

☆ اداریہ نویس کے اوصاف بیان کرسکیں۔

16.2 تمہید

صحافت کے قدیم دور میں اداریہ نگاری کا کوئی رواج نہیں تھا۔ انگریزی اخباروں میں اداریے مضامین کی صورت میں بے ترتیبی سے خبروں کے درمیان چھاپ دیے جاتے ہیں۔ فارسی اور اُردو اخبارات میں یہ طریقہ تھا کہ جہاں کوئی ایسی خبر درج ہوتی جس پر تبصرہ ضروری معلوم ہوتا تو وہیں خبر کے نیچے چند سطروں میں تبصرہ کر دیا جاتا تھا۔ جس طرح زمانہ ترقی کرتا گیا اسی طرح صحافت کے فن میں نکھار آتا گیا۔ ادارتی صفحہ کا تعین ہوا اور اداریہ نویسی کے اُصول مقرر ہوئے اور اداریہ اخبار کا اہم جزو بن گیا۔ اس اکائی میں ہم اداریہ اور اداریہ نویسی کے فن کا مطالعہ کریں گے۔

16.3 اداریے کی تعریف

اداریہ اس تحریر کو کہتے ہیں جس میں مدیر اظہار خیال کرتا ہے۔ حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتا ہے یا ہنگامی موضوعات پر اپنی رائے دیتا ہے۔ لیکن اخباری اصطلاح میں اداریہ سے مراد وہ مضمون ہے جو اخبار یا رسالے کے ادارتی صفحہ پر اخبار کے نام کی تختی کے نیچے چھپتا ہو۔ انگریزی میں اسے Editorial کہا جاتا ہے۔ اِسے Leader بھی کہتے ہیں۔ امریکہ میں اسے Lead Editorial یا Leading Article بھی کہا جاتا ہے۔ اُردو میں اداریہ کا ایک اور نام مقالہ افتتاحیہ بھی ہے۔ مقالہ افتتاحیہ کے بعد ایک دو مختصر اداریے بھی ہوتے ہیں جنھیں شذرات یا ادارتی نوٹ (Editorial Note) کہتے ہیں۔ ان کی تعداد دو یا تین ہو سکتی ہے۔ یہ شذرات اداریے یا لیڈر کے نیچے لکھے جاتے ہیں۔ اداریہ کی جامع تعریف کرنا مشکل ہے۔ اس کے باوجود کچھ صحافیوں اور اساتذہ نے اداریہ کی تعریف بیان کرنے کی کوشش کی ہے جیسے کارل جی ملر (Carl G.Miller) لکھتا ہے:

''اداریہ اس مضمون کو کہتے ہیں جو کسی ہنگامی موضوع پر لکھا گیا ہو اور جس میں قاری کی سوچ ایسی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہو جو مضمون نگار کے خیال میں صحیح راہ ہو۔ اداریہ نویس قاری کو اپنے نقطہ نظر سے متفق کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسی باتیں لکھتا ہے جس سے قاری قائل ہو جائے اور موافق ردعمل ظاہر کرے۔ اداریہ نویس مختلف ترغیبی طریقوں سے لے کر قاری کے جذبات و احساسات کو جائز طور پر متاثر کرتا ہے''۔

سر جیمز ہیری اداریہ کے بارے میں مختصر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اداریہ رائے کو متاثر یا قاری کو محظوظ کرنے کے لیے حقائق اور نقطہ نظر کو مختصر، منطقی اور خوش گوار انداز میں پیش کرنے کا نام ہے یا اسے خبروں کی ایسی توجیہہ قرار دیا جا سکتا ہے جس سے عام قاری کسی خاص خبر کو واضح طور پر سمجھ سکے''۔

میکس لرنر (Max Lerner) کا کہنا ہے کہ

''اداریہ ان رجحانات پر تبصرے کا نام ہے جو روزمرہ واقعات کی تہہ میں کارفرما ہوتے ہیں''۔

فی الحقیقت اداریہ جمہوریت کی صحافتی آزادی کا سب سے بڑا ثبوت ہے اداریے کے ذریعے ہی خبروں کی زیریں لہروں کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔ فکر کے نئے اُفق اور واقعات کی نئی جہتیں سامنے آتی ہیں۔ تبھی تو مولانا محمد علی جوہرؔ لکھتے ہیں:

''اداریہ'' وہ مضمون ہے جو کسی ایسے موضوع پر لکھا گیا ہو جو اس زمانے میں زیر بحث ہو اور یہ مضمون محض اخبار بھرنے کی غرض سے

نہ لکھا گیا ہو بلکہ ایسا ہو جس کا لکھنا یا لکھا جانا نہایت ضروری تھا۔ مضمون پولٹیکل ہو خواہ سوشیل خواہ تعلیمی و تجارتی، ایڈیٹوریل نوٹ حال کے واقعات اور خبروں پر اپنی رائے زنی کے لیے ہے''۔

ایم اسپنسر لکھتا ہے کہ ''اداریہ اخبار کی رائے ہے، یعنی اداریہ اخبار کے ضمیر کی آواز ہوتا ہے اور اداریہ نویس عوام کے ضمیر کا پاسبان ہوتا ہے۔ ادارتی صفحہ اخبار کی روح اور اس کی شخصیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اداریہ اخبار کی نیک نیتی اور اس کی پالیسی کا غماز ہوتا ہے۔ اداریہ ایک ایسا شفاف آئینہ ہوتا ہے جس میں سماج، معاشرہ، حکومت اور مختلف سیاسی تحریکات اپنا چہرہ دیکھتی ہیں اور اپنے آپ کی شناخت کرتی ہیں۔ ڈاکٹر مسکین علی مجازی نے اداریہ کی تعریف اس طرح کی ہے:

''اداریہ حالات و واقعات کا ایسا تجزیہ ہے جس پر فوری ضرورت کے تحت بحث کرنا مقصود ہو۔ اس میں قرب زمانی، قرب مکانی اور واقعے کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے''۔

دی ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا کے مطابق:

''اداریہ کسی اخبار یا رسالے کا وہ مضمون ہوتا ہے جو حالات حاضرہ پر لکھا جاتا ہے۔ اداریے میں کسی سرکاری عہدیدار یا گروپ کی کارکردگی یا اس کے کاموں کی تعریف، تنقید یا اس پر بحث کی جاتی ہے''۔

مختصر یہ کہ اداریہ کسی اہم خبر یا اہم واقعہ کی تشریح و تفہیم کا نام ہے جس میں پس منظر کے ساتھ ساتھ پیش منظر بھی دیا جاتا ہے۔ اداریہ ایک مدیر یا اداریہ نویس کی زبان نہیں بلکہ اخبار کے تمام قارئین کی آواز ہوتا ہے اداریہ قارئین کے ذہن میں پلنے والے شکوک و شبہات کو دور کرنے کا نام ہے۔ اداریہ قارئین کا سچا رہنما اور بہی خواہ ہوتا ہے۔ اداریہ روزمرہ پیش آنے والے واقعات پر روشنی ڈالنے والی ایک مشعل ہے۔ اداریہ میں عصری حالات کے رُخ کو موڑنے کی قوت ہوتی ہے۔ تبھی تو جارج ہشتم نے کہا تھا کہ اخبار ٹائمز (لندن) دریائے ٹیمز سے زیادہ طاقتور ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ اداریے کے انگریزی میں دو نام کیا ہیں؟

۲۔ اداریہ کیسے موضوع پر لکھا جاتا ہے؟

16.4 اداریے کی اہمیت

اداریہ تمام اخبار میں منفرد حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اداریہ اخبار کی ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتا ہے۔ ہر اخبار میں خبریں چھپتی ہیں اور اسی فیصد سے زائد خبریں سب اخبارات میں مشترک ہوتی ہیں۔ اس لیے صرف خبروں کی بنیاد پر ہم ایک اخبار کو دوسرے اخبار پر ترجیح یا فوقیت نہیں دے سکتے۔ اپنے اداریوں کے ذریعے ہی کوئی اخبار دوسرے اخبارات سے الگ قرار پاتا ہے۔ ادارتی صفحہ یعنی وہ صفحہ جس پر اداریہ چھپتا ہے، نہ صرف اخبار کو متعارف کرواتا ہے بلکہ دوسرے اخباروں سے ممتاز بناتا ہے۔ نٹراجن کے بقول ''دو اخباروں کو ایک دوسرے سے جو چیز ممتاز اور جدا کرتی ہے وہ ادارتی صفحہ ہے''۔

کسی اخبار کی پالیسی، اس کا رجحان، اس کا مسلک پرکھنا ہو، اس کی بے باکی اور حق گوئی کی پیمائش کرنا ہو یا اس کی شہرت کا اندازہ لگانا ہو تو نہ اخبار میں چھپی خبروں کو دیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی طباعت و کتابت کا معیار بلکہ صرف اور صرف اس اخبار کے اداریوں کا

مطالعہ کرنا کافی ہے جس سے اس کی پالیسی، حق گوئی، بے باکی اور بے خوفی عیاں ہو جاتی ہے۔ اداریے میں عموماً ایسے موضوعات پر قلم اُٹھایا جاتا ہے جو وقت کی آواز اور فوری توجہ طلب ہوتے ہیں اور جن پر صرف قارئین بلکہ حکومت وقت کو بھی حقیقتاً رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

جمہوریت میں صحافت کی آزادی کا ثبوت اخبارات کے اداریے ہیں۔ کیوں کہ اداریہ اپنے سماج، معاشرے، حکومت کی پالیسی اور مختلف سیاسی، سماجی اور مذہبی جماعتوں کا صاف وشفاف آئینہ ہوتا ہے جس میں قاری اپنے گردوپیش کی مکمل تصویر واضح طور پر دیکھ سکتا ہے۔

ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے دوران اُردو اخبارات نے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ خبروں کے درمیان ادارتی نوٹ اس طرح شامل کر دیے جاتے تھے کہ وہ خبر کا ایک حصہ لگتے تھے۔ اسی حکمت عملی سے انگریز حکومت بہت پریشان ہوا کرتی تھی۔ اس لیے لارڈ کنگ نے یہاں تک کہا تھا کہ:

''اس بات کو لوگ نہ تو جانتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں کہ گزشتہ چند ہفتوں میں دیسی اخباروں نے خبریں شائع کرنے کی آڑ میں ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں دلیرانہ حد تک بغاوت کے جذبات پیدا کر دیے ہیں۔ یہ کام بڑی مستعدی، چالاکی اور عیاری کے ساتھ انجام دیا گیا''۔

اداریے کی اہمیت ہر دور میں مسلمہ رہی ہے۔ رائے عامہ کو ہموار کرنے میں اداریہ ہی ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ ظلم وجبر اور بربریت کا خاتمہ حکومتوں کا عروج وزوال، سیاسی، سماجی اور مذہبی انقلابات اداریہ نگاری کے بہترین کرشمے ہیں۔ چنانچہ نپولین نے کہا تھا:

''میں سو (۱۰۰) فوجی دستوں کے مقابلے میں ایک اخبار سے زیادہ ڈرتا ہوں''۔

نپولین کا اشارہ اخبار کی اسی قوت یعنی اداریہ کی طرف تھا۔

اداریہ میں واقعات کے ساتھ ان کا صحیح پس منظر بھی دیا جاتا ہے تاکہ قاری کے ذہن میں کوئی اُلجھن باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اداریے آج بھی مقبولیت کے لحاظ سے اول درجہ رکھتے ہیں۔ معیشت کا مسئلہ ہو یا سیاست کا، بین الاقوامی تعلقات کی بات ہو رہی ہو یا ملکی مسائل کی اداریہ نگار اصل واقعہ بتانے کے ساتھ اس کے حوالے سے ماضی میں ہونے والے واقعات یا اعداد وشمار کا بھی ذکر کرتا ہے۔ پس منظر کی وضاحت کے علاوہ اداریہ نگار اپنے علم وتجربے اور شعور وبصیرت کی روشنی میں واقعات کا گہرائی سے تجزیہ کرتا ہے یعنی واقعے کے اثرات اور مضمرات کا جائزہ لیتا ہے اور آخر میں ساری بحث کا ماحصل یعنی نتائج پیش کرتا ہے جو اس نے اس واقعے سے اخذ کیے ہیں۔

اداریہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ اخباری ادارے کی سوچ اور پالیسی کا ترجمان ہوتا ہے اور ہمیشہ دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔ دلیل سے قاری کو سمجھا جاتا ہے کہ مسئلہ کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اس کے لیے وہ حقائق اور معلومات اکٹھا کرتا ہے اور انھیں سلیقے اور توازن کے ساتھ منطقی انداز میں پیش کرتا ہے تاکہ رائے عامہ استوار ہو۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ ایک اخبار کو دوسرے اخبار سے ممتاز کرنے والی چیز کونسی ہے؟

۲۔ نپولین کس کے مقابلے میں اخبار سے زیادہ ڈرتا ہے؟

16.5 اداریے کے مقاصد

اداریے کے اہم مقاصد درج ذیل ہیں۔

1- سماجی مسائل کی وضاحت کرنا :

اداریہ لکھنے والا خواہ اخبار کا مدیر ہو یا اداریہ نگار ہو ایک قابل ترین شخص ہوتا ہے۔ وہ معاشرتی حالات وواقعات پر گہری اور وسیع نظر رکھتا ہے۔ اداریہ کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ معاشرے میں پیدا ہونے والے نشیب وفراز اور رونما ہونے والے حالات وواقعات کی تشریح کرے اور سماجی مسائل کو وضاحت کے ساتھ بیان کرے تاکہ افراد معاشرہ ان مسائل سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ اور خود کو ان مسائل سے مقابلہ کرنے کے قابل بنا سکیں۔

2- رائے عامہ کی تشکیل کرنا :

اداریے کے ذریعے مختلف مسائل اور واقعات کے بارے میں رائے عامہ کی تشکیل کی جاتی ہے۔ اسے لیے لوگوں کی رائے کو بنانے کے لیے اداریہ کے کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

3- رہنمائی کرنا :

اداریہ کا اہم مقصد عوام کی رہنمائی کرنا ہوتا ہے کیونکہ اداریہ میں کسی مسئلہ کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اور پھر رائے عامہ کی تشکیل کے لیے تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اور پھر عوام کو درپیش مسائل کے حل کے لیے ان کی رہنمائی کی جاتی ہے۔

4- شعور پیدار کرنا :

اداریہ کا یہ مقصد بھی ہے کہ وہ لوگوں میں شعور پیدا کرے اور کسی مشکل مرحلہ کے بارے میں مختلف تجاویز پیش کر کے عوامی شعور کو اُجاگر کرے۔

5- معاشرے کی اصلاح کرنا :

اداریے کا ایک اہم اور بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ معاشرتی مسائل اور حکومت کے غلط فیصلوں پر تنقید کرے اور مثبت انداز میں معاشرے کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دے۔

6- انفرادی نقطۂ نظر پیش کرنا :

اخبارات کی اپنی اپنی پالیسی ہوتی ہے۔ اداریے کا مقصد اپنے انداز اور پالیسی کے مطابق اپنا نقطۂ نظر پیش کرنا ہوتا ہے۔

7- تفریح مہیا کرنا :

بعض اخبارات سنجیدہ موضوعات کے علاوہ مزاحیہ یا محض تفریح کی خاطر مضامین بھی شائع کرتے ہیں۔ ایسے مضامین میں تفریح کے ساتھ سنجیدگی کا عنصر بھی نمایاں ہوتا ہے۔

8- مسئلہ پر مدلل بحث کرنا :

اداریے کا مقصد کسی مسئلہ کی تشریح اور اس پر مدلل بحث کرنا بھی ہوتا ہے تاکہ لوگوں تک اس مسئلہ کی تمام باتیں کھل کر پہنچ سکیں۔

9- اخلاقی تربیت کرنا :

اداریے کے ذریعے اخلاقی مسائل اور فحاشی پر تنقید کی جاتی ہے اور ان کے نقصانات سے لوگوں کو اُجاگر کیا جاتا ہے۔ اس طرح اداریہ لوگوں کی اخلاقی تربیت بھی کرتا ہے۔

10- احتساب کرنا :

اداریے کا سب سے بڑا مقصد مختلف سیاسی لوگوں اور محکموں کا احتساب کرنا بھی ہے۔ ان کے بُرے کاموں پر تنقید کی جاتی ہے اور اچھے کاموں پر سراہا جاتا ہے۔

11- بین الاقوامی حالات بیان کرنا :

ملکی حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ اداریہ میں بین الاقوامی حالات سے متعلقہ معلومات بھی لوگوں تک پہنچائی جاتی ہیں۔ اس طرح لوگ ملک کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی حالات و واقعات سے بھی باخبر رہتے ہیں۔

12- معاشرتی خدمت کرنا :

جن اخبارات کے اداریے معاشرتی خدمت کے جذبے سے بھرپور غیر جانبدارانہ رائے کا اظہار کرتے ہیں، وہ معاشرے میں اپنی اہمیت اور نام بنا لیتے ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اداریہ کا ایک اہم مقصد معاشرے اور لوگوں کی خدمت کرنا ہوتا ہے۔

13- عوام کی ترجمانی کرنا :

کسی اچھے اخبار کے اداریے کا بڑا مقصد عوام کی ترجمانی کرنا ہوتا ہے نہ کہ سیاسی لوگوں کی تعریفیں کرنا یا حکومتی عناصر کے قصیدے گانا۔ ایک بہترین اخبار وہ ہوتا ہے جو غیر جانبدارانہ انداز میں عوامی مسائل کو زیر بحث لائے اور حکومت کے غلط اقدامات کی نفی کرے۔

14- اخباری رائے کی ترجمانی کرنا :

اداریے کا سب سے بڑا اور اہم مقصد اخباری رائے کی ترجمانی کرنا ہوتا ہے۔ اداریہ خواہ مدیر لکھے یا اداریہ نویس لیکن اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ شائع شدہ مضمون مدیر کی ذاتی رائے نہیں بلکہ یہ اخبار کی رائے ہوتی ہے۔ اداریے ہی سے اخبار کی پالیسی اور غیر جانبداری واضح ہوتی ہے۔ چونکہ اداریہ اخبار کی جان ہوتا ہے اور اس سے اخبار کی رائے کا پتہ چلتا ہے۔ اداریے ہی سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی اخبار عوامی اخبار ہے یا حکومتی قصیدے لکھنے والا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اداریے میں پیش کی گئی رائے مجموعی طور پر اخبار کی رائے ہوتی ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ اداریے میں پیش کی گئی رائے کس کی رائے ہوتی ہے۔

۲۔ اداریے کے دو مقاصد بیان کیجیے۔

16.6 اداریہ نگاری کے اُصول

ماہرین صحافت نے اپنے تجربہ، مشاہدہ اور مطالعہ کی بنیاد پر اداریہ نگاری کے اُصول مقرر کئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

تکنیک :

اداریہ نویس کے ذہن میں اداریہ کی تکنیک موجود ہونا چاہئے۔ یعنی اداریہ کی ابتداء میں کوئی واقعہ یا حقیقت، واقعہ کی

وضاحت، پس منظر، واقعہ کا تجزیہ وتبصرہ منطقی دلائل اور آخر میں رائے یا فیصلہ دیا جاتا ہے۔ یہ اداریہ نگاری کی خاص تکنیک ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔

زبان :

صحافت کی زبان دو اور چار والی زبان ہوتی ہے۔ یعنی واضح اور شفاف، مشکل الفاظ، مبہم فقرے، غیر واضح علامتیں، پیچیدہ تراکیب، مضمون کو ناقابل فہم بنا دیتے ہیں۔ اس بات کا خیال رہے کہ اخبار ہر سطح کے لوگ پڑھتے ہیں اس لیے ایسی زبان استعمال کی جائے جو کم پڑھے لکھے لوگوں کے لیے بھی قابل فہم ہو۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں کہ:

''اداریے کی زبان سلیس اور سادہ ہونی چاہئے۔ فقرے چھوٹے ہوں پیرا بھی چھوٹے ہوں۔ کوئی ایسا لفظ نہ آنے پائے جو ایک عام قاری کی سمجھ سے باہر ہو۔ کسی مشکل اصطلاح کے بارے میں یہ فرض نہیں کر لینا چاہئے کہ ہر شخص اس سے واقف ہے۔ اگر اس کا استعمال ضروری ہے تو اس کی تھوڑی سے تشریح کر دی جائے''۔

ربط اور تسلسل :

اداریے میں جو خیالات، حقائق، دلائل، تجاویز اور نتائج پیش کیے جائیں۔ ان سب میں ربط اور تسلسل ہونا چاہئے۔ اگر مضمون میں ربط نہ ہو تو قاری جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جائے گا۔

اداریہ کو حد سے زیادہ طول نہیں دینا چاہئے۔ اداریہ نگاری کے ابتدائی دور میں طویل سے طویل اداریے لکھے جاتے تھے اور قارئین پڑھتے بھی تھے لیکن آج کا انسان مشین جیسا ہو گیا ہے۔ تنگیٔ وقت نے اداریہ کو بھی مختصر کر دیا ہے۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مواد کی پیشکش کامیاب اداریے کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ ایک ایک لفظ ناپ تول کر استعمال کیا جائے۔ طویل اداریے بوریت اور اُکتاہٹ کا سبب بنتے ہیں اور لوگ انھیں پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔

تعمیری نقطہ نظر :

اداریہ نگاری کا اہم مقصد رائے عامہ کو ہموار کرنا اور مثبت رجحانات کو فروغ دینا ہے۔ آج دنیا کش مکش اور تصادم کی آماجگاہ بن گئی ہے۔ منفی نقطہ نظر کے حامل افراد خود کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نا اُمیدی، مایوسی اور تشکیک وانتشار کا ماحول بنتا جا رہا ہے۔ ایسے میں اخبار کا کام لوگوں میں عدم تحفظ کے احساس کو ختم کرنا اور مثبت نقطہ نظر کو عام کرنا ہے۔ اس کے لیے اداریہ سے بہتر اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ چونکہ اداریہ نویس ایک مصلح، منصف، مشیر اور رہنما ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ منفی خیال اور رویے سے پرہیز کرے۔ کسی مسئلہ یا واقعہ پر تنقید کرے تو تعمیری نقطہ نظر سے کرے اور یہ کوشش کرے کہ قارئین میں اداریوں کے توسط سے مثبت خیالات پروان چڑھیں۔ اس طرح اداریہ بہتر سماج کی تشکیل میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاری اساس :

اداریے کے مخاطب اخبار پڑھنے والے ہوتے ہیں۔ یہ صرف اور صرف قارئین کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اس کا مقصد قارئین کے شکوک وشبہات دور کرنا اور ان کی رہنمائی کرنا ہے۔ نہ کہ قارئین پر اپنی قابلیت کو دھونس جمانا اس لیے اداریہ قارئین کی ضرورت کے مطابق لکھا جائے۔ اگر اخبار مقامی سطح پر پڑھا جاتا ہو تو اداریوں میں مقامی مسائل کو اولیت دی جانی چاہئے۔

اسلوب :

اداریہ کی کامیابی کا انحصار صرف خیالات کے مربوط ہونے پر نہیں ہے بلکہ الفاظ کی مناسب نشست، جملوں کی بندش اور دل کش انداز بیان بھی اچھے اداریے کے لیے لازمی ہے۔ خیالات وافکار کو ایک تسلسل کے ساتھ مناسب الفاظ میں بیان کرنے کا نام زور بیان ہے اور اداریہ میں زور بیان بے حد ضروری ہے۔ اگر قارئین اہل علم ہوں تو اداریہ نویس کا انداز بیان منطقی ہونا چاہئے۔ اس کے برخلاف قارئین نیم خواندہ ہوں تو اداریہ کے اسلوب میں جوش وجذبے کی کیفیت شامل ہوگی۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ اداریے میں کیسی زبان استعمال کرنی چاہیے۔

۲۔ اداریے نگاری کا نقطۂ نظر کیا ہونا چاہیے۔

16.7 اداریے کے اجزائے ترکیبی

اداریے کے اجزائے ترکیبی کے حوالے سے مندرجہ ذیل چار نکات کو اہم خیال کیا جاتا ہے۔

(i) عنوان (ii) تعارف

(iii) بحث (iv) حاصل بحث

(i) عنوان

اداریے کے شروع میں اداریے کے عنوان کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ سرخی کی صورت میں دیا گیا عنوان پُرکشش اور زیر بحث باتوں کا موضوع ہوتا ہے۔ بعض اوقات زیر بحث موضوع کو ہی عنوان بنایا جاتا ہے۔ مثلاً ''فلسطین اور اسرائیل'' یا دوسری صورت میں حاصل بحث کو بھی عنوان بنایا جاسکتا ہے۔ مثلاً ''اسرائیل فلسطینیوں کے حقوق غصب نہ کرے''۔ اور بعض اوقات موضوع کے اعتبار سے کسی مصرع یا حوالے کو بھی عنوان بنایا جاسکتا ہے۔ عنوان اداریے کا خلاصہ ہوتا ہے اس لیے یہ مختصر اور عام فہم ہونا چاہئے۔

(ii) تعارف

شروع کے پیراگراف میں اداریے سے متعلقہ باتوں کو تلخیص کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس پیراگراف میں موضوع کا تعارف بیان کیا جاتا ہے۔ تعارف میں مذکورہ موضوع کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک خاص اسلوب کے ساتھ مسئلہ کو تحریر کیا جاتا ہے۔

(iii) بحث

تعارفی پیراگراف کے بعد متعلقہ موضوع پر بحث کی جاتی ہے۔ اداریے میں بیان کیے گئے مسئلے یا معاملے پر مثبت یا منفی دلائل دیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایک ہی رُخ پر بحث کر کے اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(iv) حاصل بحث

اداریے کے آخر میں موضوع سے متعلق مسئلے پر بحث کو سمیٹتے ہوئے اخبار کی رائے کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس کو حاصل بحث کہتے ہیں۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ اداریے کا عنوان کیسا ہونا چاہیے؟

۲۔ اداریے کے آخر میں کیا پیش کی جاتی ہے؟

16.8 اداریے کی اقسام

اداریے میں کسی واقعہ کسی مسئلہ یا کسی معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر تجزیہ، تبصرہ یا بحث کی جاتی ہے۔ اداریے میں زندگی کے تمام مسائل کو موضوع بنایا جاسکتا ہے۔

عام طور پر اداریے لوگوں تک اطلاعات پہنچاتے ہیں۔ پڑھنے والوں کو متاثر کرتے ہیں اور رائے عامہ میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ اداریے سیاسی، سماجی، اقتصادی، جمالیاتی یا سائنسی موضوعات پر لکھے جاتے ہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر اداریے کو کئی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ جن میں سے چند اہم اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

16.8.1 اداریے کی اسلوبی اقسام

اسلوب کے اعتبار سے اداریے کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی جاسکتی ہیں۔

1- استدلالی اداریہ :

استدلالیہ اداریے میں مدلل انداز تحریر اپنایا جاتا ہے۔ دلائل کے ساتھ باتیں کی جاتی ہیں اور منطقی انداز میں بحث کی جاتی ہے۔ اور آخر میں مسئلہ کا حل قارئین پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایسے اداریوں میں قارئین کو تعلیم و تربیت دینا اور درپیش مسائل کے حل کی طرف راغب کرنا مقصود ہوتا ہے۔

2- اطلاعاتی اداریہ :

ایسے اداریے قارئین کو اطلاعات بہم پہنچاتے ہیں۔ ان میں کسی بھی مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے اور تمام حقائق پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اطلاعاتی اداریہ میں کسی معاملہ کی تشریح ابتدا سے کی جاتی ہے اور وضاحت کے ساتھ معاملہ کی انتہا کو بیان کیا جاتا ہے۔

3- تفریحی اداریے :

بعض اوقات اخبارات کے مدیر قارئین کی دلچسپی کیلئے پُر لطف اور تفریحی اداریے بھی لکھتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا واقعہ رونما ہوتا ہے جس میں انسانی دلچسپی کا عنصر بہت گہرا ہوتا ہے۔ اور عوام میں بھی وہ موضوع مقبول گفتگو بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اخبارات کے مدیر اپنی تحریر کو مزاح اور جذبات سے مزین کر کے اداریے کی شکل میں لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

4- جذباتی اداریے :

جذباتی اداریوں میں جذبات کی بھرمار ہوتی ہے اور لوگوں کو جذباتی انداز میں سوچنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ کسی مسئلہ پر عوام کے جذبات کو اُبھارا جاتا ہے۔ اداریہ میں ایسی دلیلیں دی جاتی ہیں جو قاری کی رائے کو براہِ راست متاثر کرتی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نہ ہی سنجیدہ استدلالی اداریے جذبات سے خالی ہوتے ہیں اور نہ ہی جذباتی اداریے استدلال یا سنجیدگی سے عاری ہوتے ہیں۔ البتہ جذباتی اداریوں میں جذبات غالب ہوسکتے ہیں اور اس طرح سنجیدہ اداریوں میں سنجیدگی کا عنصر غالب ہوسکتا ہے۔

16.8.2 اداریے کی موضوعاتی اقسام

اداریے کی موضوعاتی اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

1- سیاسی اداریے :

سیاسی اداریوں میں ملکی اور بین الاقوامی سیاسی مسائل پر بحث کی جاتی ہے۔ سیاسی موضوعات پر قابل فکر تحریریں لکھی جاتی ہیں۔ حکومتی معاملات پر تنقید کی جاتی ہے۔ حکومت کے اچھے کاموں کو سراہا جاتا ہے۔ اخبارات کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے بین الاقوامی معاملات پر تنقیدی یا تائیدی بحث کی جاتی ہے۔ موجودہ دور میں لکھے جانے والے زیادہ تر اداریے سیاسی اداریوں کے زمرے میں آتے ہیں۔

2- سماجی اداریے :

سماجی اداریوں میں معاشرتی مسائل پر بحث کی جاتی ہے اور سماج کے مختلف معاملات کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ آج کے ترقی یافتہ معاشرے میں جہاں سہولتیں ہیں وہاں مسائل، پیچیدگیاں اور اُلجھنیں بھی موجود ہیں۔ اِن اُلجھنوں اور پریشانیوں کے حل کے لیے اداریے لکھے جاتے ہیں۔ لوگوں کی رائے قائم کی جاتی ہے اور پھر ان پریشانیوں کے حل کے لیے تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

3- تعلیمی اداریے :

تعلیمی اداریوں میں تعلیمی و علمی معاملات کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔ تعلیم کے تمام شعبے مثلاً سائنس، طب، دفاع اور دوسرے کئی موضوعات پر تحریریں لکھی جاتی ہیں اور لوگوں تک نئی ایجادات اور بیماریوں سے متعلقہ معلومات پہنچائی جاتی ہیں۔

4- مذہبی اداریے :

ایسے اداریوں میں مذہبی معاملات یا موضوعات پر بحث کی جاتی ہے۔ بعض اوقات کوئی مذہبی مسئلہ فوری گفتگو کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے بعض اخبارات کے مدیران مسائل پر بحث کرتے ہیں اور مذہبی اوصولوں اور مذہبی آزادی کی حفاظت کے لیے اداریے لکھے جاتے ہیں۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ اداریے کی اسلوبی اقسام لکھیے۔

۲۔ اداریے کی موضوعاتی اقسام سے بحث کیجیے۔

16.9 اداریہ نویس کے اوصاف

اخبارات کا رواج پڑنے کے بعد ایک عرصہ تک اخبار کا مدیر ہی اداریہ نویس کے فرائض بھی ادا کرتا تھا۔ لیکن اب صحافت میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ مدیر کو وفود کے ساتھ صدر یا وزیراعظم کے ساتھ غیر ممالک میں جانا ہوتا ہے۔ اسے اہم شخصیتوں سے ملاقاتیں کرنا ہوتی ہیں اور صدر یا وزیراعظم کی پریس کانفرنسوں میں بھی شریک ہونا ہوتا ہے۔ پھر بیشتر صورت میں اخبار کا مالک اس کا مدیر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے اسے انتظامی ذمہ داریاں بھی ادا کرنی ہوتی ہیں۔ اس کے پاس اداریہ لکھنے کے لیے وقت نہیں ہوتا ہے۔

چنانچہ ہر اخبار میں اداریہ نویس رکھے جاتے ہیں یا یہ کام معاون مدیر سرانجام دیتے ہیں۔اس کے لیے ماہرین فن صحافت نے درج ذیل صفات ضروری قرار دی ہیں۔

1- تجربہ :

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ اداریہ نویس کے فرائض سے صرف وہی شخص عہدہ برآ ہوسکتا ہے جس کے پاس پیشہ ورانہ تجربہ اور تربیت ہو۔اسے لکھنے کا تجربہ ہو، وہ صحافت کے فن کے اسرار ورموز سے واقف ہوتا کہ اداریہ لکھتے ہوئے باشعور ہونے کا ثبوت فراہم کر سکے۔اخبار میں کام کرنے کا تجربہ لازمی شرط ہے۔

2- مہارت :

اداریہ نویس کے لیے ضروری ہے کہ اسے اخبار کے بارے میں مختلف شعبوں سے واقفیت اور عملی مہارت ہو۔وہ ایسی مہارت کا مالک ہو کہ روزمرہ زندگی کے معاملات ومسائل کو فوراً اپنی گرفت میں لیتے ہوئے اس کے بارے میں قارئین کو اپنے اعتماد میں لے سکے۔

3- کثیرالمطالعہ :

کسی اداریہ نویس کی سب سے اہم صفت اس کا کثیرالمطالعہ ہونا ہے۔وہ صرف صحافت ہی کے بارے میں مطالعہ نہ کرے بلکہ دنیا کے مختلف علوم وفنون، شاعری وادب، سیاست ومعاشرت اور کھیلوں وغیرہ کے بارے میں اس کا مطالعہ وسیع ہو اور اسے دنیا کے حالات کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل ہوں۔

4- اخبار کی پالیسی سے واقفیت :

اداریہ نویس اخبار کا ترجمان ہوتا ہے۔اسے اپنے اخبار کی پالیسی سے کماحقہ واقفیت ہونی چاہیے اسے جاننا چاہیے کہ کسی سیاسی، سماجی مسئلے پر اخبار کا کیا نقطہ نظر ہے۔مسئلہ بھارت اور چین کے تعلقات، طالبان امریکہ جنگ اور عام انتخابات وغیرہ کے بارے میں اخبار اپنے قارئین کی رائے کو کس طرح استوار کرنا چاہتا ہے۔وہ اداریہ لکھتے ہوئے اخبار کی پالیسی ملحوظ رکھے گا نہ کہ اپنی صوابدید سے کام لے گا۔

5- اعلیٰ تعلیم :

اداریہ نویس معمولی طور پر تعلیم یافتہ نہ ہو۔اسے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا چاہئے تاکہ وہ ہر قسم کے معاملے کے بارے میں براہِ راست علم حاصل کر سکے۔اعلیٰ تعلیم اسے اس قابل کرے گی کہ وہ غیر ملکی زبانوں کی کتابوں اور مضامین سے بھی استفادہ کر سکے گا۔مناسب یہ ہے کہ اس نے فن صحافت پر اور اداریہ نویسی کے فن پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا ہے۔اعلیٰ تعلیم سے اس کی فکر کا دائرہ بھی وسیع ہوگا۔

6- تحقیق :

ایک اداریہ نویس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحقیق وتلاش کا ماہر ہو۔وہ کسی معاملے یا مسئلے کو صرف سرسری نظر سے نہ دیکھے بلکہ اس کے ہر پہلو پر خوب غور وخوض کر کے اور اس پر تحقیقی نظر ڈال کر صرف حقائق پر قلم اُٹھائے۔غیر تحقیقی بات سے اخبار کی شہرت متاثر ہوسکتی ہے اس لیے اداریہ نویس کی اہم صفت تحقیقی صلاحیت کی موجودگی ہے۔

7- معاشرتی مسائل سے واقفیت :

معاشرتی زندگی کے گوناگوں واقعات میں بڑی تیزی پیدا ہوگئی ہے۔ معاشرتی رسوم ورواج تہواروں کے پس منظر سے اس کی واقفیت ضروری ہے تاکہ کسی سماجی مسئلے پر لکھتے ہوئے وہ معاشرتی رسوم ورواج سے واقف ہو۔ وہ جانتا ہو کہ وہ جس معاشرے میں زندگی بسر کررہا ہو اس کے غم اور خوشی کے کیا پیمانے ہیں۔ سماجی المیے کیوں جنم لیتے ہیں؟ شادی بیاہ کی رسمیں کیا ہیں؟ اس لیے وہ غیر اخلاقی معاشرتی رسموں پر آسانی سے لکھ سکتا ہے۔

8- زبان کا علم :

اداریہ نویس جس زبان میں اداریہ تحریر کررہا ہے اسے اس زبان کے روزمرہ، محاورہ اور جملہ قواعد کا علم ہونا چاہیے تاکہ اس کی تحریر دلکش اور جاذب نظر بن سکے اور اس کی بات میں تاثیر پیدا ہوسکے۔ اداریہ نویس کو سادہ اور آسان زبان لکھنی چاہئے۔

9- قوانین صحافت سے واقفیت :

اداریہ نویس کو ملکی قوانین صحافت سے واقفیت ہونی چاہیے تاکہ وہ انجانے میں کسی قانون کی خلاف ورزی کا مرتکب نہ ہو یا اس سے ناواقفیت کی بنا پر اس پر قانونی گرفت نہ ہو ملک میں ایسے نئے قوانین بنتے رہتے ہیں جو پریس سے متعلق ہیں۔ ان کا مطالعہ اداریہ نویس کے لیے ضروری ہے۔

10- موضوع کی تلاش :

اداریہ نویس میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ موقع کی مناسبت سے صحیح موضوع تلاش کرے تاکہ لوگوں کی بروقت اور صحیح نمائندگی کرسکے۔ اخبار کے قارئین خاص خاص قومی، ملکی، سیاسی، معاشرتی ومعاشی معاملات کے بارے میں رہنمائی حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ یہ رہنمائی انھیں اداریہ سے ملتی ہے۔ اس لیے اداریہ نویس کو موضوع کا انتخاب کرتے وقت بڑی سمجھداری اور احتیاط کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔

11- قارئین کی پسند وناپسند :

اداریہ نویس کو اداریہ لکھتے وقت قارئین کی پسند وناپسند کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ وہ کوئی ایسی بات نہ لکھے جس سے اخبار کے قارئین ناراض ہوں۔ وہ قارئین کا نبض شناس ہو اور اسے عوام وخواص کے مسائل کا علم ہونا چاہئے۔

12- سائنسی انداز فکر :

سائنسی انداز فکر سے مراد یہ ہے کہ اداریہ نویس کی تحریر مرتب ہو اور حقائق سے پُر ہو۔ جس طرح سائنس کا علم مربوط ومبسوط ہوتا ہے اسی طرح اداریہ نویس کا اداریہ مربوط ہو۔ وہ محض خیال آرائی سے کام نہ لے بلکہ واضح اور دوٹوک انداز سے کام لے کر قارئین تک اپنا مافی الضمیر واضح کرے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ اداریہ نویس کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا کیوں ضروری ہے؟

۲۔ اداریہ نویس کا اندازِ فکر کیسا ہونا چاہیے؟

16.10 اکائی کا خلاصہ

اداریہ کے لغوی معنی مدیر کا اظہار خیال ہے۔ اخباری اصطلاح میں اداریہ سے مراد وہ مضمون ہے جو اخبار یا رسالے کے ادارتی صفحہ پر اخبار کے نام کی تختی کے نیچے چھپتا ہوا سے Leading Editorial یا Leading Article بھی کہا جاتا ہے۔ اداریہ کو مقالہ افتتاحیہ بھی کہتے ہیں۔ مختصر اداریوں کو شذرات کہا جاتا ہے جو مقالہ افتتاحیہ کے نیچے شائع ہوتے ہیں۔ اداریہ اخبار کے ضمیر کی آواز ہوتا ہے۔ اداریہ کی اہمیت اور افادیت مسلمہ رہی ہے کیونکہ رائے عامہ کی تشکیل کرنا، بہتر سماج کی تعمیر کرنا، صالح اور ترقی پسند رجحانات کو فروغ دینا، قارئین کو غور و فکر کی عادت ڈالنا، رائے عامہ کو ہموار کرنا، اداریہ کے بنیادی مقاصد ہیں۔

اداریہ نگاری ایک فن ہے اور ہر فن کی طرح اس کے کچھ اُصول وضوابط مقرر ہیں۔ جیسے اداریہ کی تکنیک، زبان، مضمون میں ربط اور تسلسل، تعمیری نقطہ نظر، قاری کی نفسیات سے واقفیت وغیرہ۔ اداریے کے اجزائے ترکیبی اور اس کے اُصول کا لحاظ رکھتے ہوئے مؤثر اداریہ تحریر کیا جاسکتا ہے۔ اساتذہ صحافت نے بہترین اداریے کی کچھ خوبیاں بیان کی ہیں۔

موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے اداریوں کی مختلف اقسام کی گئی ہیں جیسے استدلالی اداریے، جذباتی اداریے، سیاسی اداریے، مذہبی اداریے اور تعلیمی اداریے وغیرہ۔

اداریہ یا مقالہ کسی اہم موضوع یا مسئلہ پر تحریر کیا جاتا ہے۔ اداریہ نویسی کا کوئی مخصوص کلیہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود ہر صحافی اداریہ نویس نہیں ہوسکتا۔ اس میں کچھ خاص خصوصیات ہوتی ہیں۔ اداریہ نویس ذہنی اوصاف، علمی اوصاف، پیشہ وارانہ اوصاف اور اخلاقی اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔

16.11 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تیس (۳۰) سطر میں لکھیے۔

۱۔ اداریے کی تعریف کیجیے اور اس کے مقاصد بیان کیجیے۔

۲۔ اداریے نویس کے اوصاف مفصل بیان کیجیے۔

درج ذیل سوالات کے جوابات پندرہ (۱۵) سطر میں لکھیے۔

۱۔ اداریے کی ہیئت پر روشنی ڈالیے۔

۲۔ اداریے کے اقسام بیان کیجیے۔

16.12 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تعیّن ہونا	طے ہونا	مدیر	ایڈیٹر
قائل ہونا	مان جانا، لاجواب ہونا	توجیہ	وجہ بیان کرنا، دلیل دینا
رائے زنی	خیال ظاہر کرنا	بہی خواہ	خیر خواہ، اچّھا چاہنے والے
عیاں ہونا	ظاہر ہونا	رائے عام	عوام کی رائے، عوامی تجویز

نشیب وفراز	اُتار چڑھاؤ، اُونچ نیچ	احتساب کرنا	گرفت کرنا، جائزہ لینا
غیر جانبدارانہ	طرف داری سے الگ	اساس	بنیاد
نیم خواندہ	کم پڑھا لکھا	کلیدی	بنیادی
عہدہ برآ ہونا	فرض ادا کرنا	صوابدید	صلاح، تجویز
نبض شناس	جاننے والا، سمجھنے والا	خیال آرائی	خیال ظاہر کرنا
مافی الضمیر	دل کی بات، مُدّعا		

16.13 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ ڈاکٹر محمد شاہد حسین	ابلاغیات
۲۔ مسکین مجازی	اداریہ نویسی
۳۔ رحم علی الہاشمی	فن صحافت

☆☆☆

اکائی17

کالم نگاری

اکائی کے اہم اجزا :

17.1 اغراض ومقاصد

17.2 تمہید

17.3 کالم کی تعریف

17.4 کالم کی اہمیت

17.5 کالم کے مقاصد

17.6 کالم کی اقسام

17.6.1 موضوع کے اعتبار سے کالم کی اقسام

17.6.2 اسلوب کے اعتبار سے کالم کی اقسام

17.6.3 مشاہدے کے اعتبار سے کالم کی اقسام

17.7 کالم نویس کے اوصاف

17.8 اکائی کا خلاصہ

17.9 نمونے کے امتحانی سوالات

17.10 فرہنگ

17.11 سفارش کردہ کتابیں

17.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کو مکمل کرنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ

☆ کالم کی تعریف اور اس کے مفہوم کی وضاحت کر سکیں۔

☆ کالم کی اہمیت بیان کر سکیں۔

☆ کالم کے مقاصد پر روشنی ڈال سکیں۔

☆ کالم کی اقسام کی وضاحت کر سکیں۔

☆ کالم نویس کے اوصاف بیان کر سکیں۔

17.2 تمہید

جدید صحافت میں کالم کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔خبر کی طرح کالم بھی اخبار کا ناگزیر حصہ بن چکا ہے۔موجودہ زمانے میں کسی ایسے اخبار کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جو کالم کے بغیر شائع ہوتا ہو۔کالم کے بغیر اخبار نامکمل سمجھا جاتا ہے۔روزانہ ایک اخبار میں کئی کئی کالم شائع ہوتے ہیں۔اس اکائی میں ہم کالم اور کالم نگاری کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کریں گے۔

17.3 کالم کی تعریف

کالم انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ستون، کھمبا یا مینار کے ہیں۔کسی چیز کی منظّم قطار کو بھی کالم کہتے ہیں۔ فوج اگر ایک قطار میں کھڑی ہو تو اسے بھی کالم کہتے ہیں۔فن صحافت میں کالم دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔پہلے معنوں میں اخباری صفحات کی عمودی (کھڑی) تقسیم کالم کہلاتی ہے۔عام طور پر اخبار کے صفحات کو لمبائی میں آٹھ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ان حصوں کی ساخت چوڑائی میں کم اور لمبائی میں زیادہ ہونے کی وجہ سے ستون یا کھمبے جیسی نظر آتی ہے اس لیے ہر حصے کو ایک کالم کہتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں کالم کی اصطلاح اخبار میں شائع ہونے والی ایک خاص قسم کی تحریر کے لیے استعمال ہوتی ہے۔یہی کالم ہمارا موضوع ہے اور اسی کے بارے میں ہم معلومات حاصل کریں گے۔مختلف ماہرین فن نے اپنے اپنے انداز سے کالم کی تعریف کی ہے۔ذیل میں چند اہم تعریفیں درج کی جاتی ہیں۔

مشہور امریکی کالم نگار والٹر لپ مین لکھتا ہے:

''میں کالم نویس کو بنیادی طور پر ہمیشہ نام کے ساتھ اداریہ لکھنے والا شخص سمجھتا ہوں۔''

''کمیونٹی جرنلزم: کا مصنف کینتھ آر بارٹرے لکھتا ہے:

''کالم کی مثال کسی ایک تحریر سے نہیں دی جاسکتی۔مختلف کالموں کا اسلوب ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتا ہے۔موضوع اور مواد کے لحاظ سے بھی ان پر کوئی پابندی نہیں ہوتی''۔

ایک اور امریکی صحافی ڈائٹ ای سارجنٹ نے کالم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''کالم ان مضامین کو کہا جاتا ہے جو ادارتی صفحات پر شائع ہوتے ہیں اور جو اداریوں کے لیے ایک معاون مضمون کا کردار ادا کرتے ہیں۔''

ذیل میں کالم کے بارے میں مختلف ماہرین کی مزید آرا پیش کی گئی ہیں۔

آر۔ای۔ولزلے :

''کالم کسی ذاتی خیال پر بھی مبنی ہوسکتا ہے اور دوسروں کے خیالات پر بھی۔اس میں سائنس، طب اور فیشن وغیرہ کے خصوصی موضوعات پر بھی لکھا جاسکتا ہے۔کالم کی اپنی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہوتی۔

جیمز ہارپر :

''کالم میں موضوع اور مواد کی کوئی پابندی نہیں۔ہر دو کالموں کا اسلوب ایک جیسا نہیں ہوتا''۔

ٹرنر سپنسر :

''کالم ایک ذاتی رائے ہے جس میں سب کچھ لکھا جا سکتا ہے''۔

مجیب الرحمٰن شامی :

''کالم کسی خاص اسلوب میں لکھی ہوئی خاص شخصیت کی ایسی تحریر کو کہتے ہیں جو کسی مستقل عنوان کے تحت کسی روزنامے اور ہفت روزہ میں باقاعدگی سے شائع ہوتی ہو۔ خواہ یہ مزاحیہ ہو یا طنزیہ، تاریخی، طبی، سائنسی یا ثقافتی، سیاسی یا غیر سیاسی ہو اس میں شخصیت کے ذاتی خیالات اور نقطہ نظر کا اظہار ہوتا ہے''۔

ڈاکٹر شفیق جالندھری :

''کسی مستقل عنوان کے تحت اخبار یا رسالے میں شائع ہونے والی تحریر کو کالم کہتے ہیں جو عموماً لکھنے والے کے نام کے ساتھ شائع ہوتی ہے۔''

ابن انشا :

''میں کالم کو ESSAY سمجھتا ہوں جس طرح ESSAY ایک بے کراں چیز ہے کالم بھی ہے۔''

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں کالم نویس کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ان سے کالم کی ماہیئت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس میں لکھا ہے:

''ایک اخبار میں لکھنے والے کے نام کے ساتھ ایک مستقل عنوان کے تحت باقاعدگی سے شائع ہونے والی ایسی تحریر کے مصنف یا مدیر کو کالم نویس کہتے ہیں جو تازہ حالات اور واقعات پر اظہار خیال کے لیے وقف ہوتی ہے۔ کالم مزاحیہ بھی ہوسکتا ہے اور سنجیدہ بھی۔ یہ کسی ایک موضوع پر بھی ہوسکتا اور زندگی کے متعلق عمومی بھی۔ یہ ہلکا پھلکا بھی ہوسکتا ہے اور اس میں مختلف اخلاق و آداب اور دلچسپی کے دوسرے اُمور پر تفصیلی قسم کی بحث دلائل اور مشورے بھی ہو سکتے ہیں۔ کالم لازمی طور پر لکھنے والے کے ذاتی ذوق اور نقطہ نظر کا عکس ہوتا ہے خواہ یہ اشیائے ضروریہ سے متعلق ہو، خارجہ پالیسی سے متعلق یا منڈی کے رجحانات سے متعلق۔''

مختلف ماہرین اور کالم نویسوں نے کالم کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ان کی روشنی میں کالم کی مختصر تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے:

''کسی مستقل عنوان کے تحت اخبار یا رسالے میں باقاعدہ شائع ہونے والی تحریر کو کالم کہتے ہیں جو عموماً لکھنے والے کے نام کے ساتھ شائع ہوتی ہے''۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ کالم کے لغوی معنیٰ کیا ہیں؟

۲۔ کالم کے موضوعات کیا ہیں؟

17.4 کالم کی اہمیت

کالم جدید صحافت کا ایک اہم حصہ ہے۔اسی اعتبار سے کالم نویسوں کو اخبارات ورسائل کی دنیا میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔اس میں شک نہیں کہ کالم نویسوں نے کالم کے ذریعہ حالات حاضرہ پر تبصرے اور اہم مسائل کی وضاحت کا فریضہ نہایت کامیابی سے انجام دیا ہے۔بعض کالم اخبارات میں روزانہ شائع ہوتے ہیں اور بعض تین دن میں ایک بار اور بعض ہفتے میں ایک بار۔کالم میں تازہ خبروں یا واقعات پر انوکھے انداز میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔کالم نویس انفرادی طور پر اپنی رائے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔وہ صرف رائے ہی نہیں دیتا بلکہ اپنی رائے کی وجوہات بھی بتاتا ہے۔اس طرح کالم قارئین کے تجسس کو دور کرتے ہیں۔

کالم نویس اپنی معلومات کی وسعت سے قارئین کو متحیر کرتے ہیں۔ان کے جائزوں میں دوراندیشی کا عنصر ہوتا ہے۔وہ اپنے خیالات کا اظہار کامل یقین کے ساتھ کرتے ہیں اور قارئین کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔ان کا خیال ہوتا ہے کہ قارئین ان کے نظریات سے اتفاق کریں یا نہ کریں مگر ان کی رائے ضرور پڑھیں گے۔

کالم نویس کے وسائل کافی وسیع ہوتے ہیں۔اُن کا مطالعہ گہرا ہوتا ہے۔وہ مخفی لیکن معتبر ذرائع سے بھی اطلاعات جمع کرتے ہیں۔ وہ ہمہ اقسام کے موضوعات پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔رائے عامہ کے ترجمان بن کر وہ قومی اور بین الاقوامی معاملات کا تجزیہ وتشریح کرتے ہیں۔

کالم دراصل رائے زنی پر مبنی صحافتی مواد پیش کرتا ہے۔جس اخبار کے صفحات پر رائے کا اظہار کرنے والا مواد نہیں ہوتا وہ ایک بے روح اخبار سمجھا جاتا ہے۔اداریہ کی طرح کالم بھی ادارتی صفحے کو تقویت بخشتا ہے۔کالم خیالات کے اظہار کے بہترین وسیلہ ہے۔اس کے ذریعے ہزاروں قارئین کو دعوت فکر ملتی ہے۔

کالم قارئین کو تفریحی مواد فراہم کرتے ہیں یا مسائل کا جائزہ لینے پر اُبھارتے ہیں۔کسی اُلجھے ہوئے معاملے کی گتھی سلجھاتے ہیں یا صحیح رہبری کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک اخبار میں صرف ایک ہی کالم ہو۔ایک اخبار میں بیک وقت مختلف قسم کے کالم ایک ساتھ شائع ہوسکتے ہیں۔فی زمانہ کالم کا چلن اس قدر عام ہے کہ چھوٹے اخبارات میں بھی کالم شامل ہوتے ہیں۔

کالم نویس کو قلم کا شہنشاہ سمجھا جاتا ہے۔جدید صحافت میں کالم نویسی کو باضابطہ ایک فن کا درجہ حاصل ہے۔یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اداریہ نگاروں کے مقابلے میں کالم نویسوں کو زیادہ قومی اور بین الاقوامی انعامات اور اعزازات سے نوازا جارہا ہے۔

آج کل عوام میں حالات حاضرہ سے دلچسپی بڑھتی جارہی ہے۔لوگ خبر کے پیچھے کی خبر News Behind the News جاننے کے شدید خواہش مند ہوتے جارہے ہیں۔وہ بدلتے ہوئے حالات کے بارے میں اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں۔اس کے لیے انھیں ٹھوس اطلاعات، مستند ومدلل معلومات اور مسئلے کی باریکیوں سے واقفیت درکار ہوتی ہے۔ان تمام اُمور میں کالم قاری کی مدد اور رہنمائی کرتے ہیں۔کالم کے ذریعہ قاری خبر اور خبر کے پس منظر سے واقف ہوتا ہے۔کالم نویس کی رائے سے اس کی ایک فکر اور رائے بنتی ہے۔

دور حاضر میں جہاں صحافت کے ہر شعبے میں جدتیں لائی جارہی ہیں وہیں کالم نویسی میں بھی نئے نئے تجربات کیے جارہے ہیں۔ مغربی ممالک میں ''ذاتی مشوروں کے کالم بہت مقبول ہیں۔ہندوستانی اخبارات میں بھی ان کالموں کا آغاز کیا گیا ہے۔ان کالموں میں خاندانی مسائل اور نفسیاتی اُلجھنوں پر صلاح ومشورے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ تعلیمی، صحت وتندرستی، طبی اور دیگر ذاتی مسائل کے بارے

میں بھی مفید مشورے دیئے جاتے ہیں۔ جیسے جیسے عوام کی دلچسپیاں اوران کی ضرورتیں بدل رہی ہیں۔ کالموں میں بھی نئے نئے موضوعات شامل کیے جارہے ہیں۔ سائنس، ٹکنالوجی اور سرمایہ کاری سے متعلق کالموں کو بھی آج کل بہت پسند کیا جارہا ہے۔ بعض اخبارات کے کالم قارئین کے لیے اتنے پسندیدہ ثابت ہوتے ہیں کہ ناشر ایسے کالم کو صفحہ اول پر جگہ دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ کالم کے ساتھ ہی کالم نویس کا نام بھی چلتا ہے۔ اس نام کی مقبولیت کی وجہ سے کالم کی مقبولیت بڑھتی ہے اور اخبار کی ساکھ میں اضافہ ہوتا ہے۔ بعض کالم ایسے مقبول ہوئے کہ ان کے مجموعے بھی شائع ہوتے ہیں جنھیں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ کالم میں ذاتی عنصر بہت گہرا ہوتا ہے جس کی وجہ سے کالم نویس اور قارئین کے درمیان ایک رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔ قارئین ''بے نام اداریہ نویس'' کے مقابلے میں نام سے متعارف کالم نگار سے زیادہ اپنائیت اور لگاؤ محسوس کرتے ہیں۔ وہ اسے اپنا دوست، بہی خواہ، مفکر اور رہنما سمجھتے ہیں۔ اس لیے جب تک ان کے مسائل باقی رہیں گے۔ اخبار میں کالم اور کالم نویسوں کی ضرورت بھی باقی رہے گی۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ آج کل لوگ کیا جاننے کے شدید خواہش مند ہوتے ہیں؟

۲۔ کالم نویسی میں کون کون سی جدّتیں آئی ہیں؟

17.5 کالم کے مقاصد

اخبار میں جو کچھ چھپتا ہے اس کے پیچھے کچھ نہ کچھ مقصد ہوتا ہے۔ چاہے وہ خبر ہو، اداریہ ہو، فیچر ہو یا مضمون ہو۔ یہی بات کالم پر بھی صادق آتی ہے کہ ہر کالم کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔ ذیل میں کالموں کے اہم مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

دلچسپ تحریریں :

کالم نویس قارئین کے لیے مختلف موضوعات پر ایسی دلچسپ تحریریں فراہم کرتا ہے جو اخبار میں کسی دوسری جگہ نہیں ہوتیں۔ ایک امریکی صحافی کے بقول ''زیادہ تر اخبارات کو معیاری، متنوع، تجزیاتی اور وضاحتی مواد جس واحد ذریعے سے حاصل ہوتا ہے، وہ کالم نویس ہیں''۔

قارئین کا دوست :

کالم نویس قارئین کے دوست کا کردار ادا کرتا ہے۔ وہ ایسے موضوعات پر اظہار خیال کرتا ہے جس سے کسی نہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کا تعلق ہوتا ہے۔ اس کا انداز ایک بے تکلف دوست کا سا ہوتا ہے۔ اس کے کالم میں جو موضوعات زیر بحث آتے ہیں، اس سے اکثر عوام کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حل کی صورت بھی نکل آتی ہے۔ قارئین کالم نویس کو اپنا دوست سمجھ کر خط لکھتے ہیں اور اپنے مسائل بیان کرتے ہیں جنھیں کالم نویس اپنے کالم کا موضوع/حصہ بھی بناتا ہے۔

تفریح :

فکاہیہ (مزاحیہ) کالموں کا بنیادی مقصد قارئین کو تفریح فراہم کرنا ہوتا ہے۔ مختلف موضوعات پر شگفتہ تحریریں ایک ہی کالم کا حصہ بنتی رہتی ہیں۔ ان میں کبھی الفاظ کے کھیل سے مزاح پیدا ہوتا ہے اور کبھی طنز میں قارئین کے لیے دلچسپی کا سامان ہوتا ہے۔ بعض کالم نویس تازہ لطائف کو اپنے کالم کا حصہ بناتے ہیں اور یوں انھیں مصائب کی دنیا سے نکال کر کچھ دیر کے لیے ہنسنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

اعلیٰ اخلاقی اقدار کی ترویج :

کالم نویس اعلیٰ اخلاقی اقدار کی ترویج کر کے معاشرتی برائیاں ختم کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ کالم نویس حالات حاضرہ کا تجزیہ ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر تبصرہ کر کے اخلاقی اقدار بھی یاد دلاتے رہتے ہیں اور قارئین کے ضمیر کو جھنجوڑتے ہیں۔

کالم نویس کی اصلاح کی کوششیں اس لیے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہیں کہ وہ قارئین کو شرمندگی کا شدت سے احساس نہیں دلاتا بلکہ ان میں ذمہ داریوں کا شعور پیدا کرتا ہے۔ اس کی تحریر میں کڑ پن نہیں ہوتا بلکہ ایک دلآویزی ہوتی ہے۔

رائے عامہ کی تشکیل :

کالم نویس قارئین میں قومی اور سماجی معاملات پر سوچنے کی عادت ڈالتے ہیں وہ اپنے کالم میں ایسے موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ جو معاشرے کے لیے کسی نہ کسی طرح اہم ہوتے ہیں۔ وہ کسی خاص معاملے پر رائے عامہ کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طرح قارئین میں قومی نقطہ نظر سے سوچنے کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

پیشہ ورانہ رہنمائی :

تحقیقی کالم مختلف شعبوں سے وابستہ افراد کو پیشہ ورانہ رہنمائی بھی فراہم کرتے ہیں۔ ان میں متعلقہ شعبے میں ہونے والی تازہ ترین ترقی کو زیر بحث لانے کے علاوہ پیشہ ورانہ سوالات کے جوابات بھی دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی خاص شعبے میں قارئین کو رہنمائی کی ضرورت ہو تو تخصیصی کالم یہ فریضہ بھی سرانجام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

شخصی صحافت :

کالم شخصی صحافت کی کمی کو پورا کرتے ہیں اور قارئین کے اخبار سے لگاؤ اور وابستگی کی صورت پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح کالم نویس کو بھی کھل کر اپنی ذات کے اظہار کا موقع مل جاتا ہے۔ کسی اخبار کی کامیابی کے لیے اخبار میں اس کے مدیر یا کسی دوسرے صحافی کا پروجیکشن بہت ضروری ہے۔

اخبار میں جب کسی کالم نویس کا کالم اہتمام کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے تو اس سے کالم نویس کا پروجیکشن بھی ہوتا ہے اور اخبار عوام میں مقبولیت بھی حاصل کرتا ہے۔

اشاعت میں اضافہ :

اکثر کالم نویسوں کے قارئین کا اپنا ایک حلقہ ہوتا ہے جب یہ کالم نویس کسی خاص اخبار میں لکھتے ہیں تو ان کی اچھی تحریروں کی بدولت اس حلقے میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس اخبار کی اشاعت بھی بڑھتی ہے۔ تاریخ صحافت میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی اچھے کالم نویس کے کسی اخبار میں آجانے کی وجہ سے اس اخبار کی تعداد اشاعت میں اضافہ ہوا۔

اداریے کا متبادل :

بعض اوقات کچھ موضوعات پر اخبار اظہار خیال کرنا چاہتا ہے مگر ایسا کرنے میں پالیسی کی کچھ مجبوریاں حائل ہوتی ہیں۔ ایسی صورت میں کالم اداریے کا بہترین متبادل سمجھا جاتا ہے۔ کمیونٹی جرنلزم کے مصنف کینتھ آر بارٹرے لکھتے ہیں:

''لوگ ذاتی اداریہ نما کالموں کو اداریوں سے کہیں زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ اداریہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں کالم نویس متنوع موضوعات پر قلم اُٹھاتا ہے''۔

اداریے چونکہ اخبار کی پالیسی کی عکاس ہوتے ہیں۔ اس لیے اکثر اخبار ہر شعبہ زندگی اور ہر مکتب فکر کے قارئین کے جذبات کے پیش نظر غیر جانبداری سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ کالم نویس اپنی بات کہنے میں آزاد ہوتا ہے۔

فیڈ بیک :

کسی بھی ادارے کی کامیابی کے لیے فیڈ بیک بہت اہم ہوتا ہے۔ قارئین عموماً خبروں، تبصروں اور دوسرے مضامین پر اظہار خیال نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو یہ عموماً اخبارات کے دفاتر تک نہیں پہنچتا لیکن کالم نویس کو قارئین چونکہ اپنا دوست سمجھتے ہیں اس لیے وہ اسے خط لکھ کر بتاتے ہیں کہ اس کے کالم میں انھیں کیا پسند آیا ہے؟ اور کس چیز نے انھیں مایوس کیا ہے۔ اسی طرح اخبار کے متعلق عمومی تاثر بھی کالم نویس تک پہنچتا ہے جس کی روشنی میں اخبار کی پالیسیوں کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

معیاری تحریریں :

اخبارات کو بہت کم معیاری تحریریں موصول ہوتی ہیں۔ اکثر تحریروں کو معیاری بنانے کے لیے متعلقہ ایڈیٹروں کو ان پر محنت کرنا پڑتی ہے جبکہ کالم کے ساتھ اس محنت کی ضرورت نہیں ہوتی کالم نویس کو اپنی ساکھ کا خیال ہوتا ہے اور وہ اپنے کالم کو دلچسپ اور معیاری بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ کالم میں کانٹ چھانٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اکثر صورتوں میں تو اس کی اجازت ہی نہیں ہوتی۔ اس لیے اگر کسی ایڈیٹر کے پاس کالم نویسوں کی تعداد زیادہ ہو تو وہ کم محنت سے بھی قارئین کے لیے زیادہ معیاری اور متنوع چیزیں پیش کر سکتا ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ فکاہیہ کالم کا بنیادی مقصد کیا ہوتا ہے؟

۲۔ شخصی صحافت کی کمی کس کے ذریعے پوری ہوتی ہے؟

17.6 کالم کی اقسام

اخبارات میں بے شمار کالم شائع ہوتے ہیں۔ ہر کالم نویس کا اپنا منفرد انداز ہوتا ہے۔ اکثر کالم نویس اتنے زیادہ موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہیں کہ ان کے کالم کی کسی ایک قسم میں درجہ بندی کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ کالم کی اقسام کا تعین کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ کالم کی مندرجہ ذیل تین حوالوں سے تقسیم کی گئی ہے۔

۱۔ موضوع

۲۔ اسلوب

۳۔ مشاہدہ

17.6.1 موضوع کے اعتبار سے کالم کی اقسام

موضوع کے حوالے سے کالم کی متعدد اقسام متعین کی جاسکتی ہیں۔ان میں کسی خاص شعبے، پیشے، مشغلے یا مضمون کے متعلق لکھے جانے والے کالم شامل ہیں۔ایسے کالم لکھنے والے کے لیے متعلقہ علم اور فن کا ماہر ہونا ضروری ہے ایسے کالموں میں عموماً خیال آرائی کی گنجائش نہیں ہوتی اور یہ عموماً قارئین کی معلومات، رہنمائی اور تربیت کے لیے لکھے جاتے ہیں۔موضوع کے اعتبار سے کالم کی چند اہم قسمیں یہ ہیں:

طبی کالم :

ایسے کالم میں قارئین کو کسی بیماری کی علامات، وجوہات، علاج اور احتیاطی تدابیر سے آگاہ کیا جاتا ہے۔موسمی سبزیوں، پھلوں اور ان کے استعمال کے متعلق بھی مشورے دیے جاتے ہیں۔اگر کوئی وبائی مرض پھوٹ پڑے یا ایسا کوئی امکان ہو تو متعلقہ مرض کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔بعض اوقات کسی قاری کے سوال پر بھی کسی مرض کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور اس کا علاج تجویز کیا جاتا ہے۔آج کل اخبارات میں یہ کالم انتہائی اہم خیال کیے جاتے ہیں۔

قانونی کالم :

قانون کے متعلق عام آدمی کا علم واجبی سا ہوتا ہے۔روزمرہ زندگی میں اُسے جو مسائل و معاملات پیش آتے ہیں، اسے ان میں قانونی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے مگر نہ تو اس میں قانونی کتب سے استفادہ کرنے کی اہلیت ہوتی ہے اور نہ ہی فرصت اس لیے لوگوں کی ضروریات قانونی کالم پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس کالم میں روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل و معاملات کے قانونی پہلوؤں پر عام فہم انداز میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔حکومت کی طرف سے جاری کیے جانے والے نئے قواعد و ضوابط، نئی اصلاحات، آرڈیننس، اسمبلیوں میں منظور ہونے والے نئے بلوں اور نئے سرکاری احکامات کی قانونی نقطہ نظر سے عام فہم انداز میں وضاحت کی جاتی ہے۔قارئین کے مسائل کے حل کے لیے انھیں قانونی مشورے بھی دیے جاتے ہیں۔

دینی کالم :

اس کالم میں اہم دینی اُمور کے متعلق عام فہم انداز میں ضروری معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔کالم نویس مختلف مذہبی تہواروں پر ان کے تاریخی پس منظر اور اہمیت کے حوالے سے روشنی ڈالتا ہے۔حج، عیدالفطر، رمضان المبارک اور دیگر اہم مواقع کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے بھی کالم لکھے جاتے ہیں۔اہم دینی شخصیات اور شریعت کے متعلق لکھا جاتا ہے۔دور جدید کے مسائل کے حل کے لیے اسلامی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دینی کالم عموماً علماء اور دینی علوم پر عبور رکھنے والے افراد لکھتے ہیں۔ان کالموں میں اس امر کا خیال رکھا جاتا ہے کہ متنازعہ معاملات پر نہ لکھا جائے اور کوئی ایسی چیز بھی نہ شائع کی جائے جس سے کسی فرقے کے جذبات مجروح ہونے کا امکان ہو۔

نفسیاتی کالم :

مغربی اخبارات میں نفسیاتی کالموں نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کی ہے۔قارئین ان کالموں کو ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور ان کی روشنی میں اپنے روزمرہ کے مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کالم میں انسانی نفسیات پر بحث کی جاتی ہے۔مختلف نفسیاتی مسائل کے حل کے لیے ماہرانہ مشورے دیے جاتے ہیں۔یہ کالم ایسے ماہرین نفسیات تحریر کرتے ہیں جنھیں زبان و بیان پر عبور حاصل ہو۔

معاشی کالم :

اس کالم میں معاشی صورت حال کا جائزہ لیا جاتا ہے ملکی معیشت پر اثر انداز ہونے والے مختلف عوامل کا جائزہ لے کر حکومت کو مختلف اقدامات کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ یہ کالم عموماً ماہرین معاشیات لکھتے ہیں اور اس کے قارئین بھی مخصوص ہوتے ہیں۔ تاہم اب معاشی کالم لکھنے والے بھی عام قارئین کی دلچسپی کا خیال رکھتے ہیں اور ایسے مسائل پر قلم اُٹھاتے ہیں جن سے معاشرے کا ایک بڑا حصہ کسی نہ کسی صورت میں متاثر ہو رہا ہو۔

کھیلوں کا کالم :

اخبارات میں عموماً کھیلوں کا ایڈیشن باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے تاہم اہم میچوں، کھلاڑیوں اور کھیلوں سے متعلق دوسرے معاملات کی وضاحت کے لیے کھیلوں کے متعلق کالم بھی شائع ہوتے ہیں۔ یہ کالم عموماً سابقہ کھلاڑی یا ایسے صحافی لکھتے ہیں جن کا کھیلوں کے متعلق وسیع تجربہ ہوتا ہے۔

پامسٹری اور علم نجوم :

مغرب میں پامسٹری اور علم نجوم نے بے پناہ مقبولیت حاصل کی ہے۔ کثیر الاشاعت اخبارات متذکرہ علوم کے متعلق باقاعدگی سے کالم شائع کرتے ہیں۔ ہندوستانی قارئین بھی پامسٹری اور علم نجوم کے کالم گہری دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اخبارات میں یہ کالم باقاعدگی سے شائع ہوتے ہیں۔ اس کالم میں دست شناسی اور ستاروں کے اثرات کے متعلق گفتگو کی جاتی ہے۔ قارئین کے خطوط کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

اُمور خانہ داری :

خواتین کی دلچسپی، معلومات اور رہنمائی کے لیے متعدد اخبارات اُمور خانہ داری کے متعلق کالم شائع کرتے ہیں۔ ان میں خواتین کو گھر بہتر انداز میں چلانے کے لیے مشورے دیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ان میں مختلف پکوان پکانے کے طریقے بھی درج ہوتے ہیں اور خواتین کے خانہ داری کے متعلق سوالات کے جوابات بھی اس کالم کا حصہ ہوتے ہیں۔

فیشن :

یہ کالم بھی خواتین کے لیے ہی ہوتا ہے اور اسے عموماً خواتین ہی لکھتی ہیں۔ اس کالم میں ملبوسات، تزئین و آرائش، ہیر اسٹائیل وغیرہ کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

17.6.2 اسلوب کے اعتبار سے کالم کی تقسیم

کسی بھی کالم نویس کی کامیابی میں اس کا اسلوب اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسلوب کے حوالے سے کالم کی مندرجہ ذیل اقسام متعین کی گئی ہیں۔

فکاہیہ کالم :

برصغیر کے اخبارات میں کالم نویسی کی ابتداء فکاہیہ کالموں سے ہوئی۔ آج بھی فکاہیہ کالم انتہائی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں اور انھیں کالم کی مقبول ترین صنف قرار دیا جاتا ہے۔ فکاہی کالم عموماً ایسے ادیب اور صحافی لکھتے ہیں جنھیں زبان و بیان پر مکمل عبور ہوتا ہے اور وہ

مختلف واقعات کے دلچسپ پہلوؤں کو فنکارانہ چابکدستی سے بیان کرتے ہیں بعض اوقات کالم نویس طنزیہ انداز میں تلخ معاشرتی حقائق کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ فکاہی کالم عموماً کسی دلچسپ خبر کے حوالے سے لکھے جاتے ہیں۔ قارئین کے خطوط بھی کالم کا حصہ بنتے ہیں۔

سنجیدہ کالم :

اس کالم میں سنجیدہ موضوعات پر قلم اُٹھایا جاتا ہے اور اس میں طنز و مزاح کی گنجائش قدرے کم ہی ہوتی ہے۔ اپنے انداز اور اسلوب کے حوالے سے یہ اداریے کے قریب ہوتا ہے مگر سنجیدہ کالم اور اداریے میں فرق یہ ہے کہ جہاں اداریے میں پیش کیے گئے خیالات کو اخبارات کے خیالات سمجھا جاتا ہے، وہاں اس میں کالم نویس کے ذاتی خیالات ہوتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ وہ اخبار کی پالیسی سے بھی مطابقت نہ رکھتے ہوں۔

سنجیدہ یا اداریہ نما کالم لکھنے والے عموماً ایسے اصحاب ہوتے ہیں جن کا وسیع علمی یا سیاسی پس منظر ہوتا ہے اور وہ معاملات کا تجزیہ کر کے انھیں بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ قارئین انھیں رہنمائی کے لیے پڑھتے ہیں اور مختلف سیاسی اور سماجی واقعات کے پس منظر اور پیش منظر سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

مکتوباتی کالم :

وہ کالم جن میں قارئین کے خطوط کو کالم کا حصہ بنایا جاتا ہے، مکتوباتی کالم کہلاتے ہیں۔ کالم نویس کبھی کبھار کسی خط سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ وہ اس خط کا پیغام قارئین تک پہنچانا ضروری سمجھتا ہے۔ اکثر وہ اس خط کے ساتھ اپنی رائے بھی پیش کرتا ہے۔ بعض اوقات مختلف خطوط کو اس انداز سے ترتیب دیا جاتا ہے کہ کالم نویس خود کچھ کہے بغیر قارئین تک اپنے دل کی بات پہنچانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

17.6.3 مشاہدے کے اعتبار سے کالم کی اقسام

اُردو صحافت میں مشاہداتی کالم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور یہ قارئین میں خاصی پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ مشاہداتی کالم کی مندرجہ ذیل دو اقسام ہیں۔

سفرنامہ/ سیاحتی کالم :

اس کالم میں کسی سفر، تفریح یا مہم کی روداد بیان کی جاتی ہے۔ بیرون ملک، اندرون ملک بلکہ اندرون شہر کے سفر کو کالم کا موضوع بنایا جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی سمینار، مذاکرہ یا ورکشاپ کی روداد بھی اس کالم میں جگہ پاتی ہے۔ کبھی موضوع کی وسعت کی وجہ سے کئی روز تک ایک ہی واقعے یا سفر پر کالم لکھا جاتا ہے۔

شہرنامہ یا ڈائری نما کالم :

اس کالم میں شہر کے مختلف واقعات اور مسائل کے متعلق کالم نویس اپنا مشاہدہ پیش کرتا ہے۔ اس میں ادبی، سماجی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ کالم نویس ایک رپورٹر کی طرح شہر کے مختلف حلقوں میں گھوم کر اپنے تاثرات کے ساتھ مختلف

واقعات کی تصویر کشی کرتا ہے۔ بعض اوقات کالم نویس سنجیدہ موضوعات پر بھی قلم اُٹھاتا ہے۔ تاہم قارئین کی دلچسپی برقرار رکھنے کا خصوصی طور پر اہتمام کیا جاتا ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ کن اعتبارات سے کالموں کی تین اہم قسمیں کی گئی ہیں؟

۲۔ مرض علاج اور صحت وتندرستی کے مسائل کس کالم میں جگہ پاتے ہیں؟

17.7 کالم نویس کے اوصاف

صحافت میں کالم نویس کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہے۔ اکثر اخبار نویسوں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کالم نویسی کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوائیں۔

موجودہ دور تخصیص (Specialization) کا دور ہے اور ہر شخص اپنے میدان میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اچھا کالم نویس وہی صحافی بن سکتا ہے جس میں بعض بنیادی صلاحیتیں موجود ہوں۔ ماہرین صحافت نے اچھے کالم نویس کے درج ذیل اوصاف بیان کیے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم یافتہ :

اگر چہ یہ حقیقت ہے کہ اُردو صحافت میں متعدد ایسے کالم نویسوں نے بھی ممتاز مقام حاصل کیا جو اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں تھے مگر اب حالات میں جس تیزی سے تبدیلی آرہی ہے اور جس طرح ذرائع ابلاغ کی اہمیت میں اضافہ ہورہا ہے اس کے پیش نظر کالم نویس کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ تعلیم یافتہ ہوگا تو جدید سائنسی ترقی کو سمجھنے میں اسے دقت پیش آئے گی اور علمی ترقی کی وجہ سے معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات کو نہ تو خود اچھی طرح سمجھ سکے گا اور نہ ہی اپنے قارئین کو سمجھا سکے گا۔

وسیع المطالعہ :

کالم نویس کا مطالعہ بے حد وسیع ہونا چاہئے۔ اسے فنون لطیفہ، ادب، نفسیات، فلسفہ، سائنس، اقتصادیات، سیاسیات غرضیکہ ہر شعبہ علم کے متعلق ضروری معلومات حاصل ہونی چاہئیں۔ اگر کالم نویس کسی خاص شعبے پر کالم لکھتا ہے تو نہ صرف اس شعبے کے متعلق اس کی معلومات وسیع ہونی چاہئیں بلکہ تازہ ترین بھی ہونی چاہئیں۔ طب، قانون یا اقتصادی اُمور وغیرہ پر کالم لکھنے والوں کا کردار رہبر جیسا ہوتا ہے۔ اگر کالم نویس کا مطالعہ وسیع نہیں ہوگا تو وہ رہنمائی کا فریضہ احسن طریقے سے انجام نہیں دے سکے گا۔

زبان وبیان پر عبور :

کالم نویس کی ایک اہم خوبی یہ ہوتی ہے کہ اسے زبان و بیان پر عبور حاصل ہوتا ہے۔ رپورٹر اور سب ایڈیٹر تو سیدھی سادی زبان میں لکھ کر اپنا کام کر سکتے ہیں مگر کالم نویس کو اکثر الفاظ سے کھیلنا ہوتا ہے۔ کبھی الفاظ کی شعبدہ بازی سے مزاح پیش کرنا ہوتا ہے، کبھی طنز کے

تیر چلانے ہوتے ہیں اور کبھی کسی سنجیدہ موضوع پر منطقی انداز میں دلائل دے کر اپنا موقف مؤثر انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات الفاظ کے علامتی استعمال سے قارئین تک اپنا مافی الضمیر پہنچانا ہوتا ہے۔اس لیے کالم نویس کے لیے زبان و بیان پر مکمل دسترس لازم ہے۔

حس مزاح :

فکاہیہ کالم نویس کے لیے حس مزاح کا ہونا ناگزیر قرار دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر کالم میں مزاح پیدا نہیں کیا جا سکتا اور اگر کالم نویس زندگی کے مختلف دلچسپ و مزاحیہ پہلو تلاش کر کے انھیں قارئین تک نہیں پہنچائے گا تو اس کا کالم مقبول نہیں ہوگا۔''فکاہی کالم'' لکھنے کے لیے لطافت طبع ایک بنیادی شرط ہے۔کالم نویس میں مزاح کی حس نہیں ہوگی تو وہ زندگی کے مضحک پہلوؤں کو ہمدردی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکے گا اور اس کی تحریر میں وہ خوبی اور شگفتگی پیدا نہیں ہو سکے گی جو فکاہی کالموں کا خاصہ ہے۔

اچھا رپورٹر :

کالم نویس میں اچھے رپورٹر کے اوصاف بھی ہونے چاہئیں۔وہ کالم نویس جو شہر نامہ، ذاتی ڈائری یا ذاتی اداریہ نما کالم لکھتے ہیں، وہ اخبار کی خبروں کو ہی موضوع بحث نہیں بناتے بلکہ وہ مختلف حلقوں میں گھومتے اور حالات و واقعات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر اپنے مشاہدات کو تاثرات کے ساتھ صفحہ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں۔

صحافتی قوانین اور ضابطہ اخلاق سے واقفیت :

کالم نویس پر بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ایک طرف تو اسے صحافتی قوانین کو پیش نظر رکھتے ہوئے کالم لکھنا ہوتا ہے، دوسرے اسے اخبار کی پالیسی اور قارئین کے مزاج کا خیال بھی رکھنا ہوتا ہے۔اچھے اخباروں میں کالم نویس پر عموماً کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی لیکن قانون طور پر کالم نویس کی تحریر پر پرنٹر اور پبلشر کو بھی ذمہ دار سمجھا جاتا ہے اس لیے کالم نویس سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ جہاں اس کی تحریریں قارئین کے لیے شگفتگی اور مزاح فراہم کریں گی، وہاں اس کی تحریروں سے اخبار کے لیے بھی کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔اس لیے کالم نویس کو صحافتی قوانین اور ضابطہ ہائے اخلاق سے مکمل واقفیت ہونی چاہئے۔

تخلیقی صلاحیتیں :

کالم نویس کے لیے تخلیقی صلاحیتیں انتہائی اہم ہیں۔ان کے بغیر وہ اپنے کالم میں نہ تو قارئین کے لیے دلچسپی کا سامان پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہی ان کی فکری رہنمائی کر سکتا ہے۔تخلیقی صلاحیتیں نہ صرف نئے موضوعات کی طرف کالم نویس کی رہنمائی کرتی ہیں بلکہ وہ ان کی بدولت اظہار بیان کے نئے پیرائے بھی دریافت کرتا ہے۔مختصر یہ کہ کالم لکھنے والے کی محنت، ذہانت اور فراست کے مساوی اجزاء کا ملغوبہ ہوتا ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ فکاہیہ کالم لکھنے کے لیے کیا چیز ضروری ہے؟

۲۔ کالم نویس کے لئے زبان و بیان پر عبور کیوں ضروری ہے؟

17.8 اکائی کا خلاصہ

دورحاضر کی صحافت میں کالم کو بڑی اہمیت، کالم کے بغیر اخبار نامکمل سمجھا جاتا ہے۔ کسی مستقل عنوان کے تحت اخبار یا رسالے میں شائع ہونے والی تحریر کو کالم کہتے ہیں جس میں مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ کالم لکھنے والے کے نام کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ کالم کے ذریعے حالات حاضرہ پر تبصرہ اور اہم مسائل پر گفتگو کی جاتی ہے۔ کالم کے ذریعہ مختلف قومی اور بین الاقوامی مسائل کے پس منظر سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ کالم لکھنے والے کے نام کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے قارئین کالم نگار سے ایک رشتہ استوار کرتے ہیں جس سے اخبار کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

کالم نگاری مختلف اور متعدد مقاصد کی تکمیل کرتی ہے جیسے کالم نویس قارئین کے دوست کا کردار ادا کرتا ہے۔ فکاہیہ کالم تفریح مہیا کرتے ہیں۔ کالموں کے ذریعہ رائے عامہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ اعلیٰ اخلاقی قدروں کو فروغ ملتا ہے۔ قارئین کی رہنمائی ہوتی ہے۔ موضوع، اسلوب اور مشاہدے کے اعتبار سے کالم کی مختلف اقسام ہیں جیسے طبی کالم، قانونی کالم، دینی کالم، نفسیاتی کالم، معاشی کالم، کھیلوں کا کالم، اُمور خانہ داری، فیشن، فکاہیہ کالم، سنجیدہ کالم، مکتوباتی کالم، سفرنامہ/ سیاحتی کالم، شہرنامہ یا ڈائری نما کالم وغیرہ۔

کالم نویسی ایک مشکل فن ہے اس کے لیے لکھنے والے کے لیے بعض مخصوص اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے۔ جیسے اعلیٰ تعلیم، وسیع مطالعہ، زبان و بیان پر مکمل عبور، مزاج کی حس، قوت بیان، صحافتی قوانین سے واقفیت اور تخلیقی صلاحیت وغیرہ۔

17.9 نمونے کے امتحانی سوالات

مندرجہ درج ذیل سوالات کے تیس (۳۰) سطروں میں جواب لکھیے۔

۱۔ کالم کی تعریف کرتے ہوئے اس کے مقاصد واضح کیجیے۔

۲۔ کالم نگار کے اوصاف بیان کیجیے۔

مندرجہ درج ذیل سوالات کے پندرہ (۱۵) سطروں میں جواب لکھیے۔

۱۔ کالم کے اقسام بیان کیجیے۔

۲۔ کالم کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

17.10 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اشیائے ضروریہ	ضروری چیزیں	خارجہ پالیسی	Foriegn Policy
متحیّر کرنا	حیرت میں ڈالنا	متنوّع	قسم قسم کا، الگ الگ
مصائب	مصیبت کی جمع	دل آویزی	دل کو اچھا لگنا، دل لبھانا

تخصیصی	خصوصیت کے ساتھ، امتیازی	پروجیکشن	کسی چیز کو پیش کرنا
متبادل	بدلنے والا (Alternate)	واجبی	کسی قدر، مناسب
مجروح ہونا	چوٹ پہنچنا، گھایل ہونا	متنازعہ	جس چیز کے لئے جھگڑا ہو
دست شناسی	ہاتھ پہچاننا	خانہ داری	گھر بار کا کام کاج
ملبوسات	ملبوس کی جمع، لباس	فکاہیہ	مزاحیہ
مطابقت	موافقت، برابری	لوہا منوانا	کسی کی استادی کا قائل ہونا
شعبدہ بازی	جادوگری، دھوکہ بازی	عبور حاصل ہونا	مہارت حاصل ہونا

17.11 سفارش کردہ کتابیں

۱۔	اُردو صحافت	مرتب انور علی دہلوی
۲۔	رہبر اخبار نویسی	سید اقبال قادری
۳۔	فن صحافت	ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

☆☆☆

اکائی 18

فیچر(Feature)نگاری

اکائی کے اہم اجزا :

18.1 اغراض ومقاصد

18.2 تمہید

18.3 فیچر کے معنی اور تعریف

18.4 فیچر کے موضوعات

18.5 فیچر کی اقسام

18.6 فیچر کا اسلوب تحریر

18.7 فیچر کی اہمیت اور ضرورت

18.8 اکائی کا خلاصہ

18.9 نمونے کے امتحانی سوالات

18.10 فرہنگ

18.11 سفارش کردہ کتابیں

18.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- ☆ فیچر کے معنی اور اس کی تعریف بیان کر سکیں
- ☆ فیچر کے موضوعات کی وضاحت کر سکیں
- ☆ فیچر کے اقسام پر روشنی ڈال سکیں
- ☆ فیچر کے اسلوب تحریر پر اظہار خیال کر سکیں
- ☆ فیچر کی اہمیت اور ضرورت پر بحث کر سکیں

18.2 تمہید

اداریے اور کالم کی طرح فیچر بھی اخبارات کا ایک اہم جزو ہے۔خبروں کی طرح فیچر میں بھی انسانی دلچسپی کو پیش نظر رکھتے ہوئے سماجی مسائل پیش کیے جاتے ہیں۔صحافت کی دنیا میں فیچر کی اصطلاح عام ہے۔فیچر ایک ایسی با تصویر تحریر ہے جس میں کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں کو ڈرامائی اور افسانوی انداز میں دلچسپ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔اس اکائی میں ہم فیچر کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کریں گے۔

18.3 فیچر کے معنی اور تعریف

اُردو صحافت میں فیچر کا لفظ انگریزی سے آیا ہے۔قدیم فرانسیسی زبان میں لفظ Feature فیشن یا کسی چیز کی ساخت کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔فیچر (Feature) کے لغوی معنی کسی چیز کے نمایاں نقوش، چہرہ مہرہ، شکل، ہیئت، وضع قطع اور خدوخال ہیں۔

صحافت میں فیچر کا لفظ ایسی تحریروں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو اخبارات کی عام بے رنگ اور سپاٹ تحریروں کے برعکس ڈرامائی اور افسانوی انداز میں لکھی جاتی ہیں۔ان تحریروں میں خبر کے خشک انداز کے بجائے قارئین کی دلچسپی کو ترجیح دی جاتی ہے۔فیچر میں اس امر کی خاص کوشش کی جاتی ہے کہ مواد اور حقائق کو ہلکے پھلکے انداز میں پیش کیا جائے، عبارت خشک اور بوجھل نہ ہونے پائے۔خبر، اداریے اور علمی مضمون کے برعکس فیچر کی تحریر میں ادبی چاشنی اور انداز بیان کے حسن کے ذریعہ دلچسپی جاذبیت اور تاثیر پیدا کی جاتی ہے۔اس میں محض مضمون پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ تصاویر کے ذریعہ مواد کی تزین وآرائش کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔فیچر فن صحافت کی ایک اہم اصطلاح ہے، لیکن اس کی کوئی ایسی تعریف متعین کرنا جس پر سب کا اتفاق ہو نہایت مشکل ہے۔مختلف صحافیوں اور ماہرین فن نے اس کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں۔ ذیل میں بعض اہم تعریفات پیش کی گئی ہیں۔

کلارنس۔اے سکونفیلڈ اپنی کتاب Effective Feature Writing میں رقم طراز ہے:

''فیچر ایک ایسی درمیان کی تحریر ہے جس کے ایک طرف خشک خبر ہوتی ہے اور دوسری طرف تصوراتی کہانی یا خیالی مضمون، جہاں یہ بنیادی طور پر حقیقی رپورٹنگ کا نتیجہ ہوتی ہے۔وہاں اس میں تحریر کے تصوراتی اور وضاحتی عنصر بھی شامل کیے جاتے ہیں۔''

ہیلن۔ایم پیٹرسن Writing and Selling Special Feature Articles میں یوں رقم طراز ہیں:

''فیچر اس لحاظ سے خبر ہی ہے جیسے تحریر ہے کہ اس میں بھی قارئین کے لیے دلچسپ پیرایے میں حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔اسے ایسے ڈھب سے لکھا جاتا ہے کہ قاری بہ آسانی پڑھ سکے لیکن اس میں واقعاتی حقائق کے علاوہ مطالعہ، تحقیق اور انٹرویوز کے ذریعہ باخبر اور بے خبر دونوں طرح کے قارئین کی تربیت رہنمائی اور تفریح کے لیے بھی بہت کچھ کیا جاتا ہے۔''

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اپنی کتاب ''فن صحافت'' میں فیچر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''فیچر اس مضمون کو کہتے ہیں جس کے اسلوب تحریر میں نیم ڈرامائی، داستانی اور قارئین سے براہِ راست گفتگو کا انداز نمایاں ہو اور یہ ایک ایسی بے تکلفی اور بے ساختگی سے عبارت ہو کہ ہر کسی کا پڑھنے کو دل چاہے''۔

ڈاکٹر شفیق جالندھری فیچر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فیچر افسانوی طرز کا مضمون ہوتا ہے جس میں ہلکے پھلکے پیرایے میں انسانی دلچسپی کے اُمور کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔اس کی تحریر میں ڈرامائی رنگ پیدا کیا جاتا ہے''۔

ایف۔فریچر بونڈ نے An Introduction to Journalism میں فیچر کی تعریف اس طرح کی ہے:

فیچر نگاری رپورٹر کے کام کے ساتھ چلتی ہے۔فیچر خبر کے قدرتی نتیجے میں سامنے آتا ہے۔اس میں خبری واقعہ کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے۔حقائق کے بیان میں تحقیق اور مطالعہ کے ذریعہ وسعت پیدا کی جاتی ہے۔اکثر اعداد وشمار ڈرامائی انداز میں پیش کئے جاتے ہیں۔

Scholostic Journalism کا مصنف ایچ کلارنس فیچر کی تعریف میں لکھتا ہے:

''فیچر صحافتی تحریروں میں ایسا منفرد اسلوب نگارش ہے جو اخبارات کو شہرت دوام بھی بخش سکتا ہے۔اس کے بل بوتے پر ایک فیچر

نگار مستقبل کا بہترین مبصر بھی بن سکتا ہے اور راوی کے انداز میں اپنے زمانے کے مسائل کا ترجمان بھی''۔

فیچر کی مندرجہ بالا تعریفات فیچر کے بارے میں مختلف ماہرین فن کے نقاط نظر اور رویوں کا اظہار کرتی ہیں۔ ہر تعریف فیچر کے کسی خاص وصف یا پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔ ذیل میں فیچر کی کچھ اور تعریفات پیش کی گئی ہیں تا کہ فیچر کے متعلق زیادہ سے زیادہ ماہرین کے خیالات آپ کے سامنے آئیں اور آپ کے ذہن میں فیچر کا ایک واضح تصور آ جائے۔

☆ فیچر دلچسپ اور شگفتہ انداز میں پیش کی گئی حالات کی تصویر ہے۔

☆ کسی معاملے کی الفاظ اور معاون مواد (تصاویر نقشے اور خاکے وغیرہ) کے ذریعہ پیش کی گئی ایک مکمل تصویر جو موضوع کا ممکن حد تک مکمل احاطہ کرنے کے علاوہ دیرپا تاثر بھی چھوڑے فیچر ہے۔

☆ فیچر ادب اور صحافت کا امتزاج ہے۔ ادبی انداز میں لکھے ہوئے خبری واقعات فیچر بن جاتے ہیں۔

☆ فیچر اور دوسری تحریر میں بنیادی فرق انداز تحریر کا ہے۔ فیچر میں ڈرامائی اور افسانوی رنگ آمیزی کی گنجائش ہوتی ہے۔

☆ واقعاتی حقائق کی ایسی رپورٹ جس کے انداز بیان میں انشائیے کی سی رنگ آمیزی ہو فیچر ہے۔

☆ کسی معاملے یا واقعہ سے متعلق حقائق کو اپنے جذبات و احساسات کے ساتھ تفصیلاً پیش کرنے کو فیچر کہا جائے گا۔ اس میں واقعہ کا پس منظر، وجوہ اور اصلاح کے لیے تجاویز بھی پیش کی جاتی ہیں۔

فیچر موجودہ یا آنے والے حالات کے کسی خاص رُخ، انسانی زندگی، جذبات و خیالات، مختلف شعبہ ہائے زندگی، فیشن، فلم، زراعت، تجربات، سائنس، غیر معمولی واقعات اور مختلف اشیا کی تکنیک سے متعلق با تصویر کہانی یا مضمون ہے۔ تاہم اس کی بیسیوں تعریفیں ہیں۔ دنیا کے مختلف اخباروں کے فیچر نگاروں کی اس سلسلے میں اپنی اپنی مختلف آراء ہیں۔ تاہم اس بات پر سب متفق ہیں کہ فیچر حقائق کے لحاظ سے خبر اور زبان و بیان کے اعتبار سے افسانہ اور ڈرامہ ہے۔ اس میں جیتی جاگتی زندگی کے حقائق دلچسپ اور پُرکشش انداز میں پیش کیے جاتے ہیں اور موضوع کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کے لیے تصاویر، نقشوں، خاکوں سرخیوں، ہائی لائٹس اور میک اپ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ فیچر، خبر اداریہ، کالم، مضمون اور مراسلے وغیرہ سے الگ اپنی پہچان رکھتا ہے۔ اخبار میں ان سب کے ساتھ چھپتا ہے لیکن لطف و اثر کے لحاظ سے ان سے الگ ہوتا ہے۔ اس میں عوام اور خواص کو بہ آسانی سمجھ میں آنے والی شگفتہ ادبی زبان استعمال کی جاتی ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ اُردو صحافت میں فیچر کا لفظ کس زبان سے آیا؟

۲۔ فیچر کی تحریر کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں؟

18.4 فیچر کے موضوعات

فیچر کے لیے موضوعات متعین نہیں ہیں۔ دنیا کی ہر چیز کے متعلق فیچر لکھا جا سکتا ہے۔ نئے فیچر نگاروں کے لیے سب سے اہم مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کس موضوع پر فیچر لکھیں۔ دنیا میں ہر طرف موضوعات بکھرے پڑے ہیں۔ تاہم فیچر کے لیے جو بھی موضوع منتخب کیا جائے اس میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ قارئین کو اس موضوع سے دلچسپی ہو دوسرے یہ کہ فیچر نگار کے پاس اس موضوع سے متعلق

کچھ ایسی باتیں ہوں جو نئی اور انوکھی ہوں۔ ذہین فیچر نگاروں کو موضوعات کی کبھی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ ایک فیچر مکمل کرنے سے پہلے ہی انھیں کئی نئے فیچروں کے موضوعات مل جاتے ہیں۔ مثلاً وہ کسی ایک جرم پر فیچر تیار کرنے نکلتے ہیں تو انھیں پتہ چلتا ہے کہ پولیس اسٹیشن۔ عدالت، حوالات، جیل اور ہاسپٹل غرض ہر ادارے پر فیچر لکھا جاتا ہے۔

فیچر کسی شخصیت پر بھی لکھا جاسکتا ہے کہ اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ کوئی اہم شخصیت ہو مگر شرط یہ ہے کہ اس شخصیت کے حوالے سے ایسی باتیں سامنے آئیں جو دلچسپ معلوماتی اور انوکھی ہوں یہ خیال غلط ہے کہ اخبارات میں صرف مشاہیر، قائدین اور بلند مرتبہ شخصیات کے بارے میں ہی تفصیلات شائع ہوتی ہیں۔ آج کل اخبارات زندگی کے ہر شعبے میں مصروف افراد کے مسائل اور خیالات پر ضروری توجہ دے رہے ہیں۔ اگر کوئی فیچر نگار کسی ڈاکیے، دہی فروش، رکشہ راں، لوہار، کمہار، جوتا گانٹھنے والے موچی، مداری یا جگر جیسے عام پیشہ ور افراد پر فیچر لکھے تو قارئین دلچسپی سے پڑھیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے فیچر میں کچھ نہ کچھ نئی روشنی ہو۔

اس میں شبہ نہیں کہ دنیا میں فیچر کے لیے موضوعات ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں لیکن بہت کم لوگوں کے پاس ایسی دیکھنے والی آنکھ ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ ان موضوعات کو دیکھ سکیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ موضوعات آپ کے گھر پر ہی موجود ہوں اور آپ انھیں باہر تلاش کرتے پھریں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کو گھر پر کوئی اچھا موضوع نہیں ملتا تو پھر آپ اسے قطب شمالی پر بھی تلاش نہیں کر سکتے۔ فیچر نگار اگر سیر کو نکلے تو اسے سیر گاہ پر فیچر کا موضوع مل جائے گا۔ اگر وہ واپس آئے تو اسے سڑکوں، کاروں، گاڑیوں، ٹریفک اور ماحولیاتی آلودگی سے متعلق بے شمار موضوعات مل جائیں گے۔ ذیل میں فیچر کے لیے موضوع تلاش کرنے کے کچھ اہم طریقے بیان کیے گئے ہیں۔

1- یادداشتیں :

ہر شخص کی زندگی میں انوکھے اور حیرت انگیز واقعات ہوتے ہیں جنھیں وہ ساری زندگی فراموش نہیں کرتا۔ ان میں بہت سے ایسے واقعات ہوتے ہیں جن سے عوامی دلچسپی کے فیچر کے لیے موضوع مل جاتا ہے۔

2- اتفاقی مشاہدات :

انسانی زندگی میں مشاہدات اہم حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ بعض اتفاقی مشاہدات فیچر کے لیے نئے موضوعات فراہم کرتے ہیں، اس لیے کہا جاتا ہے کہ فیچر نگار کو واقعات کا سرسری انداز میں جائزہ نہیں لینا چاہیے بلکہ دنیا کو کھلی آنکھ سے دیکھنا چاہیے بعض اوقات انسان ایک چیز دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اچانک اس کے ذہن میں کوئی ایسا چونکا دینے والا خیال آتا ہے جسے ایک فیچر بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ فیچر نگار کو ایسے تمام خیالات اور مشاہدات فوراً لکھ لینا چاہیے۔

3- ذاتی تجربات :

ہر انسان کو زندگی میں مختلف قسم کے تجربات سے گزرنا پڑتا ہے۔ انسانی ترقی میں تجربات کے ذریعے سیکھے ہوئے علم کا اہم حصہ ہوتا ہے۔ اگر آپ یہ محسوس کریں کہ آپ کو زندگی میں کچھ ایسے تجربات ہوئے ہیں جن سے آپ نے کچھ سیکھا ہے اور وہ آئندہ زندگی میں آپ کے کام آئیں گے اور ان تجربات کا علم دوسروں کے لیے دلچسپ اور معلوماتی ہوسکتا ہے تو آپ اس تجربے سے فیچر کا موضوع حاصل کر سکتے ہیں۔

4- ذاتی مشغلے :

ذاتی شوق یا مشغلوں کو موضوع بنا کر بھی فیچر لکھے جاسکتے ہیں۔معروف فیچر نگاروں نے شکایات، سکے جمع کرنے، ڈاک ٹکٹ جمع کرنے ،نوادرات جمع کرنے پتنگ بازی اوراسی طرح کے دوسرے مشاغل پر فیچر لکھے جو بے حد پسند کیے گئے۔

5- سماجی اورفلاحی ادارے :

سماجی اور فلاحی اداروں کو فیچر کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔بعض اوقات ان اداروں میں جانے سے ایسے موضوعات مل جاتے ہیں جن پر فیچر لکھے جاسکتے ہیں۔یتیم خانے، ہاسٹل، آشرم پر فیچر لکھا جاسکتا ہے۔اسی طرح ملک بھر میں ایسے کئی ادارے ہیں جن میں کسی بھی پہلو کو فیچر کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔

6- کنونشن اورسمپوزیم :

کنونشن اور سمپوزیم جیسے اجتماعات میں فیچر کے موضوعات مل جاتے ہیں کیونکہ ان میں سماج کے مختلف طبقات کے لوگ آتے ہیں۔ ایک امریکن صحافی فرینک کیمرون نے ایک کنونشن میں سنا کہ اب عورتوں کے بجائے مرد اپنے بالوں کی زیادہ حفاظت کرنے لگے ہیں تو اس نے اس موضوع پر واشنگٹن کی کئی حجام کی دوکانوں پر انٹرویو کیا جہاں اسے پتہ چلا کہ امریکہ میں عورتیں آرائش کدے (Beauty Parlour) میں اتنی رقم خرچ نہیں کرتیں جتنی مرد اپنے بالوں پر خرچ کرتے ہیں۔

7- تعلقات عامہ کے شعبے :

اہم صنعتی، تجارتی اور سرکاری اداروں میں تعلقات عامہ (Public Relation) کے شعبے ہوتے ہیں۔ان شعبوں سے اچھے فیچر کے لیے نہ صرف موضوع مل سکتا ہے بلکہ بہت اچھا مواد بھی مل جاتا ہے جس کی مدد سے ایک عمدہ فیچر تیار کیا جاسکتا ہے۔

8- گھر :

گھر میں ضروریات زندگی کی بے شمار اشیاء باہر سے آتی ہیں۔ان کے استعمال سے پتہ چلتا ہے کہ بازار میں چیزوں کا معیار کیا ہے اور اشیاء کے دام بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔ان تمام اُمور کے بغور جائزے سے فیچر کے لیے موضوعات مل سکتے ہیں۔ایک صحافی نے اپنا مکان تعمیر کرواتے ہوئے جو کچھ دیکھا اور سیکھا اسی پر اس نے ایک فیچر لکھ دیا۔آج کل معاشرے میں مکانات کی تعمیر، آرائش، لباس، رہائش اور کھانے پینے کی عادتوں میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ان کی بنیاد پر اچھے فیچر لکھے جاسکتے ہیں۔

9- آرٹ گیلری، میوزیم اورتاریخی عمارت :

بہت سے موضوعات آرٹ گیلریوں، میوزیموں اور تاریخی عمارتوں سے تلاش کیے جاسکتے ہیں۔نیویارک کی ایک خاتون صحافی ایک آرٹ گیلری کی سیر کر رہی تھی۔اس کی نظر وہاں پر کام کر رہی تین ملازماؤں پر پڑی جو وہاں رکھے ہوئے قدیم مجسموں کی جھاڑ پونچھ میں مصروف تھیں۔اس پر اس خاتون صحافی نے Dusting through Centuries کے عنوان سے ایک شاہ کار فیچر تحریر کیا۔قارئین کو تاریخ سے دلچسپی ہوتی ہے، تاریخی فیچر نہ صرف پسند کیے جاتے ہیں بلکہ ان کی ضرورت بھی محسوس کی جاتی ہے۔قدیم تاریخی عمارتوں پر اعلیٰ درجے کے فیچر لکھے جاسکتے ہیں۔ان تاریخی عمارتوں کو دیکھنے کے لیے لوگ ہزاروں میل کا سفر کرتے ہیں۔تاریخی عمارتیں اتنی پُرکشش ہوتی ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں پڑھنا بھی پسند کرتے ہیں۔

10- کیلنڈر :

موضوعات کے حصول کا ایک اہم ذریعہ کیلنڈر بھی ہے۔ کیلنڈر سے نہ صرف تاریخی فیچروں بلکہ تہواروں اور دوسرے اہم سماجی واقعات کے متعلق بھی موضوعات مل جاتے ہیں۔ اسی طرح کیلنڈر پر گہری نظر رکھنے سے مختلف موسموں پر بھی فیچر لکھے جاسکتے ہیں۔

11- کتابیں :

کتابیں فیچروں کے لیے نئے موضوعات فراہم کرتی ہیں۔ کسی بھی موضوع پر کتاب پڑھتے ہوئے نئے نئے موضوع سامنے آتے ہیں۔ ان پر اگر محنت کی جائے تو اچھا فیچر لکھا جاسکتا ہے۔ کتابیں اس اعتبار سے بھی اہم ہوتی ہیں کہ ان سے متنوع موضوعات ہی نہیں ملتے بلکہ موضوع کے بارے میں مواد بھی دستیاب ہوتا ہے۔

12- اخبارات ورسائل :

فیچر کے لیے موضوعات حاصل کرنے میں اخبارات ورسائل سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اخبار میں ہر روز سینکڑوں خبریں شائع ہوتی ہیں۔ ان میں بہت سی ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو فیچر کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔ اخبار کو موضوعات کا ڈپارٹمنٹل اسٹور قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اخبار میں تقریباً ہر شعبہ زندگی کے متعلق خبریں شائع ہوتی ہیں۔ اخبار کی بہ نسبت رسائل میں زیادہ تفصیلی مواد ہوتا ہے اور ان میں مختلف موضوعات پر تحریریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ رسائل کے مسلسل اور بغور مطالعہ سے بے شمار موضوعات مل سکتے ہیں۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ فیچر کس موضوع پر لکھا جاتا ہے؟

۲۔ گھریلو امور سے فیچر کے لئے کیا کیا موضوعات مل سکتے ہیں؟

18.5 فیچر کی اقسام

موضوع اور مواد کے اعتبار سے فیچر کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ ان اقسام کے تعین میں بہت زیادہ تنوع اور وسعت پائی جاتی ہے۔ تاہم قارئین کے لیے کشش، دلچسپی اور رہنمائی ان تین اُصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذیل میں فیچر کی چند اہم قسموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

1- معاشرتی فیچر :

اُردو صحافت میں معاشرتی فیچر کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ان فیچروں میں معاشرے کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ فیچر نگار اپنے مشاہدے، مطالعے اور تجربے کی بنیاد پر فیچر تحریر کرتا ہے۔ اس میں فیچر کا روایتی انداز اور اسلوب نظر آتا ہے۔ معاشرتی فیچر میں فیچر نگار سماج کے وہ پہلو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا ہے جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔

2- شخصی فیچر اور سوانحی فیچر :

اہم شخصیتوں پر لکھے جانے والے فیچر لوگ بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں۔ اگر شخصیت زندہ ہو تو اس پر لکھے جانے والے فیچر کو ''شخصی فیچر'' کہتے ہیں۔ اگر فیچر کسی ایک شخصیت پر لکھا جائے جس کا انتقال ہو چکا ہے تو اس پر لکھے جانے والے فیچر کو سوانحی فیچر کہا جاتا ہے۔ ان فیچروں میں شخص کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں شخصیات کے متعلق مختلف تحریروں، مختلف افراد کے انٹرویو یا ذاتی تجربات کو فیچر میں شامل کیا جاتا ہے۔

3- سائنسی فیچر :

مختلف سائنسی موضوعات پر بھی فیچر لکھے جاسکتے ہیں۔ایسے فیچروں کو سائنسی فیچر کہا جاتا ہے۔عام طور پر ان کا مقصد سیدھے سادے اور دلچسپ انداز میں عوام کو جدید سائنس کے کارناموں سے واقف کروانا ہوتا ہے۔بعض اوقات ان فیچروں میں مختلف سائنسی ایجادات کا ذکر ڈرامائی انداز میں بھی کیا جاتا ہے۔ایجادات کے علاوہ سائنس کے مختلف شعبوں میں ہونے والے اہم تجربوں، نئی سائنسی تحقیقات ترقیات اور معلومات پر بھی سائنسی فیچر لکھے جاتے ہیں۔سائنسی فیچروں میں اعلیٰ علمی زبان کے بجائے سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی جاتی ہے۔

4- تاریخی فیچر :

تاریخی فیچر میں دلچسپ تاریخی حقائق بیان کیے جاتے ہیں۔تاریخی فیچر بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔تاریخی فیچر میں غیر مستند واقعات پیش نہیں کیے جانے چاہئیں، اس سے تاریخ مسخ ہوتی ہے۔معتبر اور مستند واقعات اور روایات کو موضوع بنانا چاہیے۔ تاریخی واقعات، تاریخی شخصیات، تاریخی عمارات اور تاریخی شہروں اور مقامات کے بارے میں مستند اور قابل اعتبار ماخذ سے فیچر کا مواد حاصل کرنا ضروری ہے۔

5- نیوز فیچر :

جب کسی خبر کو ادبی رنگ دے کر فیچر کی صورت میں لکھا جائے تو اسے نیوز فیچر کہا جاتا ہے۔اس خبر میں انسانی جذبات و احساسات کو اس ڈھنگ سے شامل کیا جاتا ہے کہ اس میں قاری کی دلچسپی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔نیوز فیچر کو عموماً خبروں والے صفحے پر ہی چوکھٹا لگا کر یا کسی دوسری طرح نمایاں کر کے شائع کیا جاتا ہے۔

6- تربیتی فیچر :

یہ فیچر عوام کی تربیت کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ان میں قارئین کو کسی اہم موضوع سے متعلق یا کسی فن سے روشناس کروایا جاتا ہے، ٹریفک کے اُصول، حفظان صحت، شہری دفاع اور الیکٹرانک ووٹنگ مشین کے ذریعہ ووٹنگ وغیرہ پر لکھے جانے والے فیچر تربیتی فیچر کے زمرے میں آتے ہیں۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ کس بنیاد پر فیچر کی قسمیں کی گئی ہیں؟

۲۔ جب کسی خبر کو ادبی رنگ میں لکھا جائے تو اسے کیا کہتے ہیں؟

18.6 فیچر کا اسلوب تحریر

اسلوب تحریر کے اعتبار سے فیچر اخبار کی دیگر تحریروں جیسے اداریہ، کالم، خبر اور تبصرے وغیرے سے جداگانہ نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ صحافت میں عموماً شاعرانہ انداز بیان، افسانویت یا ڈرامائیت کو پسند نہیں کیا جاتا لیکن فیچر میں افسانوی اور ڈرامائی انداز کو ایک ضرورت سمجھا جاتا ہے۔فیچر نگار کا اولین مقصد قاری کی توجہ اور دلچسپی برقرار رکھنا ہوتا ہے اس لیے وہ اپنے فیچر میں کبھی ڈرامائی تاثر پیدا کر کے قاری کو چونکنے پر مجبور کرتا ہے۔کبھی افسانوی انداز اختیار کر کے اسے ایک نئے ماحول میں لے جاتا ہے کبھی سنجیدگی سے حقائق بیان کرتا ہے اور پھر اچانک

مکالمہ شروع ہوجاتا ہے۔کبھی موضوع ومناسبت کا خیال رکھتے ہوئے شاعرانہ رنگ اختیار کرتا ہے اور ایک نئے انداز سے قاری کو اپنے موضوع سے متعارف کروانے کی کوشش کرتا ہے۔

فیچر نگاری کے لیے کوئی خاص اُصول متعین نہیں ہیں۔موضوع کے اعتبار سے فیچر کا انداز تحریر بھی بدلتا رہتا ہے کیونکہ فیچر کی ہر قسم کا اپنا مزاج اور ہیئت ہوتی ہے۔تاہم فیچر کے مواد کی پیشکش میں قاری کی نفسیات کی رعایت کو عالمی اُصول کی حیثیت حاصل ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ قارئین کی دلچسپی تحریر میں بتدریج کم ہونے لگتی ہے۔لہذا فیچر نگار کو چاہیے کہ قاری کی نفسیات کے اس پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحریر میں ''پڑھنے پر اُکسانے والا عنصر'' پیدا کرتا رہے۔اس کے لیے اسے مختلف مراحل میں مختلف انداز اپنانا ضروری ہے۔

فیچر نگار کے لیے ضروری ہے کہ اسے لکھنے کا فن آتا ہو وہ الفاظ سے کھیلنا اور ان سے مطلوبہ تاثر پیدا کرنا جانتا ہو۔فیچر کا اسلوب تحریر ایسا ہو کہ قاری اپنے آپ کو فیچر کی فضا میں اس طرح محسوس کرے جیسے ایک فلم دیکھتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔یہ اہم نہیں ہے کہ آپ کیا لکھ رہے ہیں۔اہم یہ ہے کہ آپ کیسے لکھتے ہیں۔الفاظ کا استعمال سیکھیے۔اچھا لکھنے والے میں یہ صلاحیت ہونی چاہئے کہ وہ ایک ہی واقعہ کئی انداز اور کئی رنگ میں لکھ سکے۔الفاظ کے استعمال پر عبور نہ رکھنے والے اکثر اچھی خاصی اسٹوری ضائع کر دیتے ہیں۔

فیچر کی زبان اس کے موضوع کے مطابق ہونا چاہیے۔اس میں قواعد اور املا کی غلطیاں بہت برا تاثر پیدا کرتی ہیں۔دقیق اور متروک الفاظ کا استعمال تحریر کو نا قابل فہم بنا دیتا ہے اس لیے مشکل الفاظ سے گریز کرنا چاہیے۔فیچر میں اسلوب بیان کی دلچسپی کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ قاری کو فیچر پڑھنے پر آمادہ کرنے میں اس کے ابتدائی پیراگراف کا اہم حصہ ہوتا ہے۔فیچر کا تعارفی پیراگراف یا ابتدائیہ اگر دلچسپ اور پُرکشش ہو تو قاری فیچر پڑھنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ابتدائیہ کیسے لکھا جائے؟ اس کے لیے کوئی اُصول نہیں ہے۔اس کا انحصار فیچر نگار پر ہے کہ وہ اپنی تحریر کے کس حصے کو ابتدائیہ کے طور پر منتخب کرتا ہے۔اس کا یہ انتخاب فیچر لکھنے کے حوالے سے انتہائی اہم ہے۔اگر ابتدائیہ اچھا نہیں ہوگا تو ایڈیٹر فیچر کو منتخب نہیں کرے گا اور قاری بھی اسے پڑھنا پسند نہیں کرے گا۔اس سلسلے میں ایک امریکی صحافی ڈی۔آر۔ولیمسن رقم طراز ہیں:

''اچھا فیچر لکھنے کا راز فیچر کے پہلے پیرا (ابتدائیہ) میں ہے۔ایک اچھے ابتدائیہ کے بغیر قارئین کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کانٹے پر چارا لگائے بغیر مچھلی پکڑنے کی کوشش کرنا۔ہر لکھنے والا اچھے ابتدائیہ کی اہمیت سے بخوبی سے واقف ہے یہی وجہ ہے کہ ابتدائیہ لکھنے کی کوشش میں فیچر نگاروں کی ٹوکریاں ردی سے بھر جاتی ہیں''۔

فیچر کے ابتدائیہ کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اس کا آغاز خبر کی طرح اہم ترین حقائق سے ہو اور نہ ہی اس میں مضمون یا مقالے کی طرح موضوع کے تعارف کی ضرورت ہوتی ہے۔فیچر کے ابتدائیہ کے لیے سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اس میں انسانی دلچسپی کا عنصر پایا جائے اور اس میں ایسی کشش ہو کہ قاری فیچر کو آخری سطر تک پڑھنے پر مجبور ہوجائے۔یہی فیچر نگار کی کامیابی ہے۔

دلچسپ ابتدائیہ پرکشش اسلوب اور چونکا دینے والی باتیں فیچر کی تحریر کے اہم لوازمات ہیں۔ان کے علاوہ دیگر اجزائے ترکیبی جن کے ذریعہ فیچر میں دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔سرخیاں، ہائی لائٹس، لے آؤٹ، تصاویر اور نقشے وغیرہ ہیں جن کی وجہ سے فیچر اس قدر نمایاں ہوجاتا ہے کہ قاری خود بخود اس میں کشش محسوس کرتا ہے۔فیچر میں اصلاح احوال، تعمیر کے لیے تنقید وتبصرہ، حقائق وواقعات، اعداد وشمار، انٹرویوز، تجاویز، آرا غرض ہر چیز کی پیشکش میں قارئین کی دلچسپی کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔کسی بھی طرح کا مواد صرف اسی حد

تک اوراسی انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ تحریر میں قارئین کی دلچسپی برقرار رہے۔حقائق اور تحقیق وغیرہ کو دوسرا درجہ دیا جاتا ہے اصل اہمیت دلچسپی اور دلکشی کو دی جاتی ہے۔ایک فیچر نگار رات دن کی بھاگ دوڑ اور محنت کے بعد فیچر کے لیے جتنا مواد جمع کرتا ہے۔فیچر لکھتے وقت طوالت، بوجھل پن یا خشکی پیدا ہوجانے کے خوف سے اس میں سے بہ مشکل ایک تہائی حصہ ہی استعمال کر پاتا ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ فیچر کا اسلوب کیسا ہونا چاہئے؟

۲۔ فیچر کی زبان کیسی ہونی چاہئے؟

18.7 فیچر کی اہمیت اور ضرورت

فیچر صحافتی تحریروں کی ایک اہم اور طاقتور قسم ہے۔اس کا اولین مقصد قارئین کو تفریح فراہم کرنا ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ انھیں دلچسپ اور حیران کن حقائق سے بھی واقف کروایا جاتا ہے۔بیسویں صدی کے دوران سائنس اور ٹکنالوجی کی بے پناہ ترقی نے دنیا کے ہر خطے میں انسانی معاشرے کو بے حد متاثر کیا ہے۔خصوصاً مواصلات اور ابلاغ کی دنیا میں جو انقلاب آئے اس کی وجہ سے علاقائی، ملکی اور عالمی ہر سطح کی خبروں تک عام لوگوں کی رسائی انتہائی آسان ہوگئی ہے۔الیکٹرانک میڈیا کے ساتھ مطبوعہ صحافت یا پرنٹ میڈیا بھی ترقی کر رہا ہے۔اخبارات کی تعداد میں اضافے سے ان کے درمیان تعداد اشاعت کے سلسلے میں مسابقت (Competition) بھی شروع ہوگئی۔ اسی مسابقتی پس منظر میں اخبارات نے اپنی تعداد اشاعت بڑھانے کے لیے جو ذرائع اختیار کیے ان میں سے ایک ذریعہ فیچر بھی ہے۔اس طرح فیچر آج کے اخبارات کی ایک ناگزیر ضرورت بن چکا ہے۔

فیچر کی اہمیت کی ایک وجہ قارئین کی نفسیات بھی ہے۔انسان سہولت پسند واقع ہوا ہے۔اخبار کا عام قاری خشک بوجھل اور منطقی تحریروں کو پسند نہیں کرتا ہے۔اس کے نزدیک اخبار کا مطالعہ رہنمائی یا باخبری کی بہ نسبت تفریح یا وقت گزاری کا مشغلہ ہوتا ہے۔وہ اعداد و شمار سنجیدہ تنقید، تبصروں یا ایسی ہی دوسری تحریروں کے بجائے دلچسپ چیزیں پڑھنا پسند کرتا ہے۔فیچر عام قارئین کی اس نفسیاتی ضرورت کو پورا کرتے ہیں اس لیے ان کی اہمیت میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔

فیچر میں تفریح کا پہلو ضرور غالب ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں خبر و نظر کا عنصر سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا۔حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر صورتوں میں قارئین کو باخبر کرنے اور ان کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے میں فیچر اخبار کی دیگر تحریروں مثلاً اداریہ اور کالم وغیرہ کے مقابلے میں زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے۔

جدید صحافت میں فیچر کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔اچھے فیچر اخبارات و رسائل کی کامیابی کی ضمانت سمجھے جاتے ہیں۔ ہلکے پھلکے اور دلچسپ مواد کے ساتھ رنگا رنگ اور جاذب نظر تصویریں فیچر کو معنوی اور صوری دونوں اعتبار سے خوبصورت اور اہم بناتی ہیں۔ فیچر با تصویر تحریر ہوتی ہے۔تصاویر قارئین کی دلچسپی بڑھاتی ہیں اور موضوع کے ان پہلوؤں کو بھی بخوبی واضح کر دیتی ہیں جن کا احاطہ الفاظ میں ممکن نہیں ہوتا۔ایک چینی مقولہ ہے کہ ''ایک تصویر ہزار الفاظ پر بھاری ہے'' اس مقولے کی معنویت فیچر میں ظاہر ہوتی ہے۔ جارج فوکس موٹ اپنی کتاب ''نیوسروے آف جرنلزم'' میں لکھتا ہے:

''فیچر میں تصویروں کی موجودگی اسے ایک منفرد رنگ بخشتی ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ قاری کی بصارت رنگین وخوش رنگ اشیاء کی طرف فوراً متوجہ ہوتی ہے۔ قاری کا ذہن تصویر سے اپنے ذوق کے مطابق مفہوم اخذ کر لیتا ہے۔ اسی لیے قارئین فیچر پسند کرتے ہیں''۔

فیچر کا وجود اخبار کو اہمیت بخشتا ہے۔ فیچر کی موجودگی میں اخبار پہلی ہی نظر میں قاری کے لیے قابل قبول بن جاتا ہے۔ فیچر کی سرخیاں اور تصاویر قارئین کی توجہ کھینچتی ہیں اور ان کا ابتدائیہ اور ہائی لائٹس قاری کے تجسس کو بڑھاتے ہیں اور وہ اخبار خریدنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح فیچر اخبارات کو کامیاب بناتے ہیں۔

فیچر نیک جذبے کے تحت لکھے جائیں تو ایک باقاعدہ قوت ثابت ہوتے ہیں ایسی قوت جس کے آگے بُرائی کی قوتیں جھک جاتی ہیں۔ فیچر مؤثر اور دل نشین انداز میں قارئین کو نیکی اور خیر کے کاموں کی طرف بھی راغب کرتے ہیں اور بُرائی کی قوتوں کو بے نقاب کر کے لوگوں میں بُرائی کے خلاف نفرت پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً ملاوٹ کے متعلق خبر کو عام انداز سے پڑھا جائے گا مگر فیچر لے آؤٹ اور خاکوں کے ذریعہ ڈرامائی کیفیت پیدا کرے گا اور مختلف افراد کے انٹرویو اور مختلف لوگوں کے مشاہدات کو ڈرامائی انداز سے بیان کرے گا تو قاری کو ملاوٹ کے گھناونے پہلوؤں سے نہ صرف آگاہی ہوگی بلکہ وہ ملاوٹ کرنے والوں کے خلاف نفرت بھی محسوس کرے گا۔

فیچر نگار کسی مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر تمام متعلقہ لوگوں سے مل کر معلومات حاصل کرتا اور حقائق وواقعات کا تجزیہ کر کے قارئین کو کسی منطقی نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کی تحریر کو موضوع اور مسئلے کی مکمل تصویر سمجھا جاتا ہے۔ لہذا حکومت اور متعلقہ لوگ اس تصویر کے آئینے میں مسائل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان مسائل کے حل کی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح فیچر نگار کی محنت، جستجو، اپنے فرض سے وفاداری، دیانت داری اور تحقیق حکومت کو مختلف اقدامات اُٹھانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

موجودہ زمانے میں الیکٹرانک میڈیا سے مقابلے کے لیے فیچر اخبارات کا ایک اہم حربہ بن گیا ہے۔ اخبارات کو یہ احساس ہے کہ وہ عوام تک خبر پہنچانے کے لیے الیکٹرانک صحافت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اخبارات کی بہ نسبت ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ اہم سے اہم واقعہ کے متعلق ضروری معلومات منٹوں میں سامعین اور ناظرین تک پہنچائے جا سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اخبارات کے قارئین کئی گھنٹوں بعد ہی یہ خبر پڑھ سکتے ہیں۔ الیکٹرانک صحافت کا مقابلہ کرنے کے لیے اخبارات انہی خبروں سے متعلق زیادہ تفصیلی اور اندرونی حقائق فیچر کی صورت میں قارئین کو فراہم کر کے انھیں مطمین کر سکتے ہیں۔

کالم، اداریہ اور دوسری سنجیدہ تحریریں مخصوص لوگوں کے لیے ہوتی ہیں اور عموماً ان تحریروں کے باقاعدہ قاری ہوتے ہیں لیکن فیچر کا تعلق چونکہ عام زندگی سے ہوتا ہے اس لیے عام قاری بھی اسے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں۔ اگر ان کے پاس تفصیل سے پڑھنے کے لیے وقت نہ ہو تو وہ تصویریں اور سرخیاں ضرور دیکھتے ہیں۔ اس طرح فیچر اخبار کو نہ صرف مستقل قاری فراہم کرتا ہے بلکہ یہ اخبار کے لیے نئے قاری بھی پیدا کرتا ہے۔

خود جانچنے کے سوال

۱۔ الیکٹرانک میڈیا سے مقابلے کے لیے اخباروں کے پاس اہم حربہ کیا ہے؟

۲۔ فیچر کی اہمیت بیان کیجئے۔

18.8 اکائی کا خلاصہ

فیچر کے لغوی معنی کسی چیز کے نمایاں نقوش، شکل اور خدوخال وغیرہ کے ہیں لیکن صحافت میں فیچر کی اصطلاح ایسی تحریروں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو اخبارات کی پھیکی اور سپاٹ تحریروں کے برعکس ڈرامائی اور افسانوی انداز لیے ہوتی ہیں۔ ان میں ادبی حسن اور چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔ مختلف ماہرین نے فیچر کی مختلف تعریفیں کی ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں۔

ایف فریشر بونڈ An Introduction to Journalism میں لکھتا ہے :

''فیچر نگاری رپورٹر کے کام کے ساتھ چلتی ہے۔ فیچر خبر کے قدرتی نتیجے میں سامنے آتا ہے۔ اس میں خبری واقعہ کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے۔ حقائق کے بیان میں تحقیق اور مطالعہ کے ذریعہ وسعت پیدا کی جاتی ہے۔ اکثر اعداد و شمار ڈرامائی انداز میں پیش کیے جاتے ہیں''۔

فیچر کی مزید کچھ اہم تعریفات ذیل میں دی گئی ہیں جن سے فیچر کا ایک واضح تصور تشکیل پاتا ہے۔

☆ کسی معاملے کی الفاظ اور معاون مواد (تصاویر نقشے اور خاکے وغیرے) کے ذریعہ پیش کی گئی ایک مکمل تصویر جو موضوع کا ممکن حد تک مکمل احاطہ کرنے کے علاوہ دیرپا تاثر بھی چھوڑے فیچر ہے۔

☆ فیچر ادب اور صحافت کا امتزاج ہے۔ ادبی انداز میں لکھے ہوئے خبری واقعات فیچر بن جاتے ہیں۔

☆ واقعاتی حقائق کی ایسی رپورٹ جس کے انداز بیان میں انشائیے کی سی رنگ آمیزی ہو فیچر ہے۔

مختصر یہ کہ فیچر میں جیتی جاگتی زندگی کے حقائق دلچسپ اور پُرکشش انداز میں پیش کیے جاتے ہیں۔ فیچر کے لیے موضوع کی قید نہیں ہے۔ دنیا کی کسی بھی شئے کے بارے میں فیچر لکھا جاسکتا ہے۔ فیچر کے لیے موضوع کے انتخاب میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ قارئین کو اس موضوع سے دلچسپی ہو۔ دوسرے یہ کہ فیچر نگار کے پاس اس موضوع سے متعلق کچھ ایسی باتیں ہوں جو نئی اور انوکھی ہوں۔ فیچر کے لیے موضوع کی تلاش میں درج ذیل عوامل معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

(۱) یادداشتیں (۲) اتفاقی مشاہدات (۳) ذاتی تجربات (۴) ذاتی مشغلے (۵) سماجی اور فلاحی ادارے (۶) کنونشن اور سمپوزیم (۷) تعلقات عامہ کے شعبے (۸) گھر (۹) کیلنڈر (۱۰) کتابیں (۱۱) اخبارات و رسائل۔

موضوع اور مواد کے اعتبار سے فیچر کی متعدد قسمیں ہوسکتی ہیں۔ تاہم کشش، دلچسپی اور رہنمائی اِن تین اُمور کی بنا پر فیچر کی اہم قسمیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ معاشرتی فیچر : اس میں سماج کے کسی پہلو کو اُجاگر کیا جاتا ہے۔

۲۔ شخصی فیچر/سوانحی فیچر : کسی زندہ شخصیت پر لکھے جانے والے فیچر کو ''شخصی فیچر اور کسی وفات پائی ہوئی شخصیت پر لکھے ہوئے فیچر کو سوانحی فیچر کہتے ہیں۔

۳۔ سائنسی فیچر : اس میں کسی سائنسی ایجاد و اختراع یا نئی سائنسی تحقیقات اور ترقیات کو موضوع بنایا جاتا ہے۔

۴۔تاریخی فیچر : یہ تاریخی شخصیات، تاریخی واقعات، تاریخی عمارات، تاریخی مقامات اور تاریخی شہروں کے بارے میں لکھے جاتے ہیں۔

۵۔نیوز فیچر : یہ خبر پر مشتمل ہوتے ہیں لیکن خبر کو ادبی رنگ دے کر پیش کیا جاتا ہے۔

۶۔تربیتی فیچر : عوام کی تربیت کے لیے لکھے گئے فیچر مثلاً ٹریفک کے اُصول، حفظان صحت اور الیکٹرانک ووٹنگ مشین کے ذریعہ رائے دہی وغیرہ کی تربیت اور معلومات پر مبنی فیچر تربیتی فیچر کہلاتے ہیں۔

فیچر کے موضوع کی مناسبت سے عمدہ زبان اور مؤثر اسلوب استعمال کرنا ضروری ہے۔فیچر کے انداز بیان میں ایسی تاثیر اور توانائی ہونی چاہیے کہ قاری پورا فیچر پڑھنے پر مجبور ہو جائے۔اس میں افسانوی اور ڈرامائی انداز اور انشائیے کی رنگینی ہونی چاہئے۔فیچر میں ابتدائی پیراگراف کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کیونکہ یہی قاری کو فیچر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔اس لیے ابتدائیہ نہایت زوردار اور چونکانے والا ہونا چاہیے۔ابتدائیے کے علاوہ سرخیاں، ہائی لائٹس، لے آؤٹ، تصاویر اور نقشے وغیرہ بھی فیچر کے اہم اجزائے ترکیبی ہیں جن کے ذریعہ فیچر قاری کے لیے پُرکشش بن جاتا ہے۔

فیچر آج کے اخبارات کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔اچھے فیچر اخبارات ورسائل کی کامیابی کی ضمانت سمجھے جاتے ہیں۔عام قاری سنجیدہ اور خشک خبروں اور تبصروں کی بہ نسبت دلچسپ چیزیں پڑھنا پسند کرتا ہے۔فیچر اس کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔فیچر کی سرخیاں اور تصاویر قارئین کی توجہ کو کھینچتی ہیں اور وہ اخبار خریدنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔اس طرح فیچر اخبارات کے سرکولیشن میں اضافے کا سبب ہوتے ہیں۔فیچر قارئین کو صرف تفریح مہیا نہیں کرتے بلکہ ان کی معلومات میں اضافہ بھی کرتے ہیں ساتھ ہی ساتھ ان کی تربیت بھی کرتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں الیکٹرانک میڈیا سے مسابقت کے لیے فیچر اخبارات کا ایک اہم ہتھیار ہے۔فیچر میں خبروں سے متعلق اندرونی حقائق تفصیل سے پیش کیے جاسکتے ہیں جن کے ذریعہ قارئین کی زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش پوری ہوتی ہے۔اس طرح فیچر کو دور حاضر کی صحافت میں بے حد اہمیت حاصل ہے۔

18.9 نمونے کے امتحانی سوالات

درج ذیل سوالات کے جوابات تیس سطروں میں لکھیے۔

۱۔ فیچر کی اقسام کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں لکھیے۔

۲۔ فیچر کی اہمیت اور ضرورت پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

درج ذیل کے سوالات کے جوابات پندرہ پندرہ سطر میں لکھیے۔

۱۔ فیچر کے مفہوم کی وضاحت کیجیے۔

۲۔ فیچر کے لیے مواد کن ذرائع سے حاصل کیا جاسکتا ہے، واضح کیجیے۔

18.10 فرہنگ

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ماحولیاتی آلودگی	Pollution	قطب شمالی	کرّۂ زمین کا وہ نقطہ جو شمال اور جنوب پر سا کنہے (North Pole)
مشاہدات	مشاہدہ کی جمع، دیکھنا، معائنہ	حفظانِ صحت	تندرستی کی حفاظت
زمرہ	گروہ	جداگانہ	منفرد، الگ الگ
دقیق	باریک، نازک	متروک	چھوڑا گیا، ترک کیا ہُوا
ابتدائیہ	تمہیدی مضمون	رقم طراز	لکھنا
مواصلات	آمدورفت کے ذرائع	احاطہ	گھیرنا، پوری تفصیلات بیان کرنا
حربہ	وار، ہتھیار، ذریعہ		

18.11 سفارش کردہ کتابیں

۱۔ اقبال قادری — رہبر اخبار نویسی

۲۔ بلجیت سنگ مطیر — اخبار نویسی کے ابتدائی اصول

۳۔ ڈاکٹر محمد شاہد حسین — ابلاغیات

☆☆☆☆☆

یو-ڈی-01

وردھمان مہاویر کُھلا وِشووِدیالیہ، کوٹہ

غیر افسانوی نثر

کورس ڈولپمینٹ کمیٹی

چیئرمین : **پروفیسر نریش دادھیچ**

وائس چانسلر، وردھمان مہاویر کُھلا وِشو وِدیالیہ، کوٹہ

کنوینر / ممبران

ڈاکٹر یعقوب علی خان — کنوینر

پروفیسر قاضی جمال حسین	ممبر	پروفیسر معین الدین جینا بڑے	ممبر
پروفیسر فیروز احمد	ممبر	پروفیسر فاروق بخشی	ممبر
ڈاکٹر محمد نعیم فلاحی	ممبر		

چیف ایڈیٹر:	**ایڈیٹر:**
ڈاکٹر یعقوب علی خان	ڈاکٹر محمد نعیم فلاحی
کنوینر اردو، وردھمان مہاویر وشوودیالیہ، کوٹہ	استاد شعبۂ اردو، گورنمنٹ پی۔جی۔کالج، کوٹہ

مضمون نگاران		**اکائی نمبر**
ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی	ریٹائرڈ پرنسپل، گورنمنٹ کالج، ٹونک، راجستھان	۱
ڈاکٹر عمر جہاں	شعبۂ اردو، گورنمنٹ گرلس کالج، ٹونک، راجستھان	۳، ۴
ڈاکٹر حسن آرا	شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، کوٹہ، راجستھان	۲، ۵، ۶، ۱۱
ڈاکٹر قمر جہاں	شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، کوٹہ، راجستھان	۷
ڈاکٹر رئیس فاطمہ	سی۔آئی۔ای۔ای۔، سینٹرل یونیورسٹی، حیدرآباد	۸
ڈاکٹر نادرہ خاتون	شعبۂ اردو، جے۔ڈی۔بی۔گرلس کالج، کوٹہ، راجستھان	۹، ۱۰، ۱۳
ڈاکٹر حسین رضا خان	شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف راجستھان، جے پور	۱۲
ڈاکٹر اسلم جمشید پوری	شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ	۱۵
ڈاکٹر نسیم الدین فریس	شعبۂ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد	۱۴، ۱۶، ۱۷، ۱۸

اکیڈمک اور ایڈمنسٹریٹو نظام

پروفیسر (ڈاکٹر) نریش دادھیچ	پروفیسر بی۔کے۔شرما	جناب یوگیندر گویل
وائس چانسلر	ڈائریکٹر، اکیڈمک	انچارج، ایم۔پی۔ڈی
وردھمان کُھلا وشوودیالیہ، کوٹہ	وردھمان کُھلا وشوودیالیہ، کوٹہ	وردھمان کُھلا وشوودیالیہ، کوٹہ

☆

UD-01

B.A. First Year Urdu

paper- I

Ghair Afsanvi Nasr

یو۔ڈی۔01

وردھمان مہاویر کھلا وِشوِدیالیہ، کوٹہ

غیر افسانوی نثر

فہرست مضامین

			صفحہ نمبر
	پیش لفظ	- ایڈیٹر	1
اکائی ۱۔	: اردو کی اہم غیر افسانوی اصناف کا تعارف		2
اکائی ۲۔	: انشائیہ :فن اور صنفی خصوصیات		12
اکائی ۳۔	: انتخاب انشائیہ : ''سویرے جو کل آنکھ میری کُھلی''-	پطرس بخاری	19
اکائی ۴۔	: انتخاب انشائیہ : ''مچھر''	-خواجہ حسن نظامی	27
اکائی ۵۔	: مضمون : فن اور صنفیخصوصیات		32
اکائی ۶۔	: انتخاب مضمون : ''اپنی مدد آپ''	- سرسیّد	39
اکائی ۷۔	: انتخاب مضمون : ''سرسیّد کی راست بازی''	- حالی	49
اکائی ۸۔	: خاکہ : فن اور صنفی خصوصیات		59
اکائی ۹۔	: انتخاب خاکہ : ''سر اقبال''	- رشید احمد صدّیقی	75
اکائی ۱۰۔	: انتخاب خاکہ : ''گدڑی کا لال نُور خاں''	- مولوی عبدالحق	84
اکائی ۱۱۔	: خطوط : فن اور اہمیت		91
اکائی ۱۲۔	: انتخاب : غالبؔ کے دو خطوط		100
اکائی ۱۳۔	: انتخاب : مولانا ابوالکلام آزاد کے دو خطوط		108
اکائی ۱۴۔	: صحافت : فن اور نظریات		121
اکائی ۱۵۔	: خبر : تعریف اور خبر بندی کے لوازم		140
اکائی ۱۶۔	: اداریہ نگاری		152
اکائی ۱۷۔	: کالم نگاری		166
اکائی ۱۸۔	: فیچر نگاری		180

☆☆☆